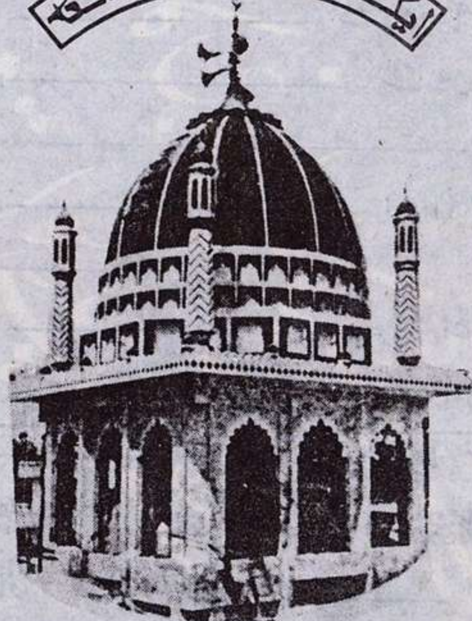
بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا حشمت علی لکھنوی

ایک تحقیقی مطالعہ



ڈاکٹر غلام یحیی انجم

دانش کدہ
۱-اے بلاک، ہمدرد کالونی
پل پہلا دیپور، بدرپور، نئی دلی ۴۴

©

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

کتاب ——— مولانا حشمت علی لکھنوی — ایک تحقیقی مطالعہ

مصنف ——— ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

کاتب ——— محمد نجم الرضا حشمتی پیلی بھیتی

طباعت ——— ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲ء

صفحات ——— ۳۵۲

تعداد ——— (۱۰۰۰) ایک ہزار

مطبع ———

قیمت ——— ۵۱/۰۰ روپے

لائبریری ایڈیشن ——— ۱۰۱/۰۰ روپے

ناشر — "دانشکدہ" ۱، اے، بلاک ہمدرد کالونی، پہلادپور نئی دلی ۴۴

تقسیم کار

المجمع الاسلامی — محمد آباد گوہنہ ۲۷۶۳۰۳ — ضلع مئو (اعظم گڈھ)

مکتبہ جام نور — ۴۲۲، مٹیا محل — جامع مسجد دہلی ۶

کتب خانہ قادریہ — اٹوا بازار ۲۷۲۱۹۲ — ضلع سدھارتھ نگر

مکتبہ نوریہ — بڑھول شریف، ۲۷۲۱۵۳ — ضلع سدھارتھ نگر

صابر بک ڈپو — کٹرہ قاضی، سرکیوالان — دہلی ۶

حجاز پبلشنگ ہاؤس — ۴۲۳، مٹیا محل — جامع مسجد دہلی ۶

عثمان بک ڈپو — شاہی گیٹ — جامع مسجد دہلی

شیر بیشۂ سنت کا پیغام

بس پیارے حبیب کو پکا پیارے نبی کا نام ہے
دامنِ مصطفےٰ نہیں، پیارا رسول تمہارا ہے

صلی اللہ علیہ وسلم

مسلمانانِ اہلسنت کے نام

اقرأ باسم ربك الذي خلق۝ خلق الانسان من علق۝ اقرأ وربك الاكرم الذي

علم بالقلم۝ علم الانسان ما لم يعلم

"حشمت علی میرا روحانی بیٹا ہے
آج سے میں ان کا
پانچ روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کرتا ہوں"

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

"اللہ تعالیٰ نے مجھے دو نعمتیں عطا فرمائی ہیں
ایک مولانا سردار احمد صاحب
اور ایک مولانا حشمت علی خانصاحب"

حُجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ
سو ڈیڑھ سو مولوی بھی باہم مل کر وہ کام نہیں کر سکتے
جو اللہ و رسول کے فضل و کرم سے اکیلے مولانا حشمت علی کر لیں گے"

مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ

یہ
کتاب
الحاج احمد عمر ڈوساتی حشمتی
کے
مالی تعاون
سے
شائع ہوئی

اترپردیش

ولادت ——— لکھنؤ

وفات ——— پیلی بھیت



فہرست عنوانات

انتساب
مصنف ایک نظر میں ۱۲
ابتدائیہ — از مصنف ۱۳
پیش لفظ — از مصنف ۲۳
کلمۂ تقدیم — حضرت مولانا مفتی شریف الحق امجدی ۳۳
کلمۂ تکریم — حضرت علامہ ارشد القادری صاحب ۳۷
کلمۂ تقریب — حضرت مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی ۸۷

پہلا باب

ذاتی حالات

شیر بیشۂ سنت ایک نظر میں ۹۰
حیات ۹۲
پیلی بھیت کا پس منظر ۹۴
حلیۂ مبارکہ ۹۵
تعلیمی سفر ۹۷
تدریسی ذمہ داریاں ۱۰۳
شادی خانہ آبادی ۱۰۶
حج و زیارت ۱۰۷

سفر آخرت ۱۱۲

دوسرا باب

خاندانی شخصیات

والد گرامی حافظ نواب علیخاں لکھنوی ۱۱۷
برادر گرامی مولانا محمد محبوب علی مفتی اعظم بمبئی ۱۱۹

اولاد

۱۔ حضرت علامہ مشاہد رضا خاں صاحب ۱۲۶
۲۔ حضرت مولانا مشہور رضا خانصاحب ۱۲۸
۳۔ حضرت مولانا عسکری رضا خانصاحب ۱۲۹
۴۔ حضرت مولانا ادریس رضا خانصاحب ۱۳۰
۵۔ حضرت مولانا معصوم رضا خانصاحب ۱۳۲
۶۔ حضرت مولانا ناصر رضا خانصاحب ۱۳۵

تیسرا باب

عادات وخصوصیات

عادات وخصائل ۱۳۷
حق گوئی وبے باکی ۱۴۲
حاضر جوابی ۱۴۷
تصلب فی الدین ۱۵۳

شعر وسخن ۱۶۳
آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء بمبئی ۱۷۳

چوتھا باب

فضائل وکمالات

تصانیف ۱۷۶
فتویٰ نویسی ۱۹۲
خطیبانہ شوکت ۲۰۲
مناظرانہ صلاحیت ۲۱۳
بیعت وارشاد ۲۶۴

پانچواں باب

آثار وتاثرات

مکتوبات ۲۹۹
تاثرات (منظوم ومنثور) ۳۲۸

کتابیات ۳۴۴

عکس نوادرات

تصویریں

مزار اقدس حضرت شیر بیشۂ سنت

شیر بیشۂ سنت کا کتب خانہ

دار الافتاء

حضرت کے مکان کا صدر دروازہ

حشمتی مسجد

تحریریں

عکس تحریر حضرت مولانا حشمت علیخاں لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

عکس تحریر حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ

عکس تحریر حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ

عکس تحریر حضرت مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ

عکس تحریر حضرت مولانا مفتی رفاقت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

انتساب

اپنے مرشد کے نام

جن کے فیض نسبت نے مجھے

مشاہدۂ حق کا

حقیقی شعور بخشا

دین کی عزت و حرمت

اور ——— رضائے الٰہی کا عرفان عطا کیا

اور

ان کی نسبت ہی میری پونجی ہے

کچھ نہیں ہو کے بھی میں سب کچھ ہوں

کفش بردار

غلام یحییٰ انجم

مصنف ایک نظر میں

- نام :— ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
- ولدیت :— عالیجناب الحاج علی رضا صاحب
- پتہ :— مقام پر سابزرگ، پوسٹ جگنا دھام، ضلع سدھارتھ نگر (بستی)
  — یوپی ، ۲۷۲۱۹۲
- تعلیمی لیاقت:- فاضل درس نظامیہ، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور اعظم گڈھ
  بی ٹی ایچ - ایم اے (عربی) ایم ۔ فل - پی ایچ ڈی (عربی) (علیگ)
  کامل، فاضل عربی ادب ، فاضل معقولات (یوپی بورڈ)
  — (یونیورسٹی میڈلسٹ)
- مشغلہ :— لکچرار، شعبہ تقابل ادیان فیکلٹی اسلامک اسٹڈیز
  — جامعہ ہمدرد، نئی دہلی ۶۲
- خدمات :—

(۱) نقش آخرت — الہ آباد ۱۹۷۸ء
(۲) مصری مؤرخین — فیض آباد ۱۹۸۷ء
(۳) تذکرہ علمائے بستی — فیض آباد ۱۹۸۸ء
(۴) انوار خیال — دہلی ۱۹۹۱ء
(۵) امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار — کراچی ۱۹۹۱ء
(۶) جغرافیہ ضلع سدھارتھ نگر — بستی ۱۹۹۲ء
(۷) مولانا حشمت علی لکھنوی، ایک تحقیقی مطالعہ — دہلی ۱۹۹۲ء
(۸) کتاب المقفی الکبیر (تحقیق) —
(۹) متنبی ۔ ایک تحقیقی مطالعہ —
(۱۰) معلم العربیۃ لطلاب الطبیہ —
(۱۱) مولانا حشمت علی لکھنوی اور تحریک پاکستان —
(۱۲) میری دنیا میرے لوگ —

ابتدائیہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

احب الصالحین ولست منهم
لعل الله یرزقنی الصلاحا

بزرگوں کے حالات پڑھنا، جمع کرنا، لکھنا اور پھر اسی کے مطابق زندگی بسر کرنا میرا محبوب مشغلہ ہے۔ اس سلسلے کی میری کئی فکری کاوشیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ تقریباً دو سال قبل جس بے سر و سامانی کے عالم میں اس موضوع پر کام کرنا شروع کیا تھا وہ ناقابل بیان ہے لیکن

لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

کے مصداق احباب و مخلصین کی رہنمائی و کرم فرمائی نے اس مشکل کام کو جو میرے لئے کوہ کندن و جوئے شیر برآوردن کے مانند تھا آسان بنا دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ احباب کا اگر مخلصانہ تعاون شامل حال نہ ہوتا تو کتاب منظر عام پر آنا تو درکنار مسودہ کی شکل بھی نہ اختیار کر پاتی۔

اس سلسلے میں میں اپنے احباب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب سے متعلق مجھے کسی طرح کا تعاون دیا۔ خاص طور سے مولانا ادریس رضا خاں اور مولانا عبد المصطفٰے صدیقی کا جنہوں نے مواد کی فراہمی سے متعلق میری دستگیری فرمائی۔ اور حضرت مولانا مفتی شریف الحق امجدی صاحب کا جنہوں نے اس کتاب کے متنازعہ فیہ مباحث کو اپنے کانوں سے صرف سنا ہی نہیں بلکہ جا بجا مفید مشوروں سے بھی نوازا۔ اور ساتھ ہی ایک وقیع مقدمہ عنایت فرما کر اس کی اہمیت کو دوبالا کر دیا۔

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب کا شکریہ نہ ادا کرنا ناسپاسی ہوگی کیونکہ انھوں

نے عدیم الفرصتی کے باوجود کتاب پر نظرِ ثانی فرمائی اور ایک معیاری مقالہ عنایت فرمایا جو کلمۂ تکریم کے عنوان سے آغاز کتاب میں شامل ہے۔

ہدیۂ تشکر پیش ہے خلیفۂ شیر بیشۂ سنت الحاج احمد عمر ڈوسا حشمتی کی جناب میں اس لئے کہ انھوں نے مجھے اپنا مالی تعاون دیا جسکے سبب میں کتاب کو طباعت کے دشوار گذار مراحل سے گذارنے کے قابل بن سکا۔

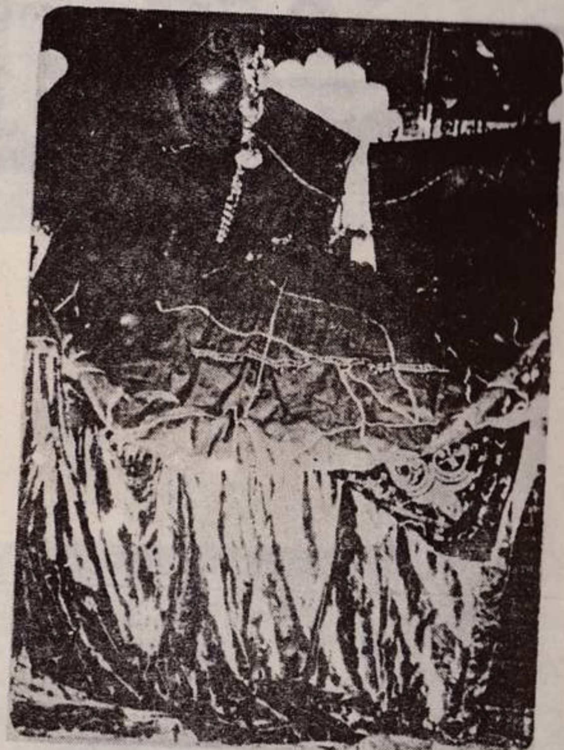
والدگرامی جناب الحاج علی رضا صاحب اور برادر گرامی ماسٹر حبیب اللہ صاحب (مدظلہما العالی) کا بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے میری اسطرح تربیت فرمائی کہ میں اپنے بزرگوں کی جناب میں کسی قدر حقیر تحفہ پیش کرنے کے قابل ہو سکا۔

شریکِ حیات اور بچی ورلیشہ انجم کا شکریہ ادا کرنا اسلئے ضروری ہے کہ انھوں نے گھریلو کاموں سے آزاد رکھکر کتاب لکھنے کا موقعہ دیا۔ ورنہ اگر وہ گھریلو معاملات سے بے نیاز نہ رکھتیں تو شاید کتاب سے متعلق میرا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو پاتا۔

اخیر میں اپنے ان تمام احباب کی جناب میں ارمغانِ تشکر پیش کرتا ہوں جنہوں نے مجھے کسی قسم کا سہارا دیا اور اجر عظیم کے مستحق ہوئے۔

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ــــ فجزاھم اللہ خیر الجزاء فی الدنیا والآخرۃ (آمین)

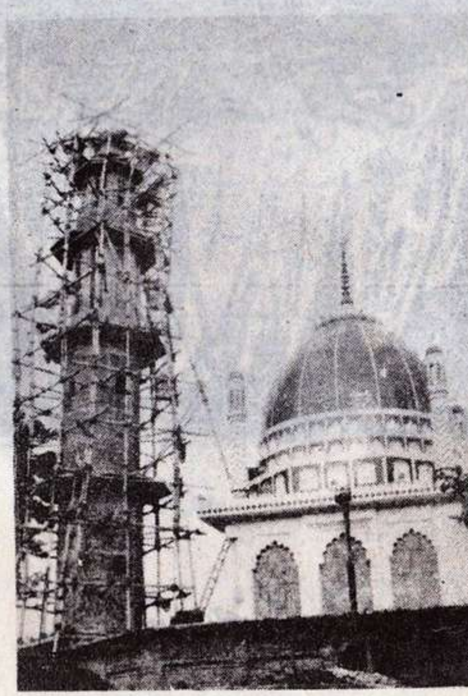
غلام یحییٰ انجم



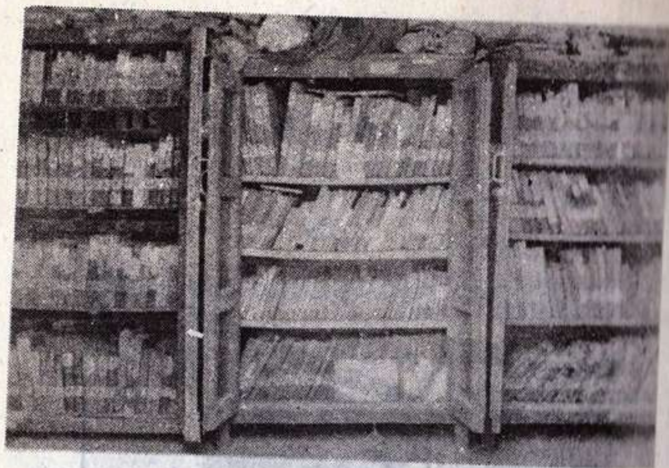
مزار اقدس حضور شیر بیشۂ سنت



حشمتی مسجد



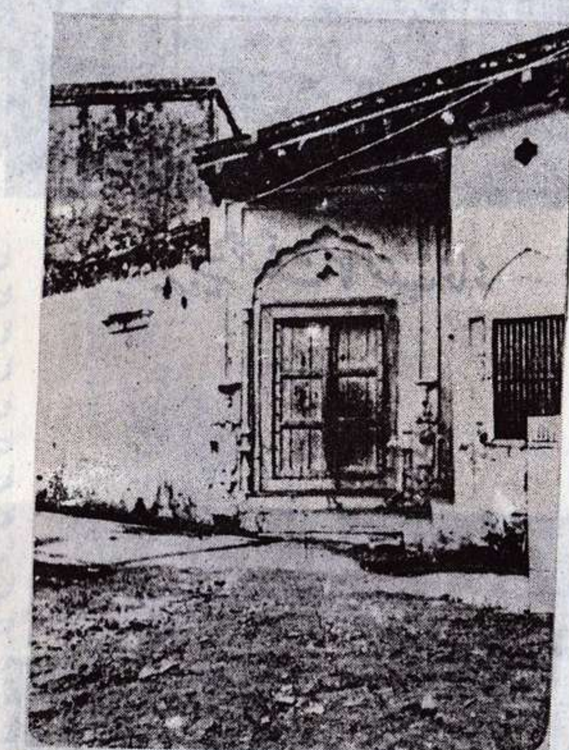
زیر تعمیر آستانۂ حشمتیہ کا عظیم الشان منارہ



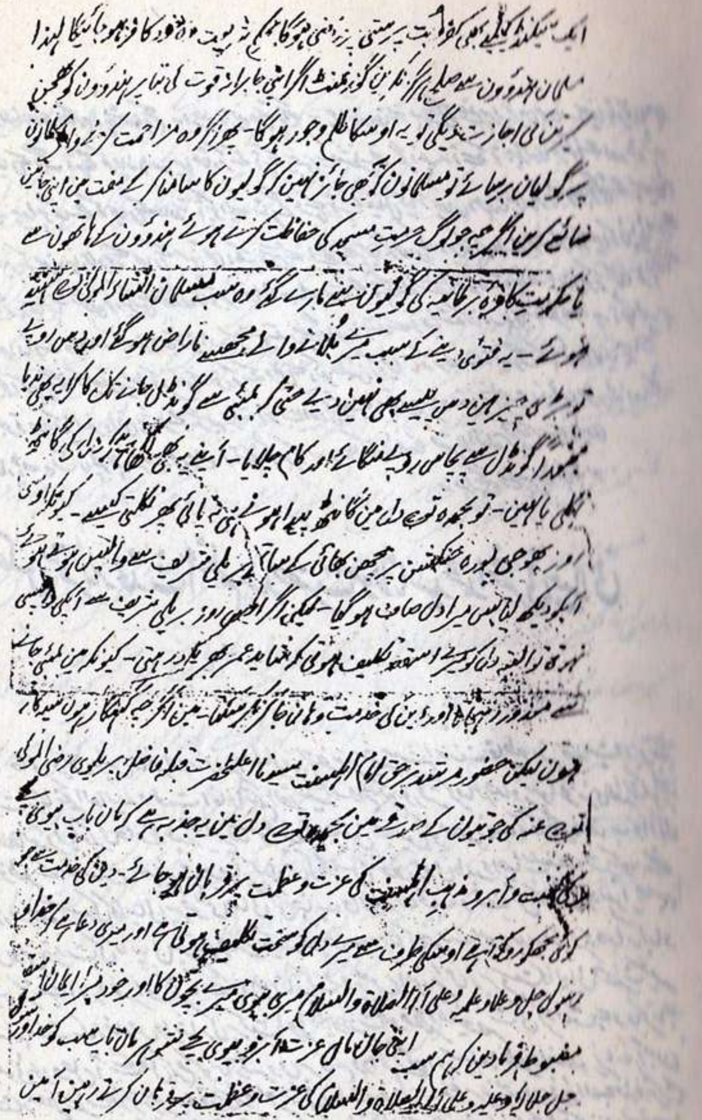
شیر بیشۂ سنت کا کتب خانہ



دارالافتاء



شیر بیشۂ سنّت کے مکان کا صدر دروازہ جس میں موئے مبارک حضور پُر نور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگانِ دین کے تبرّکات ہیں



عکس تحریر حضرت شیر بیشۂ اہلسنّت مولانا حشمت علی لکھنوی

مولانا الاعز الاکرم زید مجدکم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ میں دو دن سے مبارکپور ضلع اعظم گڑھ میں ہوں ۔ بعض [illegible]
یہاں کے لوگ آپ کے جامعہ کے جلسہ پر اعتماد کر کے آپ کے بےچینی سے منتظر تھے مگر آپ نہ آ سکے تو بیقراری بڑھ گئی ہے اور [illegible]
یہ پیدا ہو گیا ہے کہ یہاں کے [illegible] آپکو ایسے [illegible] آپ نے خیال کیا کہ یہاں [illegible] میں پارٹی بازی ہو گئی ہے اسمیں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
از مبارکپور ضلع اعظم گڑھ [illegible]

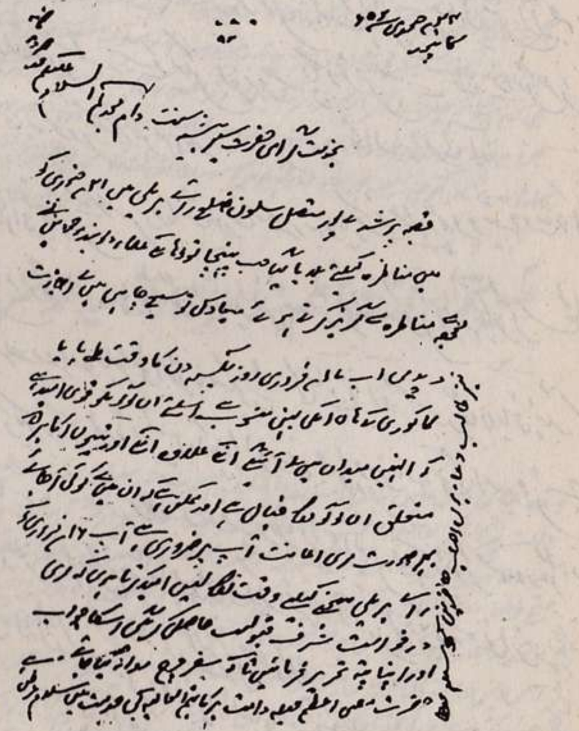
عکس تحریر محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی جیلانی

۲/۶ ، حامی دین متین ناصر الاسلام والمسلمین حضرت شیر بیشۂ اہل سنت قاطع شر نجدیہ و دیوبندیہ
دامت برکاتکم العالیہ و عمت افاداتکم القدسیہ السلام علیکم و رحمۃ [illegible] کرم نامہ صادر ہوا عزیزی عبد الشکور [illegible]
کو مطالعہ کرایا ، مکرمی حافظ عبد الحلیم صاحب و دیگر مخلصین محبین کو مضمون سے آگاہ کیا جناب والا کی
فتح و ظفر کے سلسلہ میں تہنیت و مبارکباد کی مجلس منعقد ہوئی طلبہ و احباب اہلسنت شریک تھے
مقدمہ کی کامیابی پر خوشی منائی گئی جناب والا کے مناقب و فضائل کا تذکرہ ہوا جلسہ
اس دینی خدمت کی کامیابی پر قلبی مسرت کیساتھ جناب والا کی خدمت میں ہدیہ تشکر و مبارکباد
پیش کرتا ہے اور اعتراف کرتا ہے کہ اس نازک دور میں اتنی بڑی زبردست کامیابی حضرت شیر
بیشہ سنت کے اخلاص و ایثار کی برکت اور اعلیحضرت قبلہ و مظہر اعلیحضرت کی کرامت ہے دعا کرتا ہے
کہ مولی عز و جل آپ کے ظل کرم کو ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور ہمیشہ مظفر و منصور فرمائے آمین
استاذ معظم حضرت صدر الشریعہ قبلہ قدس سرہ [illegible] نے دل و دماغ پر غیر معمولی اثر ڈالا [illegible]
آپ اور ہم سبکو صبر جمیل کی توفیق دے اور حضرت قبلہ کے درجات علیا میں بیشمار بلندی بخشے آمین و بہ نستعین
[illegible] والسلام خادم عبد العزیز غفرلہ [illegible]

عکس تحریر حافظ ملت حضرت مولانا عبد العزیز محدث مبارکپوری

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
فقیر حبیب الرحمن قادری [illegible]
[illegible]

عکس تحریر مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمن قادری



عکس تحریر حضرت مولانا مفتی رفاقت حسین مفتی اعظم کان پور

پیش لفظ

سلف کے تذکرے خلف کیلئے موعظت، عبرت اور مشعل راہ ہوتے ہیں۔ اس مقصد کے پیش نظر ارباب قلم نے صالحین کے تذکرے لکھے۔ پھر اس فن میں اس درجہ تنوع ہوا کہ صحابہ، خلفاء، شہداء، اولیاء، بزرگان دین اور پھر تمام سلاسل کے بزرگوں کے الگ الگ تذکرے حیطۂ تحریر میں لائے گئے۔ ملکی اور جغرافیائی پیمانے پر بھی قلم اٹھایا گیا۔ صلحاء، علماء، فقہاء، مفسرین اور محدثین کے سنہ وار کارنامے بھی اپنی اپنی جگہ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

کسی بھی شخصیت کی سوانح حیات کسی بھی انداز میں لکھنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اسکی شخصیت اگر اس قابل ہے کہ اس کی زندگی کی روش پر چلا جا سکے تو ضرور نمونۂ حیات بنا کر چلا جائے۔ اس نقطۂ نظر کے تحت بطل جلیل حضور شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی خاں لکھنوی ثم پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں کو جمع کر کے عوام و خواص کی جناب میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ جیسی نامی گرامی شخصیت پر بہت پہلے مبسوط سوانح لکھنے کی ضرورت تھی مگر ان سے عقیدت رکھنے والے حضرات نہ جانے کیوں ایسا نہیں کر سکے۔ جبکہ ان کے مریدین و متوسلین میں اہل علم حضرات کے علاوہ سرمایہ دار بھی ہیں۔ اس سرد مہری کیلئے قوم کے سامنے ہم بھی جوابدہ ہیں اس توفیق ارزانی کے لئے بارگاہ عزت میں سجدہ ریز ہوں کہ حضرت شیر بیشۂ سنت کے سوانح نگاروں اور مداحوں کی صف میں مجھے کھڑا ہونے کی جگہ میسر آئی

اک ذرۂ حقیر پہ یہ بارش کرم ٭ منھ دیکھتا ہوں رحمت عاجز نواز کا

حضور شیر بیشۂ سنت کی سوانح سے متعلق جو کتابیں نظر سے گذری ہیں وہ بہت ہی سطحی اور سرسری ہیں۔ یا کسی خاص موقعہ کی مناسبت سے لکھی گئی ہیں جو اُن کے تمام علمی

پہلوؤں اور زندگی کے گوشوں کا احاطہ نہیں کرتی ہیں۔

(۱) پہلی کتاب جو آپ کے برادر اصغر حضرت مولانا مفتی محبوب علی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔ جس کا تاریخی نام "حیات بلند پایہ حشمت علی" (۱۳۸۰ھ) ہے۔ یہ ایک جامع مختصر ۱۶ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے جو چھوٹے بھائی کا بڑے بھائی کی رحلت پر رنج والم کی ایک تاثراتی تحریر ہے۔

(۲) حضرت مولانا محبوب علی رحمۃ اللہ علیہ کی اسی موضوع سے متعلق دوسری کتاب سوانح شیر بیشۂ سنت ہے۔ جس کا تاریخی نام "مشاہدۂ مولانا حشمت علی" (۱۳۸۰ھ) ہے اس کتاب میں مفتی صاحب نے اپنے بڑے بھائی کے حالات بڑے شرح و بسط کے ساتھ جمع کئے ہیں۔ اس میں بعض ایسی اہم اور نادر باتیں بھی ہیں جن تک اکثر اہلِ علم کی رسائی نہیں ہو سکی ہے۔ خاندانی پس منظر کا ذکر تو کم البتہ کارناموں کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

مصنف نے اپنی یادداشتوں کو جس طرح ذہن میں محفوظ تھیں قلمبند کر لیا تھا اس پر انھیں نظر ثانی کا موقعہ نہیں ملا تھا اس لئے مواد کی بے ترتیبی جا بجا نمایاں ہے۔ بعض جگہ واقعات کی تکرار بھی ہے۔ اگر وہ کتاب از سر نو ترتیب دے کر شائع کی جاتی تو یقیناً پھر دوسری کتاب کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

کتاب کی اشاعت کیوقت زمانہ جدید کے تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے جس کے سبب کئی مقامات پر تشنگی کا احساس دامنگیر ہوتا ہے۔ تاہم جو واقعات اس میں درج ہیں وہ مُشاہدا اور مبنی بر حقیقت ہیں۔ اس لئے کتاب کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔

کتاب کی طباعت کا سارا خرچ خلیفۂ شیر بیشہ سنت الحاج احمد عمر ڈوسا صاحب نے برداشت کیا ہے۔ کتاب کل ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے اور عروس البلاد بمبئی سے مصنّف کے فرزند اکبر حضرت مولانا قاری محمد منصور علی کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔

(۳) تیسری کتاب "سیدنا مظہر اعلیٰ حضرت" ہے جس کا تاریخی نام "مظہر انور" (۱۴۰۲ھ)

ہے۔ اس کتاب کے جامع ماسٹر عبدالوہاب قادری برکاتی حشمتی بلرامپوری ہیں۔ کتاب کل ۱۶۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ مطالعۂ کتاب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی خادم کے سچے جذبات ہیں جس کے نقوش منورٔ قرطاسِ عقیدت پر جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب بھی شیر بیشہ سنت کے تمام پہلوؤں پر روشنی نہیں ڈالتی ہے۔

(۴) "کلک رضا" اس سلسلے کی چوتھی کتاب ہے۔ یہ باضابطہ کتاب نہیں بلکہ ۴۶ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔ جسے مولانا امان الرب صاحب نے مناظرہ کے دوران پیش آنے والے کچھ واقعات کو بڑے حسن و سلیقہ کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ جس موضوع پر یہ رسالہ ہے اس پر بھی اس میں سیر حاصل بحث نہیں ہے۔ کئی جگہ کمی کا احساس بدستور باقی رہتا ہے۔ مصنّف اگر تھوڑی اور توجہ کرتے تو شاید اس موضوع کو سمیٹنے کا حق ادا کر سکتے تھے۔

کتابوں کی دنیا سے ہٹ کر کچھ رسائل و جرائد نے البتہ ان کی جناب میں اپنے اپنے عقیدت کے نمبر پیش کئے ہیں جن رسالے کے مدیروں کو اس کی سعادت میسّر آئی ان میں "پاسبان" الٰہ آباد اور "فیض الرسول" سدھارتھ نگر (لبستی) کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اُن رسالوں میں کس قسم کے مضامین ہیں اس کی وضاحت کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔

اس کے علاوہ کچھ باذوق حضرات نے آپ کی سوانح لکھنے کا اشتہار دیا اور کوششیں بھی کیں مگر

ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

کسی نے اہلِ علم کے عدمِ تعاون اور کسی نے حالات کی نامساعدت کا شکوہ کیا۔ بہر حال وہ اپنے خواب و خیال کو علمی جامہ پہنانے سے قاصر ہی رہے۔ علم دوست حضرات کے کان ان ناموں سے ضرور آشنا ہوں گے۔ موقع کی مناسبت سے ایک صاحب کا ذکر بے جانہ ہوگا جن کی تحریک میری اس کتاب کی تالیف کا اولیں سبب ہے۔

سنت علیہ الرحمہ کے فیوض و برکات کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ ادارہ کے اکثر اساتذہ وار اکین آپ کے مریدین و متوسلین میں سے ہیں۔ ادارہ کے اساتذہ کے ذریعہ ان کے روحانی سرپرست کی مبسوط سوانح منظر عام پر آنی چاہیئے تھی مگر وہاں کے اساتذہ نہ جانے کیوں یہ کام انجام نہ دے سکے۔ البتہ یہ کوئی ۱۹۸۲ء کی بات ہے جب ماہنامہ فیض الرسول کے نائب مدیر عزیز گرامی مولانا جمال احمد خاں رضوی جن دنوں وہاں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔ انھوں نے شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات پر مشتمل ایک وقیع میگزین نکالنے کا ارادہ ہی صرف نہیں کیا بلکہ اعلان بھی کیا اور ارباب قلم سے روابط بھی قائم کر لئے تھے۔ مجھے اُن کے سیاسی پہلو اور ملکی خدمات پر لکھنے کا حکم دیا گیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے کچھ اہلِ علم حضرات کے مقالے بھی جمع کر لئے۔ میں نے بھی متعینہ مدّت کے اندر ہی حکم کی تعمیل کر دی تھی۔ مولانا جمال احمد خاں اپنے ارادے کو عملی جامہ کیوں نہ پہنا سکے اس کی ہمیں خبر نہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ اس ادارہ سے اس قسم کی کوئی کاوش اب تک منظرِ عام پر نہیں آسکی ہے۔

میں نے اپنا مقالہ جو شیر بیشۂ سنت کی سیاسی بصیرت سے متعلق تھا لکھ تو دیا مگر مجھے تسلّی نہ ہوئی تھی۔ کیوں کہ اُن کی سیاسی بصیرت باضابطہ ایک کتاب کی متقاضی تھی۔ جسے میں نے مقالے کے چند صفحات میں سمیٹنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ جستجو بڑھتی رہی مزید کتابوں کا مطالعہ جاری رہا بالآخر میں اس نتیجے پر پہونچا کہ شیر بیشۂ سنّت اپنے اور بیگانے تمام علماء و قائدین کے نظریات سے ہٹ کر "تقسیم ہند" سے متعلق اپنا ایک جداگانہ نقطۂ نظر رکھتے تھے جس پر مضبوطی سے قائم تھے حضور شیر بیشۂ سنت کے اسی انفرادی نقطۂ نظر کے سبب اس مضمون سے مجھے اور دلچسپی پیدا ہوئی اور ایک سال کی مسلسل کوشش سے "مولانا حشمت علی اور تحریک پاکستان" کے عنوان سے ایک کتاب ہی ترتیب دے ڈالی۔ یہ کتاب چونکہ خالص ان کے اس سیاسی پہلو سے متعلق ہے جس کے وہ خود ہی مرد میدان تھے۔ چناں چہ اس کتاب کا ایک ورق "مفتی اعظم ہند کا سیاسی کردار" کے عنوان سے ماہنامہ فیض الرسول (براؤں بستی) میں شائع کرایا۔ جسے میں نے شواہد اور حوالوں سے اس طرح جکڑ رکھا تھا کہ قاری کو مقالے کے مباحث کی صداقت

کا اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ مقالے میں اس بات کی وضاحت تھی کہ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا سیاسی مطمحِ نظر وہی تھا جس کے علمبردار شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یہ بات کچھ ارباب فکر و نظر کو بھلی نہ لگی اور مدیر فیض الرسول کو خطوط لکھے کہ ایسے مضامین چھاپنے سے رسالہ کو احتراز کرنا چاہیئے۔ خطوط لکھنے والوں میں ہندوستانی کم پاکستانی علماء زیادہ تھے۔ علیگڈھ کے ہمارے کچھ مخلصین نے بھی اس موقعہ سے اپنے قلم کی روشنائی ضائع کی تھی۔ ایسا کیوں کر ہوا، اُسے مجھ سے زیادہ آپ سمجھتے ہوں گے۔ جب مجھے اس کی خبر ہوئی اور دو ایک مراسلہ کو انھوں نے شائع بھی کیا تو میں نے خود بستی جا کر مدیر اعلیٰ فیض الرسول سے ملاقات کی اور کہا کہ یا تو خطوط چھاپنے بند کیجئے یا پھر سوال و جواب کا ایک طویل سلسلہ شروع کیجئے۔ طویل گفتگو کے بعد مدیر اعلیٰ نے میری بات مان لی اور رسالہ میں طرفین کی تحریروں کی اشاعت پر پابندی لگا دی۔ سچّی بات یقیناً کڑوی ہوتی ہے دلائل و براہین کی روشنی میں اس کتاب میں اس حقائق کو واضح کیا گیا تھا اس لئے کتاب متنازع ہو گئی تھی۔ کتاب چھپوا کر کسی شخص کی عقیدت کو مجروح کرنا اور کسی کی خوش فہمی میں رخنہ ڈالنا میرا کام نہیں اسلئے کتاب کی طباعت کا ارادہ ہی ملتوی کر دیا۔

مگر پھر بھی ضرورت بدستور محسوس کی جاتی رہی کہ اس عظیم رہنما جس نے مناظرہ، سیاست، خطابت اور دیگر میدانوں میں اپنی انفرادیت برقرار رکھی اس کی مبسوط سوانح لکھکر ارباب ذوق تک پہونچائی جائے۔ چناں چہ یہ بیڑا میں نے اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھا لیا۔ یونیورسٹی میں درس تدریس کی مصروفیت اور پھر اس عظیم مگر گمنامی پسند مذہبی رہنما کی سوانح سے متعلق مواد کی کمی کے سبب کسی طرح ممکن نہ تھا کہ اپنے مقصد کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو سکوں گا —— مگر بزرگان دین کے طفیل خدا و رسول جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی مدد اس طرح شامل حال رہی کہ یہ کتاب صرف دو سال کی کدّ و کاوش کے بعد آپکے ہاتھوں میں آگئی۔

کتاب میں متعدد بحثیں ہیں۔ جن کے ذریعہ زندگی کے ہر پہلو کو واضح کرنے کی کوشش کیگئی ہے پھر بھی ہمیں پورا اعتماد ہے کہ اُن کے تمام گوشۂ زندگی تک مجھ کم مواد کی رسائی نہ ہوسکی ہوگی۔ البتہ جتنا لکھا گیا ہے دلائل وشواہد سے مربوط کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے اُن کی زندگی کے جن گوشوں پر زیادہ لکھنے کی ضرورت تھی جیسے مناظرانہ صلاحیت، قلمی صلاحیت اُن پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اگر کتاب کی ضخامت کا خوف دامنگیر نہ ہوتا تو بعض مباحث پر مزید خامہ فرسائی کی جاسکتی تھی۔

کتاب کی ترتیب میں بڑی متانت اور سنجیدگی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے استاذانہ نہیں تلمیذانہ ہے۔ حتی الامکان قلم کو جذبات کی رو میں بہنے سے روکا گیا ہے۔ پھر بھی بیان حقائق میں ممکن ہے کوئی ایسا جملہ نکل گیا ہو جو کسی کی دل شکنی کا سبب بنا ہو تو اس کیلئے میں معذرت خواہ ہوں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ایسے جملوں سے کسی کی تنقیص وتحقیر مقصود نہیں بلکہ صرف بیانِ حقائق مدنظر ہے

حوالے سے متعلق میں نے انہی کتابوں کا التزام کیا ہے جو مجھے عام لائبریری کسی ذاتی لائبریری یا کسی اکیڈمی وکتب خانے میں دستیاب ہوئیں۔ میں نے انھیں ؎

تمتع زہر گوشۂ یافتم
زہر خرمنے خوشۂ یافتم

کے مانند پڑھا، مطالعہ کیا پھر انہی میں سے کچھ اپنے مطلب کی نکال کر آپ تک پہنچایا مگر بعض جگہوں پر ایسا بھی ہوا ہے کہ غیر ضروری عبارت نقل کرنے کے بجائے کتاب کی ضخامت کے خوف سے حوالوں پر ہی اکتفا کر لیا گیا ہے۔ اور اسی خوف سے علماء کرام کے اسمائ آداب والقابات سے لکھنے کے بجائے مشہور ومعروف القاب وخطابات مختصرًا دیئے گئے۔ جیسے شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا قادری کیلئے "فاضل بریلوی" - "اعلیحضرت" اور صاحبِ تذکرہ حضرت مولانا حشمت علیخاں قادری کیلئے "شیر بیشۂ سنت" یا کہیں صرف "مولانا حشمت علی"۔ حضرت

مولانا نعیم الدین مرادآبادی کیلئے صدر الافاضل۔ حضرت علامہ امجد علی اعظمی کیلئے "صدر الشریعہ" (علیہم الرحمۃ والرضوان) وغیرہ

کتاب کی ترتیب میں اوّلًا اصل ماخذ سے استفادہ کی کوشش کی گئی ہے، جب کسی قول کی تائید اصل ماخذ سے ہوتی نہیں نظر آئی ہے تو ثانوی ماخذ کیطرف رجوع کیا گیا ہے۔

واقعات کے بیان میں مورخانہ دیانت کو پیش نظر رکھا ہے۔ سب کا تذکرہ احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔

کسی ضخیم کتاب کا اتنی قلیل مدّت میں منظرِ عام پر لانا ناممکن نہیں مگر مشکل ضرور ہے۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ مولانا عبد المصطفےٰ صدیقی گونڈوی نے ایک زمانے میں شیر بیشۂ سنّت کی سوانح لکھنے کا اعلان کیا تھا۔ جس کیلئے انھوں نے بڑی تگ ودو بھی کی تھی۔ مواد کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ جمع کر لیا۔ مگر تدریسی مصروفیات اور دیگر علمی مشاغل کے سبب اُسے کتابی شکل نہ دے سکے۔ ناچار انھوں نے وہ بکھرے مواد شہزادۂ شیر بیشۂ سنّت مولانا محمد ادریس رضا کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کر دیئے کہ اُسے کسی صاحب قلم کے سپرد کر دیا جائے شیر بیشۂ سنّت کی ایک مبسوط سوانح لکھنے سے متعلق اُن سے میں اپنا ارادہ ظاہر کر ہی چکا تھا۔ موصوف نے وہ بکھرے مواد میرے حوالے کر دیئے۔ جس سے مجھے کتاب کی ترتیب میں سہولت ملی۔ کم سے کم وقت صرف کرنا پڑا "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے تحت بکھرے مواد کے اس حصہ کو اپنی کتاب میں جگہ دی جو میرے مناسب تھا۔ اسطرح یہ کتاب بیہم مصروفیات کے سبب ۲ دو سال کی قلیل مدت میں آپ تک پہونچانے میں کامیاب ہوسکا۔ یہ واضح رہے کہ مولانا عبد المصطفےٰ صدیقی کی کاوشیں اگر مجھ تک نہ پہونچتیں اور خلیفہ شیر بیشہ سنت الحاج احمد عمر ڈوسا ابتی اس کی طباعت کا سارا خرچ نہ برداشت کرتے تو شاید یہ کتاب آج آپ کے ہاتھوں میں نہ ہوتی۔

کتاب کی ترتیب سے پہلے ارادہ تھا کہ انداز تصنیف کا وہی معیار اس میں بھی برقرار رکھا جائیگا جیسا کہ میں نے " مولانا حشمت علی لکھنوی اور تحریک پاکستان " نامی کتاب میں کیا ہے ـــــ کتاب کی ضخامت بڑھ جانے کے اندیشے سے ناچار اس ارادے کو مسترد کرنا پڑا۔

آج کی ادبی دنیا میں دانشوروں اور بزرگوں کے واقعات و مکتوبات کے جمع کرنے اور پھر اُن کو منظر عام پر لانے کا کام بڑی تیزی سے ہو رہا ہے۔ اس موضوع سے متعلق کئی اہل علم کی کاوشیں منصّۂ شہود پہ آکر ارباب ذوق سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔ موقع کی مناسبت سے میں نے بھی آخر میں مکتوبات کی سرخی کے تحت کچھ ان کے اور کچھ ان کے پاس بزرگوں کے آئے ہوئے خطوط نقل کر دیئے ہیں جو سیاسی، سماجی، علمی اور مناظرانہ موضوعات کے علاوہ نجی معاملات سے بھی متعلق ہیں۔ اُن خطوط سے اگر ایک طرف اُن کے معاصرین سے روابط کا علم ہوتا ہے تو دوسری طرف خود اُن کی زندگی کے اہم گوشوں کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔

کسی شخص کی اہمیت کا اندازہ لگانے کیلئے اس دور کے اکابرین اور معاصرین کے آراء و افکار کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس سے شخصیت کو پرکھنے میں مدد مل سکتی ہے ـــــ اسلئے میں نے "تاثرات" کا باب قائم کرکے اکابر علماء اور معاصر دانشوروں کے آراء کے علاوہ شعرائے اسلام کے منظوم خراج عقیدت بھی لکھدیئے ہیں تاکہ کسی نہج سے کتاب تشنہ نہ رہ جائے۔

مناظروں کی روئداد میں جو مطبوعہ ہیں ان کی میں نے نشاندہی بھی کر دی ہے اور جن مناظروں کی روئداد اب تک شائع نہیں ہوئی ہے اس کا ماحصل بیان کر دیا ہے۔ عام طور پر ایسا انھیں مناظروں کی بابت کیا گیا ہے جنکی تاریخی حیثیت مسلم ہے۔ چھوٹے مناظروں اور علمی مباحث کی نہ تو ہمارے پاس کوئی روئداد ہے اور نہ ہی کوئی باضابطہ ریکارڈ تاہم

درج شدہ مناظروں کی روئداد سے ان کی مناظرانہ صلاحیتوں کا اندازہ بڑی آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔

درمیان کتاب کچھ باتیں آپ کو ایسی بھی ملیں گی جن کا کوئی حوالہ نہیں ہوگا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ عبارت کسی اہل علم کی گفتگو کا خلاصہ ہے یا کسی تقریر کی کیسٹ کی ترجمانی۔ ایسا صرف موضوع کو موثر بنانے کیلئے کیا گیا ہے۔

قارئین کی سہولیات کی خاطر کتاب پانچ ابواب میں تقسیم کر دی گئی ہے۔ تاکہ پڑھنے والا جلد ہی اپنا مقصود حاصل کر سکے۔ ان ابواب کی تفصیل اس طرح ہے۔

پہلا باب ذاتی حالات دوسرا باب خاندانی شخصیات تیسرا باب "عادات و خصوصیات" چوتھا باب "فضائل و کمالات" اور پانچواں باب "آثار و تاثرات" میں ہے۔

اختتام ابواب پر میں نے ان تمام کتابوں، رسالوں اور اخباروں کی فہرست " کتابیات" کے عنوان سے دے دی ہے جن کی مدد سے یہ کتاب لکھی گئی ہے ان رسائل و اخبارات میں سے میں نے بعض سے بالواسطہ اور بعض سے بلاواسطہ استفادہ کیا ہے۔

کتاب کے آغاز میں ملک و ملت کے ان تین جلیل القدر ہستیوں کی تقریب و تقدیم بھی شامل ہے جن کی شخصیات دنیائے علم و ادب میں مہر نیمروز کیطرح روشن ہیں۔ ایسا میں نے اپنی کتاب کو وقیع اور مستند بنانے کیلئے کیا ہے

کسی بھی کاوش فکر کو الفاظ کا جامہ پہنا کر زیور طبع سے آراستہ کرکے اہل علم تک پہنچانا جوئے شیر لانے کے مانند ہے۔ اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو صبر آزما اور دشوار گذار مراحل سے گذارتے ہوئے اپنی فکری کاوش کو قارئین تک پہنچاتے ہیں۔ یہ کتاب جن مراحل سے گذر کر آپ تک پہنچی ہے اس کا احساس مجھ سے زیادہ میرے ان احباب کو ہے جنہوں نے اسے اپنا ذاتی کام سمجھکر اسکی تکمیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ بہر حال کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

"در شہر آبگینہ فروش است و جوہری"

کے مانند مطالعہ کرنا اور کھرے کھوٹے کی تمیز کرکے اس کاوش کی حوصلہ افزائی کرنا اب آپ کا کام ہے۔ ہمیں تو صرف آپ کے گراں قدر تاثرات اور مخلصانہ مشوروں کا انتظار رہے گا۔

حالِ دل، احوالِ غم، شرحِ تمنا، عرضِ شوق
بے خودی میں کہہ گئے افسانہ در افسانہ ہم

۱۹ر اپریل ۱۹۹۰ء
۲۲ر رمضان مبارک ۱۴۱۰ھ

شعبہ تقابل ادیان
جامعہ ہمدرد ۔ نئی دلی

کلمۂ تقدیم

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی

صدر شعبۂ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

اسلاف کے کارنامے اخلاف کیلئے عبرت و موعظت کے دفتر ہوتے ہیں۔ اسی لئے دنیا میں تاریخ و تدوین کی داغ بیل پڑی۔ اور عہد رسالت سے لیکر آج تک کے لاکھوں مشاہیر اسلام کے حالات زندگی قلم بند موجود ہیں۔

حضرت شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ اس عہد کے صفِ اول کی شخصیتوں میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ مگر جمود و تعطل کا برا ہو کہ ہمارے کسی فرد کو اسکا خیال نہ ہوا کہ ان کی سوانح جمع کی جائے۔ ادھر ماضی قریب میں عزیز گرامی قدر مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی جو ایک نوجوان صاحب قلم ہیں۔ انہوں نے اس کمی کو محسوس کیا اور اپنی بساط بھر کوشش کی اور یہ کتاب مرتب کرکے عوام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کتاب اس جامع کمالات شخصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اگرچہ مختصر ہے مگر جب کچھ نہ ہو تو کچھ ہونا ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ نامکمل اوراق کسی صاحب کو ایک جامع کامل سوانح عمری لکھنے پر آمادہ کریں۔ اور اسی بہانے حضرت کی شایانِ شان ایک سوانح وجود میں آئے۔

ع "ہر دردمند دل کو رونا قرار لائے"

محب گرامی ڈاکٹر انجم مصباحی کی یہ کتاب حضرت شیر بیشۂ سنت قدس سرہٗ کی جامع شخصیت کی جامعیت کی ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں اجمالی طور پر جو باتیں مذکور ہیں اگر انہیں مفصل کر دیا جائے تو اسی کوزے سے سمندری لہریں

امنڈ سکتی ہیں جن کا نام حضرت شیر بیشۂ سنت قدس سرہٗ کا کردار ہے۔

حضرت شیر بیشۂ سنت قدس سرہٗ اپنے اندر اوصاف علمیہ وعملیہ کی وہ جامعیت رکھتے تھے کہ ان سب کا اجتماع ایک ذات کے اندر شاید باید پایا جاتا ہو۔ خطیب ایسے شعلہ نوا کہ ہزارہا ہزار کے مجمع کو والہ وشیدا بنا دیتے تھے۔ عالم متبحر ایسے کہ دقیق سے دقیق تر مسائل علمیہ مستحضر رہتے تھے۔ مرشد طریقت ایسے کہ ہزاروں وابستگان برما، پاکستان افریقہ، مدراس، بنگال، ہندوستان کے طول وعرض میں موجود ہیں۔ اخلاق اتنے وسیع کہ جو ایک بار ملا زندگی بھر ان کا دم بھرتا رہا۔ شریعت کی اتباع اتنی واثق کہ فرائض و واجبات کہاں ترک ہوتے مستحبات پر سفر وحضر میں بالالتزام عمل فرماتے۔ فراخدل، سیر چشم ایسے کہ کبھی دولت دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھا۔ جود وسخا میں ایسے کہ جو آیا خرچ ہوا کل کیلئے اٹھا رکھنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ کمال جس نے انھیں کندن بنا کے چمکایا۔ جس دنیا کو مجبور کیا کہ انھیں شیر بیشۂ سنت کے لقب سے یاد کرے۔ وہ استقامت علی الحق، تصلب فی الدین، الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا جوہر، احقاق حق وابطال باطل کا وہ ولولہ تھا جس میں وہ منفرد تھے۔ حق کے اعلان اور باطل کے رد وابطال میں کبھی انھوں نے اسکی پرواہ نہ کی کہ میرے ساتھ کوئی ہے یا نہیں ہے شیر نیستاں کیطرح یکہ وتنہا دہاڑتے وگرجتے رہے اور ایوانِ باطل میں تہلکہ ڈالتے رہے ـــــ ساتھیوں کی پرواہ کیا کرتے، موذیوں کی ایذا رسانی، حاسدین کی ریشہ دوانی ملامت گروں کی شدید سے شدید ملامت نے بھی کبھی نہ اُن کے قدم میں ادنی اسی لرزش پیدا کی اور نہ زبان میں لوچ آنے دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضور شیر بیشۂ سنت قدس سرہ اس کے حقیقی مصداق تھے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

عزیز گرامی مولانا غلام یحیٰی انجم مصباحی ان نوجوان سعادتمند اہل قلم میں سے ہیں

جنھوں نے کم عمری ہی میں ملک کے دانشوروں سے خراج تحسین حاصل کر لیا ہے۔ ان کے مقالات ہند وبیرون ہند کے مختلف معیاری رسائل وجرائد کی زینت بنتے رہتے ہیں اور ملک میں اسلامیات کے موضوع پر ہونے والے کئی اہم سمیناروں میں شرکت کر کے اپنے مقالات بھی پیش کر چکے ہیں۔ مزید چھوٹی بڑی مطبوعہ وغیر مطبوعہ گیارہ کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کی جلیل القدر شخصیت پر قلم اٹھانے کیلئے ڈاکٹر انجم بڑے موزوں ترین شخص تھے۔ کیوں کہ ان کی شخصیت کا انھوں نے گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اور ان کے خلفاء ومریدین میں سے بعض دانشوروں سے اُن کے مراسم ہیں جن کے سامنے حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اب بھی کھلی کتاب کیطرح ہے اس کے علاوہ ضلع سدھارتھ نگر کے جس علاقے سے ان کا وطنی تعلق ہے اس علاقے میں مذہب حق کی اشاعت حضور شیر بیشۂ سنت کی رہین ہے۔ مصنف کا بچپن اور جوانی کے لمحات انھیں کے مریدین اور خادمین کے درمیان گذرے۔ یہی وہ جذبات واحساسات ہیں جس کے سبب یہ حضور شیر بیشۂ سنت کی پر وقار شخصیت پر مبسوط اور اہم سوانح لکھنے کے اہل قرار پائے

عزیز القدر ڈاکٹر انجم اشرفیہ کے ان چند فارغین میں سے ایک ہیں جن پر ادارہ جتنا ناز کرے کم ہے۔ یہاں جبتک وہ زیرِ تعلیم تھے اپنی انفرادیت برقرار رکھے رہے۔ اور جب مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے وابستہ ہوئے تو وہاں بھی اپنے تشخص کے ساتھ دس سال کی طویل مدت گذار دی۔ پہلے تو انھوں نے وہاں کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں اور پھر وہیں شعبہ دینیات (سُنّی) میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے۔ قدیم وجدید مشرقی علوم پر ان کی نظر ہے۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جو اُن کو اُن کے دوسرے ہمعصروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ چوں کہ انھوں نے ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی ہے۔ اس لئے مدارس کی دنیا سے ہٹ کر ریسرچ وتحقیق کا جو انداز ومعیار یونیورسٹی کے اندر پایا جاتا ہے وہ بھی اُن کے یہاں بدرجہ اتم موجود ہے۔ زیر نظر کتاب کے صفحات اسکے بہترین شواہد ہیں۔

زیر نظر کتاب میں انجم صاحب نے الگ الگ عنوان کے تحت حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو موضوع قلم بنایا ہے اور ہر بحث میں انھوں نے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ جس سے اُن کی دقتِ نظر اور وسعتِ مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔

سیرت و سوانح کے موضوع پر مصنف کی یہ چوتھی کتاب ہے۔ اس سے قبل مصری مورخین۔ ایک تنقیدی مطالعہ، تذکرہ علمائے بستی اور متنبی ایک تحقیقی مطالعہ شائع ہو کر حلقۂ علم و ادب سے دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

بارگاہ قاضی الحاجات میں استدعا ہے کہ اس کتاب کو بھی قبول عام کا درجہ حاصل ہو اور دوسری کتابوں کیطرح تحسین کی نظروں سے دیکھی جائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین و علی آلہ و صحبہ اجمعین۔

شریف الحق امجدی
الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
اعظم گڈھ یوپی

کلمۂ تکریم

از رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری بانی و مہتمم جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی ۲۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الصَّادِقِ الْاَمِیْنِ الْکَرِیْمِ

چل کے بسمل کی حکایت تو سنو
کون کہتا ہے کہ دیوانہ ہے

حضرت شیر بیشۂ سنت ابو الفتح علامہ الحاج مفتی محمد حشمت علی خاں قادری رضوی علیہ الرحمہ والرضوان کی سوانح حیات کا مطالعہ کرتے وقت آپ جگہ جگہ دیوبندی علمائے کے ساتھ ان کے بحث و مناظرہ کے واقعات پڑھیں گے۔ کتاب میں ان کی تقریروں اور تحریروں کے جو اقتباسات نقل کئے گئے ہیں ان میں بھی آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ دیوبندی مذہب کا رد و ابطال ہی ان کا خاص موضوعِ سخن ہے ——————،

علمائے دیوبند کے لئے پہلے سے اگر کوئی نرم گوشہ آپ کے دل میں موجود ہے تو اس کتاب کے مطالعہ کا آپ پر قدرتی ردعمل یہ ہوگا کہ آپ غصے کی جھنجھلاہٹ میں اسے بند کر کے کہیں ایک طرف رکھ دیں گے۔ لیکن اگر آپ بردبار، معاملہ فہم اور صاحب فکر سلیم ہیں اور واقعات کی تہہ میں اتر کر حقائق کی تلاش کا جذبہ اعتدال کے ساتھ آپ کے اندر موجود ہے تو آپ یہ جاننے کی ضرور کوشش کریں گے کہ علماء دیوبند ایک ملک گیر محاذِ جنگ کی بنیاد آخر کیونکر پڑی۔ بحث و مناظرہ کے وہ حقیقی اسباب و علل کیا تھے جن کے زیر اثر سالہا سال تک پورے ملک میں یہ معرکے گرم رہے۔

یہ نزاع دو چار آدمیوں تک محدود ہوتا تو اسے شخصی یا خاندانی مفادات کی آویزش کہہ کر نظر انداز کیا جا سکتا تھا، لیکن علمائے دیوبند کے خلاف مذہبی پیکار کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ملک ہی نہیں، بیرونِ ملک کا بھی بہت بڑا خطہ اس کی لپیٹ میں ہے۔ مساجد سے لے کر مدارس تک مذہبی زندگی کے سارے شعبے اس اختلاف سے اس درجہ متاثر ہیں کہ دیہات سے آفاق تک پوری قوم دو ملتوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ اس لئے اس ہمہ گیر اختلاف کو دیوبند اور بریلی کا شخصی نزاع قرار دے کر اس کے حقیقی محرکات سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی ——۔

نہایت افسوس اور قلق کے ساتھ مجھے ہند و پاک کے مسلم مؤرخین سے یہ شکوہ ہے کہ انہیں آج تک یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ غیر جانبداری کے ساتھ علمائے دیوبند کے خلاف ان مذہبی بےچینیوں کی صحیح بنیاد معلوم کرتے جو ملک و بیرون ملک کے کروڑہا کروڑ مسلمانوں کے درمیان نصف صدی سے پھیلی ہوئی ہیں۔ اور جس کے نتیجے میں مسلم معاشرہ ایک نہ ختم ہونے والے روحانی کرب اور ذہنی و فکری انتشار کا شکار ہے۔ ہماری مظلومی کے ساتھ اس سے بڑھ کر دردناک مذاق اور کیا ہو سکتا ہے کہ عین بے خبری کی حالت میں ہمارے احتجاج کو فتنہ انگیزی سے تعبیر کیا۔ حالانکہ اپنے غم و غصہ اور اپنے جذبے کی تباہیوں کا اظہار ہر مظلوم کا واجبی حق ہے۔

اتنی تمہید کے بعد اب ہم اس مذہبی نزاع کی پوری تفصیل اس امید کے ساتھ اہل علم کے سامنے پیش کر رہے ہیں کہ وہ اس کی روشنی میں نزاع کے اصل محرکات کا پتہ چلائیں گے۔ بالفرض نگاہوں پر بوجھ ہو جب بھی یہ سرگزشت صبر و تحمل کے ساتھ پڑھئے کہ حقیقت کا متلاشی کسی گروہ کا طرف دار نہیں ہوتا۔

علمائے دیوبند کے ساتھ ہمارے اختلافات کی تین مضبوط بنیادیں

کچھ کم ایک صدی سے ساری دنیا میں دیوبند اور بریلی کی مذہبی آویزش کا جو شور برپا ہے اور جس کے ناخوشگوار اثرات پریس سے لے کر اسٹیج تک پوری طرح نمایاں ہیں، وہ بلا وجہ نہیں ہے۔ اگر اس حقیقت کی تلاش کیلئے آپ نے اپنے ذہن کا دروازہ کھلا رکھا ہے، تو ذیل میں اس مذہبی نزاع کی وہ حقیقی بنیادیں پڑھئے جنہوں نے امت کو دو ملتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

پہلی بُنیاد

اپنی مذہبی شرست کے اعتبار سے مسلمان کا جو والہانہ تعلق اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محترم ذات سے ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اس کا ایمان اپنے رسول کی بارگاہ میں اتنا مؤدب اور حساس ہے کہ رسول کی حرمت پر ذرا سی خراش بھی اسے برداشت نہیں۔ ناموس رسول کے تحفظ کیلئے ہندوستان کے مسلمانوں نے ہر دور میں جس والہانہ جذبے کے ساتھ اپنی فداکاریوں کا مظاہرہ کیا ہے وہ تاریخ کا جانا پہچانا واقعہ ہے۔ حبِ رسول کی وارفتگی کا یہ رُخ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی گستاخ کے خلاف غم و غصہ اور نفرت و غضب کے اظہار کے سوال پر کبھی یہ نہیں دیکھا کہ نشانے پر کون ہے۔ باہر کا ہو یا اندر کا جس نے بھی رسول کی شان میں گستاخانہ جسارت کا اظہار کیا مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی کی تلوار اُس کے خلاف بے نیام ہوگئی۔

آج ملعون رشدی کی زندہ مثال آپ کے سامنے ہے۔ رسول کی حُرمت پر حملہ کر کے اس نے سارے عالم اسلام کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ قابل رشک ہیں وہ شہیدانِ محبت جو رشدی کے خلاف اپنی غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوتے اپنے آقا کی عزت پر قربان ہوگئے۔ علمائے دیوبند کے خلاف بھی ہمارے غم و غصہ کی سب سے بڑی بنیاد یہی ہے

کہ اُن کے اکابر نے اپنی بعض کتابوں میں رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں سخت گستاخانہ کلمات استعمال کئے ہیں جس کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

(۱) علمائے دیوبند کے مذہبی پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ پاک کو رذائل اور حیوانات وبہائم کے علم سے تشبیہ دی ہے جس کے وہ خود بھی اقراری مجرم ہیں۔

اہلِ علم وادب زبان کے اس محاورے سے اچھی طرح واقف ہیں کہ محترم چیزوں کے ساتھ کسی چیز کی تشبیہ سے عظمت وتکریم کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب رذائل کے ساتھ کسی چیز کی تشبیہ دی جاتی ہے تو اس سے توہین وتنقیص کے معنی نکلتے ہیں۔ اُردو زبان کے محاورات میں تشبیہ وتمثیل کا یہ ضابطہ اتنا شائع اور ذائع ہے کہ کوئی صاحبِ علم اس کے ان معانی ومطالب کے استلزام سے انکار نہیں کرسکتا۔

اس بنیاد پر ہمارا یہ دعویٰ شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ مولانا تھانوی بارگاہِ رسالت کے گستاخ ہیں۔ انھوں نے رسول پاک کے علم شریف کو رذائل کے علم سے تشبیہ دیکر اہانت رسول کے خوفناک جرم کا ارتکاب کیا ہے ———.

(۲) علمائے دیوبند کے دوسرے اور تیسرے مذہبی پیشوا مولانا خلیل احمد انبیٹھوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے براہینِ قاطعہ نامی کتاب میں لکھاہے کہ زمین کے علمِ محیط کے سوال پر شیطان کا علم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔ شیطان کے مقابلے میں جو شخص رسول کی وسعتِ علم کا عقیدہ رکھتاہے وہ مشرک ہے۔ کیونکہ شیطان کے علم کی وسعت پر قرآن وحدیث ناطق ہیں۔ رسول کے علم کی وسعت پر نہ قرآن میں کوئی دلیل ہے اور نہ حدیث میں۔

اس میں قطعاً دورائے نہیں کہ شیطان کے مقابلے میں رسول پاک کے علم کی تنقیص ایک کھلا ہوا کفر اور ایک کھلی ہوئی گستاخی ہے۔

اسی طرح یہ کہنا بھی کھلی ہوئی گستاخی اور کھلا ہوا کفر ہے کہ شیطان کے مقابلے میں جو

شخص رسول پاک کی وسعتِ علم کا عقیدہ رکھتاہے وہ مشرک ہے لیکن یہی عقیدہ شیطان کے بارے رکھنا شرک نہیں ہے۔

اسی طرح یہ کہنا بھی رسول پاک کی صریح تنقیص ہے کہ رسول پاک کے علم کی وسعت پر قرآن وحدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ لیکن شیطان کے علم کی وسعت پر قرآن میں بھی دلیل ہے اور حدیث میں بھی ———.

(۳) علمائے دیوبند کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب "تحذیرالناس" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ماننے سے انکار کیا ہے۔ جبکہ حضور کو خاتم النبیین ہونے کی حیثیت سے آخری نبی ماننا قرآن سے بھی ثابت ہے اور حدیث سے بھی۔

بلکہ اپنی کتاب میں انھوں نے یہاں تک لکھدیا ہے کہ حضور کے زمانے یا حضور کے بعد بھی اگر کسی نئے نبی کا آنا فرض کیا جائے جب بھی حضور کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ حالانکہ یہ بات آسانی سے ہر شخص سمجھ سکتاہے کہ کسی نئے نبی کے آنے کی صورت میں حضور کے آخری نبی ہونے کا عقیدہ باطل ہوجاتا ہے۔ مولانا نانوتوی کی یہی وہ کتاب ہے جسے قادیانی حضرات مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے جواز کا پیش خیمہ قرار دیتے ہیں۔

واضح رہے کہ ختم نبوت کے مسئلے میں علمائے دیوبند کے ساتھ ہمارا اختلاف فروعی نہیں بلکہ اصولی اور بنیادی ہے۔ اور یہ اختلاف حرمت وحلت کا نہیں بلکہ کفر واسلام کا ہے۔

دعوت انصاف

دیوبندی علماء کے ساتھ ہمارے اختلاف کی یہ پہلی بنیاد ہے جو ان کی کتابوں کے حوالوں کے ساتھ آپ کے سامنے ہے۔ واضح رہے کہ اس بنیاد کا تعلق اہانت رسول اور انکار ضروریاتِ دین سے ہے۔ جس کے کفر ہونے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں ہے۔ قرآن کی بیشمار

آتیں اس عقیدے پر شاہد عدل ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہلکی سی گستاخی بھی اسلام اور ایمان کے رشتے کو منقطع کر دیتی ہے۔ علم اور عبادت کی کوئی فضیلت گستاخی کے انجامِ بد سے کسی کو ہرگز نہیں بچا سکتی ———۔

اس موقعہ پر اپنے قارئین سے یہ ضرور عرض کروں گا کہ اکابر دیوبند کی ان اہانت آمیز تحریروں کو آپ اس زاویۂ نظر سے ہرگز مت پڑھئے کہ یہ دیوبند اور بریلی کی ایک مذہبی نزاع ہے۔ بلکہ مطالعہ کرتے وقت اپنی فکر کو اس نقطے پر مرکوز رکھئے کہ اکابر دیوبند کی ان عبارتوں کی ضرب براہِ راست رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و حرمت پر پڑتی ہے۔ اُن کے گستاخ قلم کا حملہ علمائے بریلی پر نہیں بلکہ خاص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ محترم پر ہے۔

اگر خدانخواستہ آپ نے ان تحریروں کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے کیا کہ یہ دیوبند اور بریلی کے نام سے دو مکتبِ فکر کے علماء کا باہمی جھگڑا ہے تو جذبے کا وہ والہانہ تقدس باقی نہیں رہے گا جو اپنے رسولؐ کی حمایت میں کسی کے خلاف دو ٹوک فیصلہ کرنے کے لئے مطلوب ہے ———۔

میری اس گذارش کا مدعا صرف اتنا ہے کہ اپنی کسی بھی محبوب شخصیت کے مقابلے میں "رسول" کو ترجیح دینے کا سوال خود آپ کے اپنے ایمان کا تقاضا ہونا چاہئے۔ اس لئے علمائے بریلی کو آپ ایک طرف رکھئے۔ اور خود اپنے "مومن ضمیر" سے دریافت کیجئے کہ اکابر دیوبند کی ان تحریروں سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت مجروح ہوتی ہے یا نہیں؟ اور دین کے اصول و ضروریات سے انحراف کا پہلو واضح ہوتا ہے یا نہیں؟ ان کی یہ تحریریں کسی اجنبی زبان میں نہیں ہیں کہ آپ کو کسی مترجم کی ضرورت پیش آئے۔ وہ سیدھی سادھی اردو زبان میں ہیں جنہیں آپ بھی سمجھنا چاہیں تو سمجھ سکتے ہیں۔ ہماری طرف سے حوالوں کی نشاندہی پر آپکو اعتماد نہ ہو تو اصل کتاب منگوا کر دیکھ لیں وہ آج بھی کتبخانوں سے دستیاب ہو جاتی ہیں۔

اب رہ گیا علمائے بریلی کا سوال تو اس سلسلے میں ان کا کردار اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ اکابر دیوبند کی ان اہانت آمیز عبارتوں کو پڑھنے کے بعد جو انھیں ناقابل برداشت اذیت پہنچی اور جس روحانی کرب کے اضطراب میں وہ اچانک مبتلا ہو گئے اس کے رد عمل کا اظہار انھوں نے برملا کیا۔ تعلقات کی کوئی مصلحت اس راہ میں انھیں حائل نہیں ہوئی۔

اس کے بعد انھوں نے دیوبند کے ان اکابرین سے براہِ راست رابطہ قائم کیا اور دلائل کی روشنی میں ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی ان کفری عبارتوں سے جو تنقیص شانِ رسالت اور انکار ضروریاتِ دین پر مشتمل ہیں اعلانیہ توبۂ صحیحہ شرعیہ کریں اور اپنی کتابوں سے ان دلآزار عبارتوں کو نکال دیں۔ لیکن ان کی جھوٹی عزت و شہرت اس راہ میں حائل ہو گئی اور انھوں نے عار پر نار کو ترجیح دی۔

گستاخانِ رسول کے درمیان ایک قدرِ مشترک

سلسلۂ کلام سے ہٹ کر ایک بات اپنے قارئین کرام کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں۔ امید کہ انتظار کا یہ لمحہ آپ کو بار خاطر نہ ہو گا۔

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ محترم میں گستاخی کرنے والوں کی تاریخ کا جب آپ مطالعہ کریں گے تو ہر گستاخ کی یہ سرشت قدرِ مشترک کے طور پر آپ کو ہر جگہ نظر آئے گی کہ دل کے جذبۂ نفاق کے زیر اثر جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا کوئی کلمہ ان کی زبان یا قلم سے نکل جاتا ہے تو باز پرس کرنے پر ایک شرمسار مجرم کیطرح وہ اپنے کلمۂ کفر سے توبہ کرنے کے بجائے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کیلئے غلط سلط تاویل اور سخن پروری کے جذبے کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔

عہدِ رسالت میں بھی منافقین مدینہ کا یہی رویہ تھا۔ چنانچہ ایک سفر سے واپسی کے موقعہ پر جب منافقین نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا کوئی کلمہ استعمال کیا۔ جب صحابۂ کرام کے ذریعہ حضور تک یہ بات پہنچی اور حضور نے منافقین سے اس کے متعلق باز پرس فرمایا تو انھوں نے اعتراف جرم اور توبہ و معافی کے بجائے بات بنانے، تاویل

کرنے اور حیلے بہانے تراشنے کا رویہ اختیار کیا۔ چونکہ اسوقت نزولِ وحی کا سلسلہ جاری تھا اس لئے فوراً ان کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی کہ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ حیلے بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے۔ اگر نزولِ وحی کا سلسلہ جاری نہ رہتا تو اُن کے جھوٹ کا پردہ فاش نہ ہوتا اور وہ کلمہ پڑھکر مسلم معاشرے میں اپنے کفر کو چھپائے رکھتے۔

سخن پروری کی تازہ مثال

منافقین مدینہ کا یہ کردار عہد حاضر میں آپ دیکھنا چاہتے ہوں تو جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے پرو وائس چانسلر کا قضیہ پڑھیئے۔ انھوں نے کسی انگلش میگزین کو انٹرویو دیتے ہوئے سیکولر کہلانے کے شوق میں ملعون زمانہ رشدی کی کتاب کے بارے میں اپنے اس خیال کا اظہار کیا کہ حکومت ہند نے اس کتاب پر جو پابندی عائد کی ہے اُسے اٹھالینا چاہیئے کیونکہ ہر شخص کو اپنی رائے کے اظہار کا بنیادی طور پر حق حاصل ہے ـــــ

اس فقرے کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ رشدی نے اپنی ملعون کتاب میں جو اہانتِ رسول کی ہے اس پر اس سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اسے اپنی رائے کے اظہار کا بنیادی طور پر حق حاصل ہے۔ دوسرے لفظوں میں اپنے اس فقرے کے ذریعہ مشیر الحسن نے اہانت رسول کی کھلی ہوئی حمایت کی ـــــ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے غیور اور سرفروش طلبہ قابل تکریم وتحسین ہیں کہ جب انھوں نے یہ انٹرویو پڑھا تو ایک گستاخِ رسول کی حمایت کی بنیاد پر وہ تحفظِ ناموسِ رسول کے جذبے میں مشیر الحسن کے خلاف پوری طرح صف آرا ہو گئے اور انھوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ چونکہ گستاخ کا حامی بھی گستاخ ہی ہوتا ہے اس لئے مشیر الحسن کو اس کے منصب سے فوراً ہٹایا جائے۔ ہم ایسے دل آزار شخص کو کسی قیمت برداشت نہیں کریں گے۔

چونکہ یہ مسئلہ ناموسِ رسول کا تھا اس لئے جامعہ ملیہ کے اساتذہ کی بڑی تعداد نے بھی ہر طرح کے نتائج سے بے پرواہ ہوکر طلبہ کے موقف کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ دہلی کے مسلمانوں تک جب اس قضیہ کی تفصیل پہنچی تو ہر طرف مشیر الحسن کے خلاف نفرت و بیزاری

کی لہر دوڑ گئی اور طلبہ کے مطالبے میں شہر کے عوام بھی شریک ہو گئے۔ ذاکر نگر کی انجمن رضا نے جس جذبۂ سرفروشی کے ساتھ مشیر الحسن کے خلاف اپنے غم وغصہ کا اظہار کیا اور جامعہ کے طلبہ کی حوصلہ افزائی کی اور انھیں صحیح مشورے دیئے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے

لیکن دار العلوم دیوبند کے علماء؟

صرف دار العلوم دیوبند کے علماء جن میں مولوی سالم صاحب ابن قاری طیب صاحب اور مولوی احمد علی قاسمی اوٗ ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند کے ورکنگ جنرل سکریٹری مولوی فضیل احمد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان تمام حضرات کے نزدیک مشیر الحسن کی گستاخی ثابت نہیں ہے ـــــ جیسا کہ روزنامہ "قومی آواز" دہلی کی مورخہ ۱۸/ مئی ۹۲ء کی اشاعت میں ان کے مشترکہ بیان کے الفاظ یہ ہیں۔

" طلبہ کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ جس کو شاتم رسول (گستاخ رسول) کہا جارہا ہے وہ واقعتاً شاتم رسول ہے کہ نہیں" ـــــ

کس قدر افسوس اور قلق کی بات ہے کہ جامعہ ملیہ کے طلبہ کو جو عالم دین نہیں ہیں، جامعہ ملیہ کے اساتذہ کو جو عالم دین نہیں ہیں اور دہلی کے مسلمانوں کو مشیر الحسن کی گستاخی سمجھ میں آگئی۔ لیکن دار العلوم دیوبند کے علماء اس کی گستاخی کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

حالانکہ قومی آواز کی اسی اشاعت میں اخبار کے آخری صفحہ پر مشیر الحسن کی بابت شیخ الجامعہ مسٹر بشیر الدین احمد کی ایک اپیل شائع ہوئی ہے جس کا یہ حصہ مشیر الحسن کے جرم پر بھر پور روشنی ڈالتا ہے ـــــ

" جامعہ کے پرو وائس چانسلر پروفیسر مشیر الحسن نے اس کتاب (رشدی کی کتاب) پر عائد پابندی اٹھانے سے متعلق جو اظہار خیال کیا ہے وہ چونکہ باعثِ تکلیف ہے اور اس کی وجہ سے ناراضگی اور احتجاج کی ایک فضا پیدا ہوگئی ہے۔"

والئس چانسلر کی اسی تحریر سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مشیر الحسن کے خلاف طلبہ کا الزام بے بنیاد نہیں ہے۔ کیونکہ پابندی اٹھانے کی بات انھوں نے اسی بنیاد پر کی ہے کہ ہر شخص کو بنیادی طور پر اظہار خیال کی آزادی حاصل ہے۔ اس لئے سلمان رشدی نے پیغمبر اسلام کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اپنے حق کا جائز استعمال کیا ہے۔ لیکن سخت افسوس ہے کہ اتنی وضاحت کے باوجود دارالعلوم دیوبند کے یہ علماء مشیر الحسن کو بے گناہ سمجھ رہے ہیں۔ ان کے پاس اس کی بے گناہی کی جو سب سے بڑی دلیل ہے وہ یہ ہے۔ پڑھئے اور خون کا گھونٹ پیجئے۔

"جس شخص کو شاتم رسول "(گستاخ رسول) کہا جارہا ہے وہ وضاحت کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ وہ اس گناہ سے بری ہے اور حضور کا مکمل احترام اپنے قلب میں رکھتا ہے۔"

دارالعلوم دیوبند کے ان علماء کی کج فہمی پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے کہ انھیں یہ بھی پتہ نہیں کہ کسی دعوے کے ثبوت کے لئے مجرم کا اقرار ضروری نہیں ہے۔ اس کا بیان اور بیان کے الفاظ دعوے کے ثبوت کے لئے بہت کافی ہیں۔ ورنہ بتایا جاتے کہ اسلامی تعزیرات کی تاریخ میں کس گستاخ کو اقرار جرم کی بنیاد پر سزا دی گئی ہے۔ تاریخ میں جسے بھی کوئی سزا ملی ہے اس کے الفاظ و بیان ہی کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ کیا دارالعلوم دیوبند کا دارالافتاء یہ ثابت کر سکتا ہے کہ کلمۂ کفر کی بنیاد پر جس کی بھی اس نے تکفیر کی ہے اس سے کفر کا اقرار کروایا ہے لیکن مشیر الحسن کے بارے میں سوا اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ جذبۂ حب رسول پر مشیر الحسن کی حمایت کا جذبہ اگر غالب نہ آ گیا ہوتا تو دارالعلوم دیوبند کے یہ علماء ایسی کچی بات ہرگز نہ کہتے۔ کس مصلحت نے انھیں مشیر الحسن کے حق میں صفائی کا وکیل بنا دیا ہے اسے وہی بتا سکتے ہیں۔

ہم نے تو یہ قصہ صرف اسی لئے چھیڑا ہے تاکہ ہمارے قارئین اس بات کو سمجھ سکیں کہ جذبۂ حب رسول کسی گستاخ کے خلاف کس طرح اہل ایمان کو متحد کرتا ہے۔ اور جن لوگوں کا سینہ اس مقدس جذبے سے خالی ہے وہ گستاخ کی حمایت کے لئے کتنی بے حیائی کے ساتھ رکیک اور مضحکہ خیز تاویلوں کا سہارا لیتے ہیں۔

گستاخانِ رسول کی سرشت اور ان کے حامیوں کا ذہن و کردار سمجھانے کیلئے میں اپنے اٹھائے ہوئے سلسلہ کلام سے بہت دور نکل آیا۔ اب پھر آپ پچھلے اوراق میں اکابر دیوبند کے خلاف اہانت رسول کے الزامات کی بحث سے اپنے ذہن کا رشتہ جوڑ لیں۔

ٹھیک اسی طرح اُسوقت بھی دیوبند کے علماء نے اپنے اکابر کی گستاخیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے معاندکارویہ اختیار کر لیا اور سخن پروری کے جذبے سے مسلح ہو کر وہ میدان میں اتر آئے اور پوری قوت کے ساتھ عوام میں اس بات کی تشہیر کرنے لگے کہ اہانت رسول کے الزام سے ہمارا دامن بالکل پاک ہے۔ یہ سارا جھگڑا علمائے بریلی کا کھڑا کیا ہوا ہے۔ انھوں نے ہمارے اکابر کے خلاف اہانت رسول کا جو الزام عائد کیا ہے وہ بالکل جھوٹا اور بے بنیاد ہے۔

ان کے پاس ذرائع ابلاغ اور مالی وسائل کی کمی نہیں تھی۔ جب ان کے اس جھوٹے پروپیگنڈہ سے عوام متاثر ہونے لگے تو ان کا جھوٹ فاش کرنے کے لئے مجبورًا ہمیں بحث و مناظرہ کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ تاکہ عوام کی عدالت میں بالکل آمنے سامنے یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ ان کے اکابر کے خلاف اہانت رسول کا الزام جھوٹا نہیں بلکہ امر واقعہ ہے۔

چنانچہ ہر مناظرے کی مجلس میں انہی کے مناظر علماء کے سامنے ان کی کتابوں سے وہ اہانت آمیز عبارتیں صفحہ اور سطر کی نشاندہی کے ساتھ پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی رہیں اور ان کے علماء نے کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ کتابیں ہمارے اکابر کی تصنیف کردہ نہیں ہیں اور عبارتیں ان کتابوں میں موجود نہیں ہیں ——۔

بحث و مناظرہ کے ان معرکوں سے بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ملک کے عوام کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح اتر گئی کہ اکابر دیوبند کے خلاف اہانت رسول کا الزام بے بنیاد نہیں ہے۔ اور یہ بھی لوگوں نے واضح طور پر محسوس کر لیا کہ علمائے اہلسنت کا یہ سارا اضطراب اور تحریر و تقریر کے ذریعہ ان کی بے چینیوں کا یہ سارا مظاہرہ صرف تحفظ ناموسِ رسول صلی علیہ وسلم کے جذبے میں ہے۔

ٹھیک انہی ایام میں جبکہ پورے ملک میں اکابر دیوبند کی ان اہانت آمیز عبارتوں

کے خلاف بے چینی پھیلی ہوئی تھی صاحب سوانح حضرت شیر بیشۂ سنت عظمت رسالت کے ایک وفا کیش ترجمان کی حیثیت سے سامنے آئے۔ اور تائید ایزدی کے بل پر انھوں نے اپنی قاہر دلیلوں سے دیو بند کے مصنوعی مذہب کی بساط اُلٹ کر رکھدی۔

اس زمانے میں تحفظ ناموس رسول کے داعی کی حیثیت سے ان کی آواز برصغیر ہند کے آفاق پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ جس خطے میں بھی وہ پہنچ جاتے تھے سمندر کی لہراتی ہوئی موجوں کیطرح لاکھوں کی بھیڑ ان کے گرد جمع ہوجاتی تھی۔ ان کی تقریروں میں عشق وایمان کی ایسی مسیحائی تھی کہ چند ہی منٹ کے بعد لوگ اپنی سوکھی ہوئی رگوں میں زندگی کی تپش محسوس کرنے لگتے تھے۔

بحث ومناظرہ کے معرکوں میں دیو بند کے پورے خانوادے پر ان کی ذہانت وحاضر جوابی، ان کی علمی سطوت وجبروت، ان کے دماغی استحضار وقوت حافظہ، ان کی ناقابلِ تسخیر جرأت وجسارت، ان کی حیرت انگیز قوتِ گویائی، ان کے حوصلہ شکن طریقۂ بحث واستدلال اور ان کی خداداد قابلیت کی ایسی دھاک جمی ہوئی تھی کہ بڑے بڑے سورماؤں سے بھرے میدان میں انھوں نے اپنی حقانیت کا لوہا منوالیا۔

ان کی زبان شمشیر وسنان کے زخمیوں میں خانوادۂ دیو بند کے جتنے مناظر تھے وہ اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے۔ ان میں سے صرف مولانا منظور نعمانی اب تک زندہ ہیں، وہ حضرت شیر بیشۂ سنت کی قوت بازو اور ان کے علم واستدلال کی جلالت وجبروت کا کچھ حال ضرور بتا سکتے ہیں کیونکہ بہت سے معرکوں میں وہ ان کے ساتھ نبرد آزما رہے ہیں۔

حضرتِ شیر بیشہ سنّت حق وصداقت کی ایسی زلزلہ فگن آواز تھے جس سے پہاڑوں کے کلیجے دہلتے تھے۔ وہ عشق ومستی کی ایک دہکتی ہوئی آگ تھے۔ جو ان کے قریب بیٹھ جاتا تھا وہ اُن کے نفس آتشیں کی آنچ میں تپنے لگتا تھا۔ وہ قہرِ الٰہی کی ایک کڑکتی ہوئی بجلی تھے جس نے باطل کے کتنے ہی خرمنوں کو خاکستروں میں تبدیل کر دیا۔ وہ عشقِ مصطفٰے کا ایک ایسا پیکر محسوس تھے کہ انہیں دیکھتے ہی اہل ایمان پر رقت طاری ہوجاتی تھی۔ آج وہ ہمارے درمیان موجود نہیں

ہیں لیکن ان کی سوانح کے آئینے میں ان کی حق پرست اور وفا شعار زندگی کے بہت سے خد وخال آپکو نظر آئیں گے۔ ان کے نشانِ قدم پر اپنی آنکھیں جمائے رکھئے کہ اس عہد فتنہ آشوب میں منزلِ مقصود تک پہنچنے کی وہ بہترین ضمانت ہے۔

بات کی رو میں میں اپنے موضوع سے بہت دور نکل آیا۔ اب پھر پچھلی بحث کی طرف واپس لوٹیے ـــــ طویل انتظار کے لئے معذرت چاہتا ہوں ـــــ۔

علمائے دیوبند کے ساتھ ہمارے اختلاف کی دوسری بنیاد

علمائے دیوبند کے ساتھ ہمارے اختلاف کی پہلی بنیاد ان کے اکابر کی وہ عبارتیں ہیں جو اہانتِ رسول اور انکار ضروریاتِ دین پر مشتمل ہیں، جنہیں آپ گذشتہ اوراق میں پوری تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ـــــ۔ اگر آپ کی نگاہ میں ہمارے ایمانی احساسات کی کوئی قیمت ہے تو آپ نے اچھی طرح اندازہ لگالیا ہو گا کہ ان اہانت آمیز عبارتوں کے ردعمل میں علمائے دیو بند کے خلاف ہماری نفرت وبیزاری کبھی ختم نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے ـــــ۔

یہی ایک بنیاد ان سے ہماری علٰیحدگی کے لئے بہت کافی تھی جبکہ یہ معلوم کرکے آپ حیران رہ جائیں گے کہ اس کے علاوہ علمائے دیو بند کے کچھ مخصوص عقائد بھی ہیں۔ جو فاصلہ بڑھانے میں نہایت اہم رول ادا کرتے ہیں۔ ان عقائد کی تفصیل کتابوں کے حوالوں کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے ـــــ۔

(۱) امتی عمل میں انبیاء سے بڑھ جاتے ہیں ـــــ (تحذیر الناس)

(۲) صریح جھوٹ سے انبیاء کا محفوظ رہنا ضروری نہیں ہے ـــــ (تصفیۃ العقائد)

(۳) کذب کو شانِ نبوت کے منافی سمجھنا غلط ہے ـــــ (تصفیۃ العقائد)

(۴) انبیاء کو معاصی سے معصوم سمجھنا غلط ہے ـــــ (تصفیۃ العقائد)

(۵) نماز میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف خیال لے جانے سے نمازی مشرک ہو جاتا ہے ——— (صراط مستقیم)

(۶) نماز میں نبی کا خیال زنا کے خیال، اور گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بھی بدتر ہے ——— (صراط مستقیم)

(۷) خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے ——— (یکروزی)

(۸) خدا کو زمان و مکان سے منزّہ سمجھنا گمراہی ہے ——— (ایضاح الحق)

(۹) جادوگروں کے شعبدے انبیاء کے معجزات سے بڑھکر ہوتے ہیں ——— (منصب امامت)

(۱۰) صحابۂ کرام کو کافر کہنے والا سنت جماعت سے خارج نہیں ہے ——— (فتاویٰ رشیدیہ)

(۱۱) محمد یا علی جس کا نام ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں ——— (تقویۃ الایمان)

(۱۲) ہر مخلوق چھوٹا ہو (جیسے عام بندے) یا بڑا (جیسے انبیاء و اولیاء) وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے ——— (تقویۃ الایمان)

(۱۳) جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن اپنا وکیل اور سفارشی سمجھتا ہے وہ ابوجہل کے برابر مشرک ہے ——— (تقویۃ الایمان)

(۱۴) رسول بخش، نبی بخش، غلام معین الدین اور غلام محی الدین نام رکھنا شرک ہے ——— (تقویۃ الایمان)

(۱۵) "رحمۃ للعٰلمین" ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ امتی بھی رحمۃ للعٰلمین ہو سکتے ہیں ——— (فتاویٰ رشیدیہ)

(۱۶) بزرگانِ دین کی فاتحہ کا تبرک کھانے سے دل مردہ ہو جاتا ہے ——— (فتاویٰ رشیدیہ)

(۱۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بڑے بھائی ہیں ہم اُنکے چھوٹے بھائی ہیں۔ (تقویۃ الایمان)

(۱۸) یہ کہنا کہ خدا و رسول چاہے گا تو فلاں کام ہو جائیگا شرک ہے ——— (بہشتی زیور)

(۱۹) کسی نبی یا ولی کے مزارات کی زیارت کیلئے سفر کرنا، ان کے مزار پر روشنی کرنا، فرش بچھانا، جھاڑو دینا، لوگوں کو پانی پلانا اور ان کیلئے وضو اور غسل کا انتظام کرنا شرک ہے (تقویۃ الایمان)

اپنے قارئین کرام سے درخواست کروں گا کہ انصاف و دیانت کے ساتھ آپ دیوبندی مکتبِ فکر کے ان مخصوص عقائد پر غور فرمائیں۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جن سے عقیدۂ توحید کے تقدس کو ٹھیس پہنچتی ہے اور کچھ وہ ہیں جو شانِ منصبِ رسالت کو مجروح کرتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جنہیں اگر صحیح مان لیا جائے تو دنیا کے نوے کروڑ مسلمانوں کے ایمان و اسلام کی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے اور بات یہیں تک نہیں رکتی بلکہ صدیوں پر مشتمل ماضی کے وہ لاکھوں اسلافِ کرام بھی زد میں آ جاتے ہیں جنہوں نے ان عقائد و اعمال کے مخالف سمت کو اسلامی عقائد و اعمال کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے اہل بریلی کو ایک کنارے رکھئے اور اپنے مذہبی شعور کی بنیاد پر آپ خود بتائیے کہ کیا ان عقائد و اعمال کی صحت سے آپ اتفاق کرتے ہیں اور بغیر کسی تردد کے ہاں یا نہیں میں اس بات کا بھی دو ٹوک فیصلہ کیجئے کہ کیا آج کا مسلم معاشرہ انہی عقائد و اعمال کی بنیاد پر قائم ہے ——— اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو ان علمائے حق کے بارے میں آپ صاف صاف اپنے خیال کا اظہار کیجئے جنہوں نے علمائے دیوبند کے ان خانہ زاد عقائد و اعمال سے اختلاف کیا ہے اور اسلام کے ایک پُر جوش محافظ کی حیثیت سے امت کو ان گندے عقائد سے بچانے کی بھرپور جدو جہد کی ہے اور عین اس کے مخالف سمت میں اسلام کے صحیح عقائد کے ساتھ انھیں منسلک رکھا ہے۔ اب جمہور مسلمین ہی کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان علمائے حق کا یہ عظیم کارنامہ ان کے حق میں ہے، یا ان کے خلاف ہے اور اپنے ان گراں قدر خدمات کے ذریعہ ان علمائے حق نے امت میں تفرقہ ڈالا ہے یا انھیں ٹوٹنے سے بچایا ہے۔

اگر اس حقیقت سے آپ اتفاق کرتے ہیں کہ آج بھی روئے زمین کے جمہور مسلمین کا وہی مذہب ہے جس کی حمایت ان علماء نے اپنی زبان و قلم سے کی ہے تو اس حقیقت سے بھی آپ کو اتفاق کرنا پڑے گا کہ جمہور مسلمین کے صحیح پیشوا بھی یہی علماء ہیں۔ جو لوگ دشمن کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ان علماء کے خلاف تفرقہ اندازی کا الزام عائد کرتے ہیں وہ مذہبی تاریخ میں سب سے بڑے احسان فراموش کہلانے کے مستحق ہیں۔ آپ نہ بھی اپنے آپ کو بریلوی کہیں جب بھی آپ کو علمائے بریلی کے اس

عظیم الشان کردار کا شکر گذار ہونا پڑے گا کہ انھوں نے آپکو دیوبند کے غلط مذہب نکر کا شکار ہونے سے بچالیا ــــ اور امت مسلمہ کو صحیح عقائد واعمال کے ساتھ منسلک رکھا۔

علمائے دیوبند کے ساتھ ہمارے اختلاف کی تیسری بنیاد

تیسری بنیاد کے ضمن میں علمائے دیوبند کے وہ فتاوی اور تحریرات ہیں جن کے ذریعہ انہوں نے جمہور مسلمین کی مذہبی روایات کو حرام اور بدعت ضلالت قرار دیا ہے۔ ذیل میں آپ اُن کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں ــــ۔

(۱) انبیاء واولیاء کے ساتھ توسل کو وہ حرام اور گناہ قرار دیتے ہیں۔

(۲) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بعطائے الٰہی بھی وہ علم غیب کا عقیدہ تسلیم نہیں کرتے۔

(۳) تقویۃ الایمان کی صراحت کے مطابق وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ معاذ اللہ وہ مر کر مٹی میں مل گئے۔

(۴) وہ محافل میلاد کے انعقاد اور قیام وسلام کو حرام قرار دیتے ہیں۔

(۵) بزرگان دین اور اموات مسلمین کے لئے ایصال ثواب اور عرس و فاتحہ کو وہ حرام کہتے ہیں۔

(۶) مجلس ذکر شہادت حسین اور غوث پاک کی فاتحہ گیارہویں اور غریب نواز کی فاتحہ چھٹی کو وہ حرام کہتے ہیں۔

(۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ پاک کے موقعہ پر وہ خوشی منانے اور جلسہ وجلوس کے انعقاد کو حرام قرار دیتے ہیں۔

(۸) مزاراتِ اولیاء اور مقابر صلحاء پر گنبد کی تعمیر ان کے نزدیک حرام ہے۔

(۹) نعرۂ یارسول اللہ اور یانبی سلام علیک کو وہ حرام قرار دیتے ہیں۔

(۱۰) عقیقہ وختنہ اور بسم اللہ کی تقریبات میں اعزہ واقارب اور احباب کو جمع کرنا ان کے نزدیک ناجائز ہے۔

(۱۱) تیجہ، دسواں، چالیسواں اور شب برأت کا حلوہ ان کے نزدیک ناجائز ہے۔

(۱۲) شادی، بیاہ، منگنی اور چوتھی میں ان کے نزدیک نہ کسی کو بلانا جائز ہے اور نہ کسی کے یہاں جانا جائز ہے۔

(۱۳) شادی کے موقعہ پر سہرا باندھنے کو وہ مشرکانہ فعل قرار دیتے ہیں۔

(۱۴) جو شخص مزاراتِ اولیاء پر چادر چڑھاتا ہو، بزرگوں کا عرس کرتا ہو اس کے لڑکے کے ساتھ کسی مسلمان لڑکی کے رشتۂ نکاح کو وہ حرام قرار دیتے ہیں، اس کے جنازے میں شریک ہونے، اس کی بیمار پرسی کرنے اور اسے سلام کرنے سے بھی یہ لوگ منع کرتے ہیں ــــ۔

(۱۵) ارواح اولیاء سے فیض حاصل کرنے اور مدد طلب کرنے کو بھی یہ لوگ حرام قرار دیتے ہیں۔

(۱۶) حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سُنکر انگوٹھا چومنے کو بھی یہ لوگ حرام کہتے ہیں۔

(۱۷) رجب کے مہینے میں امام جعفر صادق کی فاتحہ کو بھی یہ لوگ حرام کہتے ہیں۔

(۱۸) رمضان المبارک میں ختم قرآن کے موقعہ پر مساجد میں چراغاں کرنے کو بھی یہ لوگ حرام کہتے ہیں۔

(۱۹) امواتِ مسلمین کی قبروں پر تاریخ وفات کا پتھر نصب کرنے کو بھی یہ لوگ حرام کہتے ہیں۔

(۲۰) نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کو بھی یہ لوگ ناجائز کہتے ہیں۔

(۲۱) عید کے دن معانقہ کرنے اور بغلگیر ہونے کو بھی یہ لوگ حرام کہتے ہیں۔

آپ ہی انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں

علمائے دیوبند کے ساتھ ہمارے اختلاف کی یہ تیسری بنیاد بھی آپ کے سامنے ہے ــــ اب آپ ہی انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ کیا آپ علمائے دیوبند کے ان فتوؤں سے متفق ہیں۔ اور کیا یہ فتوے جمہور مسلمین کی روایات کی مخالفت میں نہیں ہیں ــــ؟ اور کیا ہمارے معاشرے کا مذہبی اور اجتماعی نظام ان فتوؤں سے مجروح نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا ہے اور یقیناً ہوتا ہے تو آپ ہی فیصلہ کریں کہ ان فتوؤں کے مطابق عام مسلمان صبح سے شام اگر حرام ہی کا ارتکاب کرتے

رہتے ہیں تو ہمارا اسلامی معاشرہ کہاں ہے ۔ ؟

یہی وہ منزل ہے جہاں واضح طور پر آپ کو علمائے دیوبند اور علمائے بریلی کے درمیان ایک واضح لکیر کھینچنی ہوگی کہ علمائے دیوبند کی ساری محنت اس بات پر صرف ہوئی کہ مسلم معاشرے کے ہر فرد کو گنہگار و حرام کار ثابت کیا جائے ۔ اور علمائے بریلی نے اپنے علم کا سارا زور اس بات پر لگایا کہ جو چیز اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک حرام نہیں ہے اسے کون حرام کہہ سکتا ہے ۔ جن مذہبی اور اخلاقی روایات پر ہمارا معاشرہ کھڑا ہے انھیں بلا وجہ حرام قرار دینا علم اور فکر کی گمراہی بھی ہے اور مسلم دشمنی بھی ۔

ہمارے قارئین کرام جذبۂ انصاف سے کام لیں تو انھیں ماننا پڑے گا کہ علمائے بریلی کی ساری جدوجہد جمہور مسلمین کی حمایت میں ہے ۔ جبکہ علمائے دیوبند کی ساری کوششیں جمہور مسلمین کی مخالفت میں ہیں ۔

اب اس سے بڑھکر ناقدری اور زیادتی کیا ہوگی کہ جو لوگ آپ پر حملہ آور ہیں وہ آپ کے سب سے بڑے خیر خواہ ہوگئے ۔ اور جو علماء اپنی جان اور آبرو جوکھم میں ڈال کر آپ کا دفاع کر رہے ہیں انھیں آپ دشمن سمجھتے ہیں ۔

حاصلِ گفتگو

اختلاف کی پہلی بنیاد سے لیکر یہاں تک جو کچھ ہم نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اس کا مدعا صرف اتنا ہے کہ آپ اختلافات کی نوعیت کو پوری طرح سمجھ لیں اور ہماری برہمی ، بیزاری اور علیحدگی کو کسی اور جذبے پر محمول نہ کریں ۔ علمائے دیوبند کے گستاخ قلم کا حملہ ہماری اپنی ذات پر ہوتا تو عفو و درگذر اور مصالحت کی بہت سی راہیں نکل سکتی تھیں ۔ لیکن جب انھوں نے منصب رسالت کی عظمتوں کو نشانہ بنا کر اللہ اور اس کے پیارے رسول کو اذیت پہنچائی ہے تو اب ان کے متعلق جو فیصلہ ہوگا وہیں سے ہوگا ۔

کسی بھی عالم کے ساتھ ہمارا رشتہ براہ راست نہیں ہے بلکہ نبی کے توسط سے ہے ۔

جب اپنا رشتہ وہیں سے کوئی کاٹ لے تو ہمارے ساتھ رشتہ جوڑنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ نبی پاک کے ساتھ وفاداری کے جذبے ہی کا یہ تقاضا ہے کہ جب تک ہمارے جسم میں جان ہے ، نہ یہ کہ ان گستاخوں سے ہم اپنا رشتہ منقطع رکھیں گے ، بلکہ ہماری کوشش جاری رہے گی کہ ہر مومن وفادار کا رشتہ ان سے منقطع کرتے رہیں ——

یہی مشن صاحب سوانح شیر بیشۂ سنت کا تھا ۔ اور زمانہ شاہد ہے کہ اپنے مشن میں وہ کامیاب رہے ۔ اسی رشتے سے وہ اپنی حیات ظاہری میں بھی اہل محبت کا مرکز عقیدت تھے ۔ اور آج بھی جبکہ وہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں ہمارے دل کی دھڑکنوں سے قریب ہیں ۔

ہمارے خلاف علمائے دیوبند کے الزامات

علمائے دیوبند کے ساتھ ہمارے اختلافات کی تاریخ ادھوری رہ جائے گی اگر ان الزامات کا ذکر نہ کریں جو علمائے دیوبند نے ہمارے خلاف عائد کئے ہیں ۔

ہمارے خلاف ان کا سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ ہم نے صاحب علم وفضل علماء کی تکفیر کی ہے اور ہم کفر کا فتویٰ دینے میں بہت بے باک اور غیر محتاط واقع ہوتے ہیں اور اپنے مسلک میں ہم بہت شدت پسند اور متعصب ہیں —— اس الزام کے دفاع میں اس سے زیادہ اور ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ ہماری کتاب "حسام الحرمین" میں صرف پانچ اشخاص کے خلاف یہ الزام اہانت رسول وانکار ضروریات دین کفر کے فتوے صادر کئے گئے ہیں ۔ جن پر حرمین طیبین اور بلاد عرب کے اکابر علماء اور مشائخ نے بھی اپنی مہر توثیق ثبت فرمائی ہے ——

ان میں چار تو یہی اکابر علماء دیوبند ہیں جن کا تذکرہ پہلی بنیاد کے ضمن میں گذر چکا ہے اور پانچواں مرزا غلام احمد قادیانی کذّاب ہے ۔

اب اگر کوئی اپنی شامتِ عمل سے ان پانچوں میں سے کسی کے بھی کلماتِ کفریہ کی حمایت کرتا ہے تو اس کے لازمی نتائج اور واجبی تعزیرات کا ذمہ دار وہ خود ہے —— علمائے بریلی کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ بلا وجہ کسی کو دائرہ اسلام سے خارج کیا جائے ۔ اہانت رسول اور کلمۂ کفر

کی حمایت کر کے اپنی عاقبت برباد کرنے کا انتظام وہ خود کرتے ہیں۔ کسی اور کو مطعون کرنے سے کیا فائدہ۔

ایک ضروری نکتہ

اس مقام پر اس نکتے کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ جس طرح ایک غیر مسلم کو کلمۂ ایمان و اسلام کے اقرار کے بعد مسلم سمجھنا ضروری ہے اسی طرح ایک مسلم کو اگر وہ معاذ اللہ کفر کا مرتکب ہو جاتے تو اسے غیر مسلم سمجھنا بھی دین ہی کا ایک فریضہ ہے ——۔

مخصوص حالات میں یہ ناخوشگوار فریضہ جس طرح علمائے بریلی کو انجام دینا پڑا ہے علمائے دیوبند بھی اس فرض کی ادائیگی میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ ثبوت کیلئے مولانا عبدالماجد دریابادی کی مشہور کتاب "حکیم الامۃ" میں مولانا امین احمد اصلاحی کا یہ خط ملاحظہ فرمائیں۔ یہ خط اس دور کا ہے جب مولانا اصلاحی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڈھ کے منتظم تھے۔ موصوف کے خط کا یہ حصہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے ——۔

"مولانا تھانوی کا فتویٰ شائع ہو گیا ہے کہ مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی کافر ہیں۔ اور چونکہ مدرسہ انہی دونوں کا مشن ہے اس لئے مدرسۃ الاصلاح مدرسۂ کفر و زندقہ ہے۔ یہاں تک کہ جو علماء اس مدرسے کے (تبلیغی) جلسوں میں شرکت کریں وہ بھی ملحد و بے دین ہیں۔" (حکیم الامۃ ص ۴۵)

مولانا عبدالماجد دریابادی تھانوی صاحب کے مرید و خلیفہ ہیں اس لئے مولانا امین احسن اصلاحی کا خط موصول ہونے کے بعد انھوں نے ایک معتقد کی حیثیت سے تھانوی صاحب کو ایک مفصل خط لکھا جس میں انھوں نے مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی کی طرف سے صفائی پیش کرتے ہوئے ان کی عبادت و ریاضت، اُن کی نماز تہجد اور ان کے زہد و تقویٰ کو ان کے اسلام و ایمان کے ثبوت میں پیش کیا تھا —— ان کا مقصد یہ تھا کہ ایسے متدین لوگوں کے خلاف کفر کا فتویٰ حلق کے نیچے نہیں اترتا ——۔

—— تھانوی صاحب نے ان کے خط کا جو جواب دیا ہے وہ یہ ہے۔

"یہ سب اعمال و احوال ہیں۔ عقائد ان سے جداگانہ چیز ہے۔ صحتِ عقائد

کے ساتھ فساد اعمال و احوال اور فساد عقائد کے ساتھ صحت اعمال و احوال جمع ہو سکتا ہے۔" (حکیم الامۃ ص ۴۶)

اس جواب کا سوائے اس کے اور کیا مطلب ہے کہ شہرت علم و کمال اور فضل و تقویٰ کے باوجود مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی کے خلاف مولانا تھانوی نے کفر کا جو فتویٰ صادر کیا ہے وہ درست اور صحیح ہے۔ تھانوی صاحب کے چاہنے والے معتقدین اس فتوی کو صحیح ثابت کرنے کے لئے یہی تاویل کریں گے کہ مولانا تھانوی نے ان دونوں حضرات کی تحریر یا تقریر میں کفر کی کوئی بات ضرور دیکھی ہو گی، بغیر کسی شرعی وجہ کے انھوں نے کفر کا فتویٰ ہرگز صادر نہیں کیا ہو گا

اب یہی بات اگر ہم تھانوی صاحب اور دیگر اکابر دیوبند پر اُلٹ دیں کہ ان حضرات کے خلاف بھی کفر کا جو فتویٰ حرمین طیبین سے صادر ہوا وہ بھی بلا وجہ نہیں تھا۔ تکفیر کی کوئی شرعی وجہ ان کی نظر میں ضرور ہو گی جیسا کہ پہلی بنیاد میں اس کی ساری تفصیل آپ کی نظر سے گذر چکی ہے —— اگر مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی شہرت، ان کی تکفیر سے مانع نہیں ہوتی تو اکابر دیوبند کے حق میں آسمان سے کونسی وحی نازل ہوتی ہے کہ کفر اور اہانت رسول کے جرم کے ارتکاب کے باوجود انھیں تکفیر سے مستثنیٰ رکھا جائیگا۔

تصلّب اور شدّت پسندی کے الزام کا جواب

ہمارے خلاف علمائے دیوبند کا یہ الزام بھی ہے کہ ہم اپنے مسلک میں نہایت متصلب اور شدّت پسند واقع ہوئے ہیں۔ اس الزام کا اس سے زیادہ موزوں اور مؤثر جواب کوئی اور نہیں ہو سکتا کہ ہم انھیں آئینہ دکھائیں کہ آپ خود اپنی تصویر اس آئینہ میں دیکھ لیں پھر کسی پر انگلی اٹھائیں ——۔

ابھی مولانا امین احسن اصلاحی کے خط میں تھانوی صاحب کا فتویٰ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر بھی چونکہ انہی کافروں کا مشن ہے اس لئے وہ بھی مدرسۂ کفر و زندقہ ہے۔ یہاں تک کہ جو علماء اس مدرسہ کے جلسوں میں شرکت کریں وہ بھی ملحد و زندیق ہیں۔

اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ اس سے زیادہ مسلک کی شدت پسندی اور کیا ہو گی۔ تھانوی صاحب

اپنے مسلک میں اتنے شدت پسند ہیں کہ جن لوگوں کو وہ بددین سمجھتے ہیں ان کی تحریر بھی وہ اپنے معتقدین کو نہیں پڑھنے دیتے۔ "کمالات اشرفیہ" نامی کتاب میں ان کے ملفوظات کا مرتب ان کا یہ ملفوظ نقل کرتا ہے۔

"بددین آدمی اگر دین کی بھی باتیں کرتا ہے تو ان میں ظلمت لپٹی ہوتی ہے۔ ان کی تحریر کے نقوش میں بھی ایک گونہ ظلمت لپٹی ہوتی ہے۔ اس لئے بے دینوں کی صحبت اور بے دینوں کی کتابوں کا مطالعہ ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔"

(کمالات اشرفیہ ص ۵۵)

اب ہماری مظلومی کے ساتھ انصاف کیجئے کہ جن لوگوں کو اہانت رسول اور ضروریاتِ دین کے انکار کے الزام میں ہم بے دین سمجھتے ہیں، اگر ہم بھی ان کی صحبت ان کی تقریروں اور ان کی تحریروں کے بارے میں یہی شدت اختیار کریں تو ہم کیوں لائق گردن زنی ٹھہرائے جائیں ——— شریعت کی جو مصلحت ان کے سامنے ہے وہ ہمارے سامنے بھی کیوں نہیں ہونی چاہیئے؟

شدت پسندی کی ایک اور مثال

جو لوگ ندوہ کی تاریخ سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ دیوبند کے اکابر ندوہ کے سخت مخالف تھے۔ یہاں تک کہ ندوہ کے ناظم مولانا محمد علی مونگیری جب ندوہ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی دعوت لے کر مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب سے ملنے دیوبند گئے تو انھوں نے نہ صرف دعوت قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ ملنے سے بھی انکار کر دیا۔ یہانتک کہ جب مولانا مونگیری کیطرف سے اصرار ہوا کہ آپ خود شریک نہیں ہو سکتے تو کم از کم اپنے کسی آدمی کو شرکت کی اجازت دے دیجئے تو اُس کے جواب میں انھوں نے فرمایا ———۔

"مجھے معلوم کرایا گیا ہے کہ انجام اس کا بخیر نہیں۔ اس واسطے میں اپنی طرف سے کسی کو اجازت نہیں دے سکتا"۔ (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۰۵)

"انجام اس کا بخیر نہیں" اس الہام خداوندی کا اس سے زیادہ واضح ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ آج ندوہ پر دیوبندی فرقے کا تسلط ہو گیا ہے۔

اور انجام کی وحشت ناک تصویر اور نمایاں ہو جائے گی اگر اس کا آغاز بھی آپ نظر میں رکھیں۔

مولانا شبلی نعمانی کے بارے میں اہلِ علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ ندوہ کے بانیوں میں ایک مؤثر شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا ایک مضمون مقالاتِ شبلی کے حصۂ ششم میں شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون اسوقت کا ہے جب مولانا شبلی سے ندوہ کے ناظم کی چشمک ہو گئی تھی۔ بتدریج اختلافات یہاں تک بڑھے کہ مولانا کی حمایت میں ندوہ کے طلبہ نے اسٹرائک کر دیا۔ اس کے بعد کی سرگزشت خود مولانا کے قلم سے پڑھیئے۔ لکھتے ہیں کہ ———۔

"عین اسی حالت میں مولود شریف کا زمانہ آیا اور طلبہ نے جیسا ہمیشہ کا معمول تھا مولود شریف کرنا چاہا۔ لیکن اس خیال سے کہ مولود شریف میں بیان کروں گا وہ مولود سے روکے گئے اور تین دن تک یہ مرحلہ رہا۔ آخر لوگوں نے سمجھایا کہ مولود کے روکنے سے شہر میں عام برہمی پھیلے گی مجبوراً شرطوں اور قیدوں کے ساتھ مولود شریف کی منظوری دی گئی"۔

(مقالاتِ شبلی، ج ۶، ص ۱۳۱)

لیکن کیا آج بھی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے احاطے میں محفلِ مولود شریف کے انعقاد کی اجازت مل سکتی ہے؟ کیا آج بھی ہمیشہ کا یہ معمول وہاں کے طلبہ میں زندہ اور باقی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ کیونکہ اب ندوہ پر اہل دیوبند کا غاصبانہ قبضہ ہو گیا ہے۔

غور فرمایئے! وہ آغاز تھا اور یہ انجام ہے۔ اور غضب یہ ہے کہ گنگوہی صاحب کا الہام انجام ہی کے بارے میں ہے۔ آغاز کے بارے میں نہیں ہے ———۔

شدت پسندی کا ایک اور مکروہ نمونہ

دیوبندی مذہب کے مشہور پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی اپنے مسلک میں کتنے شدت پسند تھے اس کی ایک مثال ندوہ کے سلسلے میں آپ پڑھ چکے۔ اب ان کی شدت پسندی، سخت مزاجی کا ایک اور مکروہ نمونہ ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

بزرگانِ دین اور ان کے مزارات طیبات سے انھیں اتنی سخت نفرت تھی کہ وہ ان کے عرسوں سے بھی سخت نفرت کرتے تھے۔

سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے مشہور بزرگ، قطب عالم حضرت عبدالقدوس گنگوہی کا مزار مبارک اسی گنگوہ میں ہے جو مولوی رشید احمد صاحب کا وطن مالوف ہے۔ ان کیطرف سے مولوی صاحب کے دل میں کتنی کدورت تھی اور وہ ان کے عرس شریف سے کس قدر نفرت کرتے تھے اس کا اندازہ آپ مولوی زکریا شیخ الحدیث سہارنپور کی اس تحریر سے لگائیے ـــــ

موصوف اپنی کتاب "تاریخ مشائخ چشت" میں لکھتے ہیں۔

" حضرت شاہ عبدالقدوس کا عرس جس کے بند کرنے پر آپ قادر نہ تھے، وہ اس درجہ آپ کو اذیت پہنچاتا تھا کہ آپ کو صبر کرنا دشوار تھا۔ اول اول آپ ان دنوں گنگوہ چھوڑ دیتے اور رامپور تشریف لے جاتے۔ مگر آخر میں اس اذیت قلبی کے برداشت کرنے کی آپ کو تکلیف دی گئی تو یہ زمانہ بھی آپ کو اپنی خانقاہ میں رہ کر گذارنا پڑا۔

موسم عرس میں آپ کو اپنے منتسبین کا آنا بھی اس درجہ ناگوار ہوتا تھا کہ آپ اکثر ناراض ہوجاتے اور ان سے بات چیت کرنا بھی چھوڑ دیتے۔

ایک بار جناب مولوی محمد صالح صاحب جالندھری جو آپ کے خلفاء اور مجازین میں سے تھے، آپ کی زیارت کے شوق میں بیتاب ہوکر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اتفاق سے عرس کا زمانہ تھا۔ اگرچہ آنے والے خادم کو اس کا وہم بھی نہ گذرا۔ مگر حضرت امام ربانی نے بجز سلام کا جواب دینے کے ان سے یہ بھی نہ پوچھا کہ روٹی کھائی یا نہیں اور کب آئے اور کیوں آئے۔

مولوی محمد صالح صاحب کو دو دن اسی طرح گذر گئے۔ حضرت کا رُخ پھرا ہوا دیکھنا ان کو اس درجہ شاق گذرتا تھا کہ اس کو انھی کے دل سے پوچھنا چاہیے۔ آخر اس حالت کی تاب نہ لاکر حاضر خدمت ہوئے اور

رو رو کر عرض کیا کہ حضرت مجھ سے کیا قصور ہوا جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔

معذرت کے طور پر عرض کیا کہ حضرت، خدا شاہد ہے مجھے تو عرس وغیرہ کے ساتھ ابتدا ہی سے شوق نہیں۔ واللہ نہ میں اسوقت اس خیال سے گنگوہ آیا۔ اور نہ آجکل یہاں عرس ہونے کا مجھے علم تھا۔

حضرت امام ربانی نے فرمایا کہ اگرچہ تمہاری نیت عرس میں شرکت کی نہیں تھی۔ مگر جس راستے میں دو آدمی عرس کے آنے والے آرہے تھے اس میں تیسرے تم تھے "ـــــ (تاریخ مشائخ چشت ص ۲۹۴)

اب قارئین کرام ہی انصاف فرمائیں کہ اس سے بڑھکر اپنے مسلک میں شدت پسندی اور کیا ہوسکتی ہے کہ ان کا مرید عرس شریف میں شرکت کی غرض سے گنگوہ نہیں گیا تھا، بلکہ اپنے پیر کی ملاقات کے لئے وہاں حاضر ہوا تھا۔ لیکن صرف اتنی سی بات پر کہ وہ عرس کے زمانے میں گنگوہ کیوں آیا اسے ایسی ذلت آمیز سزا دی کہ جیسے اس سے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہوگیا ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی کو قطب عالم کے عرس سے اتنی ہی نفرت تھی تو وہ سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں مرید ہی کیوں ہوئے۔ جبکہ اس سلسلے کے سارے اکابر جن میں خواجۂ خواجگانِ چشت حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے لیکر قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار، بابا فرید شکر گنج، محبوب الٰہی حضرت نظام الدین، حضرت صابر پاک، حضرت چراغ دہلی، حضرت بندہ نواز گیسو دراز، حضرت ترک پانی پتی، حضرت شیخ عبدالحق ردولوی، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی، حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری، حضرت اخی سراج، حضرت علاء الحق پنڈوی اور حضرت سلطان اشرف جہانگیر سمنانی تک کون ایسا بزرگ ہے جس نے اپنے پیروں کا عرس شریف نہ کیا ہو۔

تعجب ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی صرف اتنی سی بات پر کہ عرس کے زمانے میں ان کا مرید کیوں آیا اس سے منہ پھیر لیا۔ لیکن سلسلۂ چشتیہ کے جو مشائخ کبار ساری زندگی اپنے پیروں کا عرس کرتے رہے انھیں وہ اپنا پیر دستگیر مانتے ہیں۔ یہ سوال گنگوہی صاحب کے سر پہ تلوار کی طرح لٹک رہا ہے کہ جو پیر گنگوہی صاحب کے مسلک کے مطابق خود محرمات و بدعات میں مبتلا

ہو وہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر خدا رسی کی منزل تک کیونکر پہنچا سکتا ہے ——۔

ہمارے خلاف علمائے دیوبند کا دوسرا الزام

جن لوگوں کے اعتقادی مفاسد پر امام اہلسنت اعلیحضرت فاضل بریلوی نے اپنے قلم کا نشتر چلایا تھا وہ زخموں کی تاب نہ لاکر زندگی بھر کراہتے رہے۔ انتقام ہر زخمی کا فطری تقاضا ہے اور فطرت ہی کا یہ بھی داعیہ ہے کہ جب آدمی دشمن پر قابو نہیں پاتا تو دشنام طرازیوں پر اتر آتا ہے چنانچہ اعلیحضرت فاضل بریلوی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ علم و استدلال کے ذریعہ جو لوگ اپنے خلاف اہانت رسول کے الزام کا دفاع نہیں کر سکے انھیں اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کی یہی صورت نظر آئی کہ جس طرح بھی ممکن ہو "مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی" کی شخصیت کو مجروح کیا جائے۔ علمی جلالت اور کردار کے تقدس پر انگلی رکھنے کی کوئی جگہ نہ مل سکی تو یہ الزام تراشا گیا کہ انھوں نے سنتوں کی بجائے بدعتوں کو زندہ کیا ہے۔ حالانکہ مجدد ہونے کی حیثیت سے احیائے سنت اور امتیاز میان حق و باطل ہی اعلیحضرت کا اصل کارنامہ ہے جس کی بیشمار مثالیں اُن کے فتاویٰ کی ضخیم مجلدات میں جگہ جگہ بکھری ہوئی ہیں۔

اس طرح کے الزام تراشنے والوں میں شیخ دیوبند مولوی حسین احمد صاحب صدر جمعیۃ علمائے ہند کا نام سرورق پر ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب "الشہاب الثاقب" میں اعلیحضرت فاضل بریلوی کو پانی پی پی کر تقریباً چھ سو گالیاں دی ہیں۔ انہی میں ایک گالی "مجدد البدعات" کی بھی ہے۔ جس سے ان کی کتاب کا ورق ورق داغدار ہے ——۔

لیکن اس مقام پر اعلیحضرت فاضل بریلوی کے کردار کی ارجمندی کو بار بار سلام کرنے کو جی چاہتا ہے کہ ان کے خلاف کذب بیانی اور الزام تراشی کا کاروبار کرنے والے اپنی ہزار دشمنی کے باوجود اب تک یہ الزام ان پر عائد نہ کر سکے کہ وہ بدعتوں کے موجد بھی ہیں۔

"مُجَدِّد" اور "مُوجِد" کے درمیان جو معنوی فرق ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔ اب جو لوگ اعلیحضرت فاضل بریلوی کو "مجدد البدعات" کہتے ہیں انھیں یہ بتانا ہوگا کہ جن بدعات

کو انھوں نے زندہ کیا ہے ان کا موجد کون ہے۔ اور اپنی کارگذاریوں کی یہ رپورٹ بھی پیش کرنی ہوگی کہ علمائے دیوبند نے اُن موجدین کو کتنی گالیاں دی ہیں۔

اس وقت میرا موضوع یہ نہیں ہے ورنہ میرے پاس ان بدعات کی ایک لمبی فہرست ہے جن کی ایجاد کا سہرا خود علمائے دیوبند کے سر بندھتا ہے۔ وقت اگرچہ نہیں ہے لیکن مقام کی مناسبت سے علمائے دیوبند کی ایجاد کردہ بدعات کیطرف ایک ہلکا سا اشارہ کر کے گذر جانا چاہتا ہوں تاکہ الزام بغیر سند کے نہ رہے —— ذیل میں ان بدعتوں کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

(١) دفع بلا اور قضائے حاجات کے نام پر مدرسہ کی مالی منفعت کے لئے ختم بخاری شریف کی بدعت کا موجد کوئی اور نہیں بلکہ خود دیوبند کا دارالعلوم ہے۔

(٢) نماز جنازہ کے لئے انتظامی مصلحت کی بنیاد پر نہیں بلکہ غلط اعتقاد کی بنیاد پر احاطۂ دارالعلوم میں ایک جگہ مخصوص کرنے کی بدعت کا موجد کوئی اور نہیں بلکہ خود دیوبند کا دارالعلوم ہے

(٣) مسلم میت کے کفن کے لئے "کھدر" کی شرط لگانے اور کھدر کے بغیر نماز جنازہ پڑھنے اور پڑھانے سے انکار کر دینے کی بدعت کا موجد بھی کوئی اور نہیں بلکہ خود شیخ دیوبند مولوی حسین احمد ہیں

(٤) وراثت انبیاء کی سند تقسیم کرنے کے لئے اہتمام و تداعی کے ساتھ صد سالہ اجلاس منعقد کرنے اور ایک نامحرم اور مشرک عورت کو اسٹیج پر بلا کر اسے کرسی پر بٹھانے اور اپنے مذہبی اکابر کو اس کے قدموں میں جگہ دینے کی بدعت سیئہ کا موجد بھی کوئی اور نہیں بلکہ خود دیوبند کا دارالعلوم ہے۔

(٥) دینی درسگاہ کے احاطے میں مشرکانہ الفاظ پر مشتمل قومی ترانہ کے لئے "قیام تعظیمی" کی بدعت سیئہ کا موجد بھی کوئی اور نہیں بلکہ خود دیوبند کا دارالعلوم ہے۔

(٦) کانگرسی امیدوار کو کامیاب بنانے کے لئے انتہائی جد وجہد کو مذہبی فریضہ سمجھنے کی بدعت کا موجد بھی کوئی اور نہیں بلکہ خود شیخ دارالعلوم دیوبند ہیں۔

(٧) اپنے اکابر کی موت پر "اہتمام و تداعی" کے ساتھ جلسۂ تعزیت منعقد کرنے اور ضلالات و اباطیل پر مشتمل منظوم مرثیہ پڑھنے اور پڑھانے کی بدعت کا موجد بھی کوئی اور نہیں بلکہ خود دارالعلوم

دیوبند ہے۔

(۸) بالالتزام کسی متعین نماز کے بعد نمازیوں کو روک کر ان کے سامنے تبلیغی نصاب کی تلاوت کرنے کی بدعت کا موجد بھی کوئی اور نہیں بلکہ خود علمائے دیوبند ہیں۔

(۹) کلمہ و نماز کی تبلیغ کے نام پر چلہ اور گشت کرنے اور کرانے کی بدعت کا موجد بھی کوئی اور نہیں بلکہ خود علمائے دیوبند ہیں۔

(۱۰) دارالعلوم دیوبند میں صدر جمہوریہ کی آمد کے موقعہ پر قومی ترانے کے احترام میں کھڑے ہونے کا حکم صادر کرنے والے بھی اکابر دیوبند ہیں جو اس وقت اسٹیج پر موجود تھے۔ اب وہی بتائیں کہ یہ بدعت کی کونسی قسم ہے۔

یہ اور اس طرح کی بے شمار بدعات و منکرات ہیں جن کی ایجاد کا سہرا علمائے دیوبند کے سر ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ لوگ امام اہلسنت اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کو بدعتی کہتے نہیں تھکتے۔ علمائے دیوبند ہر نو ایجاد چیز پر بے دریغ بدعت ضلالت ہونے کا حکم صادر کر دیتے ہیں اور اسے حرام قرار دے کر مسلمانوں میں اختلاف و انتشار کے نئے نئے فتنے برپا کر دیتے ہیں۔

مثال کے طور پر محفلِ میلاد ہی کو لے لیجئے۔ اس کے بدعت ضلالت اور حرام ہونے کی ان کے پاس سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ سات سو برس کی نو ایجاد بدعت ہے۔ موجودہ ہیئت کے ساتھ نہ وہ عہد رسالت میں موجود تھی اور نہ عہد صحابہ و تابعین میں ——۔ لیکن جب ان سے دریافت کیا جاتا ہے کہ اگر آپ حضرات کے یہاں صرف نو ایجاد ہونے کی بنیاد پر محفل میلاد بدعت ضلالت ہے تو وہ جن اجزاء پر مشتمل ہے ان میں سے کسی چیز کے بارے میں نشاندہی کیجئے کہ وہ کسی سنت کو مٹاتا ہے یا شریعت کے کسی قاعدہ کلیہ کے تحت ممنوعات کے زمرے میں آتا ہے تو سوائے خاموشی کے ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔

مثال کے طور پر محفلِ میلاد کے اجزاء یہ ہیں۔

(۱) اعلانِ عام (۲) فرش و تخت اور شامیانہ وغیرہ (۳) روشنی (۴) بخور و عطریات و گلاب (۵) شیرینی (۶) مجمع مسلمین (۷) ذاکر و میلاد خواں (۸) ذکرِ الٰہی و ذکرِ رسول

(۹) قیام و سلام۔

ان سارے اجزاء میں سے سوائے قیام و سلام کے کوئی جز ایسا نہیں ہے جس پر اُن حضرات کا جلسۂ سیرت، یا جلسۂ وعظ، یا جلسۂ تبلیغ، یا جلسۂ دستار بندی، یا جلسۂ تنظیم و جماعت پر مشتمل نہ ہو۔ اعلان عام بھی ہے، فرش و تخت اور شامیانہ بھی ہے، روشنی بھی ہے، مجمع بھی ہے، واعظ و مقررین بھی ہیں۔ اس لئے ان میں سے کسی جز کو بدعت ضلالت ٹھہرا اسے حرام قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ وہ خود اپنے ہی جلسوں کے خلاف حرام ہونے کا فتویٰ دیں ——۔

اب رہ گیا معاملہ قیام و سلام کا تو یہ بھی ان کے یہاں وجہ حرمت نہیں ہے کیونکہ بدونِ قیام بھی محفلِ میلاد ان کے یہاں حرام ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں ان کے مشہور پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے تحریر فرمایا ہے ——۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ محفلِ میلاد کی حرمت وجہ غلط روایتوں کا پڑھنا یا بیان کرنا ہے تو میں عرض کروں گا کہ بروایات صحیحہ بھی محفلِ میلاد ان کے یہاں حرام ہے۔ جیسا کہ اپنے فتاویٰ میں مولوی رشید احمد گنگوہی اس کی بھی تصریح کر چکے ہیں۔

میں نے متعدد مناظروں میں دیوبندی علماء سے سوال کیا کہ جب ہماری محفل میلاد اور آپ حضرات کے جلسۂ وعظ کے اجزاء ایک ہی ہیں تو آپ کا جلسۂ وعظ جائز اور ہماری محفل میلاد حرام کیوں ہے؟ صرف اس وجہ سے تو کوئی چیز حرام یا حلال نہیں ہو سکتی کہ آپ کے جلسہ کا نام جلسۂ وعظ یا جلسۂ سیرت ہے اور ہمارے جلسہ کا جلسۂ میلاد ہے۔

جب ان حضرات سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو میں نے عرض کیا کہ ایک ہی وجہ فرق میری سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقعہ پر جب ساری کائنات میں خوشی کے ڈنکے بج رہے تھے تو شیطان لعین کے گھر میں ماتم بپا تھا وہ شدتِ غیظ میں اپنے سر پر خاک ڈال رہا تھا۔

اسے حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تکلیف پہنچی تھی۔ بہت ممکن ہے کہ اس کی پیروی میں آپ حضرات کو ذکر ولادت سے تکلیف پہنچتی ہو کیونکہ

واقعہ تو گذر چکا اب تو صرف اس کا ذکر ہی باقی رہ گیا ہے ——۔ آپ حضرات دیو بند میں اپنے دار العلوم کا جشن صد سالہ مناتے ہیں تو شریعت آپ کا ہاتھ نہیں پکڑتی۔ اور ہمارے جشن عید میلاد النبی پر آپ کا دار العلوم گرجنے اور برسنے لگتا ہے۔ سچ کہا ہے کہنے والوں نے کہ جب کسی کی ذات سے دل میں کسی طرح کی جلن ہو جاتی ہے تو اس کے ذکر سے بھی دل جلنے لگتا ہے۔

صاحب سوانح حضرت شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمۃ والرضوان میری نظر میں

چند متفرق واقعات جن کا میں عینی شاہد ہوں

غالباً ۱۹۴۲ء کی بات ہے جب ہم دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں زیر تعلیم تھے۔ حضرت شیر بیشۂ سنت ایک جلسہ میں مبارک پور تشریف لائے۔ ان کی شہرت تو بہت سنی تھی لیکن ان کی زیارت کا یہ بالکل پہلا اتفاق تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں ان کی دلربا شخصیت، ان کی قابلیت، ان کی شانِ خطابت، ان کی ذہانت و حاضر جوابی، ان کی حق گوئی اور عشق رسول میں ان کی سرشار کیفیت سے میں بیحد متاثر ہوا۔

ایک اثر انگیز واقعہ

عین اس وقت جبکہ وہ مبارکپور میں تشریف فرما تھے فلسطین کے دو مہاجر عرب مبارک پور آئے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ آٹھ دس برس کا ایک بچہ بھی تھا۔ جس کا نام جو د اللہ تھا۔ حضرت شیر بیشۂ سنت کی آمد کی دھوم پورے مبارک پور میں مچی ہوئی تھی۔ وہ لوگ بھی حضرت سے ملاقات کے لئے دار العلوم میں حاضر ہوئے۔ اس وقت ہم دو چار طلبہ حضرت شیر بیشۂ سنت کی مجلس میں موجود تھے۔ جس روانی کے ساتھ حضرت شیر بیشۂ سنت نے ان سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی ہم لوگ حیران رہ گئے۔

مجھے اب تک یاد ہے کہ حضرت نے جو د اللہ کو کھانے کے لئے کوئی چیز عنایت فرمائی اس نے اس میں سے تھوڑا سا کھایا اور باقی چھوڑ دیا۔ اس پر حضرت شیر بیشۂ سنت نے عربی زبان میں ارشاد فرمایا "کُل اُلکُل" سب کھا جاؤ۔ الفاظ کی تکرار سے جملے کی خوبصورتی پر عرب حضرات بھی محظوظ ہوئے۔ اور ہم لوگ بھی متعجب و مسرور ہوئے۔ اس دن لوگوں کو اندازہ ہوا کہ حضرت شیر

بیشۂ سنت عربی زبان پر کتنی عظیم قدرت رکھتے ہیں ——۔

مناظرہ دیکھنے کا اشتیاق

مناظرے میں ان کی حاضر جوابی، ان کی قوت استدلال، ان کا زور بیان، ان کے ذہنی استحضار، ان کی قوتِ حافظہ، ان کی جرأت بے محابا، ان کا اندازِ گرفت اور ان کی علمی جلالت و جبروت کی ملک گیر شہرت سنکر میرے دل میں ہمیشہ یہ اشتیاق رہا کہ کاش کبھی اُن کے مناظرے کو دیکھنے اور سننے کا موقعہ ملتا ——۔

اس اشتیاق میں کئی بار ان مقامات پر جہاں دیو بندیوں کے ساتھ ان کے کسی مناظرے کے منعقد ہونے کی خبر ملتی، ہم وہاں جیسے بھی بن پڑتا حاضر ہوتے۔ لیکن بدقسمتی سے ہر جگہ پہنچنے کے بعد یہ خبر ملتی کہ دیو بندی مولویوں نے راہِ فرار اختیار کر لی اور دل کی تمنا بجھ کے رہ جاتی ——۔

مہونا ضلع سلطانپور کا مناظرہ

مہونا میں مولوی عبد الشکور کاکوروی کے لڑکے مولوی عبد الاول اور مولوی عبد السلام کے ساتھ مناظرہ طے پایا تھا۔ اس مناظرے میں سلطان المتکلمین حضرت امینِ شریعت علامہ شاہ مفتی رفاقت حسین صاحب کی طلبی پر میں بھی حاضر ہوا تھا ۱۹۵۴ء میں مولوی عبد اللطیف متوی کے ساتھ حضرت موصوف میرا پہلا مناظرہ دیکھ چکے تھے۔ اس تعلق سے انہوں نے مجھے یاد فرمایا تھا۔ لیکن کافی تکلیف اُٹھا کر جب میں وہاں پہنچا تو خونِ تمنا کی یہ خبر مہونا گاؤں میں داخل ہوتے ہی مجھے ملی کہ دیو بندی مولویوں نے نقضِ امن کے اندیشے کو بنیاد بنا کر پولیس کے ذریعہ مناظرے پر حکمِ امتناعی نافذ کرا دیا ——۔ پولیس کی مداخلت کی وجہ سے مجبوراً اہلسنت نے مناظرہ گاہ کو جلسہ گاہ میں تبدیل کر دیا ہے۔ جلسہ گاہ میں تا حدِ نظر آدمیوں کا ایک امنڈتا ہوا سیلاب تھا جس کے اور جور کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔ جنہیں زمین پر جگہ نہیں مل سکی وہ درختوں، دیواروں اور چھتوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑی مشکل سے کتابوں کا بکس لئے ہوئے میں اسٹیج تک پہنچا۔ علمائے اہلسنت کے نورانی چہروں سے فتح و ظفر کی مسرت دودھیا چاندنی کی طرح پھوٹی پڑ رہی تھی۔

حضرت شیر بیشۂ سنت کی تقریر شروع ہی ہونے والی تھی کہ میں اُن کے سامنے سے گذرا انھوں نے مجھے دیکھتے ہی اسٹیج پر بلالیا۔ اور اپنے قریب ہی بیٹھنے کی جگہ مرحمت فرمائی۔ حضرت مفتی اعظم کانپور بھی اسٹیج پر رونق افروز تھے۔ میری زندگی کا یہ بالکل پہلا اتفاق تھا کہ حضرت شیر بیشۂ سُنت کے سامنے میں نے دیوبندی مذہب کے رد و ابطال میں ایک مدلل تقریر کی۔ میں نے اپنی تقریر میں دیوبندی کتابوں کے حوالوں سے دیوبندی مذہب کے خلاف بالکل نئے مواد پیش کئے تھے۔

نئے الزامات پر مشتمل میری اس تقریر سے حضرت شیر بیشۂ سنت اتنے مسرور ہوئے کہ اپنی تقریر کے دوران دیر تک وہ اپنی مسرتوں اور نیک تمناؤں کا اظہار فرماتے رہے۔

حضرت شیر بیشۂ سنت کی تقریر کے پانچ مراحل

میری تقریر کے بعد جیسے ہی حضرت شیر بیشۂ سنّت کی تقریر کا اعلان ہوا، سارے مجمع میں ایک تلاطم کی کیفیت برپا ہوگئی۔ نعروں کے شور سے دیر تک مہونا کا آسمان گونجتا رہا۔ جیسے ہی تقریر شروع ہوئی ساری فضا عشق و ایمان کی خوشبو سے معطّر ہوگئی۔ سوکھی ہوئی رگوں میں غیرتِ حق کی توانائیوں کا چشمہ ابلنے لگا۔ تقریر کیا تھی جلالت شانِ مصطفےٰ کی تجلی تھی جو بجلی کیطرح کالی گھٹاؤں میں کوندرہی تھی۔ دلائل و براہین کا ایک جوار بھاٹا تھا جو اہل باطل کے قلعہ کی فصیلوں کو خس و خاشاک کیطرح بہائے لئے جارہا تھا۔ مجمع میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کے دل کی دھڑکن حضرت شیر بیشۂ سنت کی آواز سے ہم آہنگ نہ ہوگئی ہو۔

پہلا مرحلہ

تقریر سے پہلے سیّد العٰلمین، خاتم پیغمبراں حضور پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائلِ جلیلہ اور محامد عظیمہ پر مشتمل ایسا فصیح و بلیغ اور دلکش و ایمان افروز خطبہ تھا جو اتنا طویل ہوتا تھا کہ بیس پچیس منٹ اس میں صرف ہوجاتے تھے۔ خطبہ اگرچہ عربی زبان میں ہوتا تھا لیکن اس کی سحر آفرینی اور اثر انگیزی کا یہ عالم ہوتا کہ جیسے ہی اُنھوں نے اپنے

مخصوص لہجے میں خطبے کا آغاز کیا اور سارے مجمع پر وجد و مستی کی کیفیت طاری ہوجاتی —— کرسی پر اچھل اچھل کر اپنے آقا کی عظمتوں کا خطبہ پڑھتے ہوئے وہ خود بھی وارفتگیٔ شوق کے عالم میں ڈوب جاتے اور مجمع کو بھی کوثر و تسنیم کی بارش میں نہلا نہلا کر سرشار رکھتے خطبے کے الفاظ اتنے مرصع، پرشکوہ اور دل آویز ہوتے اور پڑھنے کا انداز اس قدر والہانہ ہوتا کہ عربی زبان سے نابلد ہونے کے باوجود عوام پر بے خودی کی کیفیت طاری ہوجاتی۔ خطباء اور واعظین کی پوری جماعت میں حضرت شیر بیشۂ سنت کا خطبہ اپنی شان میں منفرد تھا۔

دوسرا مرحلہ

اپنی عادتِ کریمہ کے مطابق خطبہ کے بعد نہایت خوش الحانی کے ساتھ وہ اعلیحضرت امام عشق و محبت کی کوئی نہ کوئی نعت ضرور پڑھتے تھے۔ اُن کی آواز اتنی پُرکشش اور سحر طراز تھی کہ دل کھنچنے لگتے تھے۔ اور پڑھنے کا لہجہ بھی اتنا وجد آور اور کیف بار ہوتا کہ سُننے والے بے قابو ہوجاتے تھے۔ اور پڑھنے کے دوران ایک ایک شعر کی شرح کرتے ہوئے جب وہ اپنے آقا کے فضائل کا دفتر کھولتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ مجمع پر عشق و مستی کے خزانے لٹا رہے ہیں۔ کبھی کبھی تو جذبۂ ایمان و عقیدت کے تلاطم کی یہ کیفیت ہوتی کہ سفینے کی بات تو الگ رہی، سینے میں دلوں کا سنبھالنا مشکل ہوجاتا۔ اور وہ وقت تو وارفتگیٔ شوق کے نقطۂ عروج کا ہوتا جب کیف و سرور میں بھیگے ہوئے مجمع کو عالم تصور میں مدینے کی دہلیز پر لے جاکر کھڑا کردیتے۔ دل کی حضوری وجدان و احساس پر اس طرح چھا جاتی کہ تصور پیکرِ محسوس میں تبدیل ہوجاتا ——.

اور اسی عالمِ کیف میں جب زمزمۂ نعت کا تسلسل ٹوٹتا تو لوگوں کو ایسا محسوس ہوتا کہ وہ ابھی ایک مقدّس خواب سے بیدار ہوئے۔ یہ ان کی تقریر کا دوسرا مرحلہ ہوتا ——.

تیسرا مرحلہ

اس مرحلے میں تلاوت کردہ آیت کریمہ پر وہ کسی ایمان افروز تمہید سے اپنی تقریر کا آغاز کرتے۔ تمہید ہی میں لوگوں کو اندازہ ہوجاتا کہ الفاظ و بیان کے تیز گام قافلے کا رُخ کس طرف ہے۔ اور تمہید کے بعد نتیجے کے طور پر جب عظمتِ مصطفیٰ کے جلوؤں سے نقاب اُلٹتے

تو دلوں کی بزم میں خوشی کے چراغ روشن ہو جاتے۔ تکبیر و رسالت کے نعروں سے ساری فضا معطر ہو جاتی —— سرکار کے فضائل پر تقریر کرتے ہوئے اُن کی قوت ایمانی کا جوش و خروش دیکھنے کے قابل ہوتا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ اپنے آقا کے دفاع میں بولنے والے ایک بندۂ وفاکیش کو خود روح الامین شاباشی دے رہے ہیں۔

اس کے بعد تلاوت کردہ آیت کے نکات پر جب وہ علم و عرفان کا دفتر کھولتے تو عقل فتنہ پرداز بھی عشق کی قوت پروازکے آگے سر جھکا لیتی۔ اور بعض بعض نکتے تو اس غضب کے ہوتے کہ اہل علم چیخ اٹھتے کہ حضرت شیر بیشۂ سُنّت الہام کی زبان میں تقریر فرما رہے ہیں اور اپنے محبوب کی جلالتِ شان کے اظہار و بیان کے لئے خود مولائے قدیر نے اپنے ایک پاک طینت بندے کا سینہ کھول دیا ہے۔ اب چشمۂ نور کے آبشار میں بھیگی ہوئی زبان کو بجلی کیطرح کوندنے سے کون روک سکتا ہے۔

ان کی تقریر کا یہ حصہ اتنا رقت انگیز اور پُر اثر ہوتا تھا کہ غفلتوں کا سارا نشہ اتر جاتا تھا۔ جنم جنم کے روگی صرف انداز بیان اور قوت استدلال کی برکت سے صحتیاب ہو جاتے —— اور مہر نیمروز کی طرح یہ حقیقت لوگوں پر واضح ہو جاتی کہ محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تکریم سے منہ موڑ کر خدا کی بندگی کا کوئی صلہ نہیں مل سکتا۔ یہی عقیدہ قرآن مجید کے تیس پارے کا حاصل ہے۔ اس عقیدے پر ساری حدیثوں کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ سارے انبیاء و مرسلین نے اسی عقیدے کی تبلیغ فرمائی اور یہی عقیدہ سارے ملائکہ اور سارے علمائے امّت کا ہے —— اور اسی عقیدے کا تقاضا پورا کرتے ہوئے ہر مسلمان کو مرنا بھی ہے اور جینا بھی ہے۔

چوتھا مرحلہ اور عین اس موقعہ جب کہ دلوں کی سرزمین عشق و اخلاص کی بارش میں بالکل بھیگ جاتی اور جذبۂ حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سارا مجمع سرشار ہو جاتا وہ دیوبند کے اکابر کی شقاوتوں کا دفتر کھول دیتے۔ کفر اور وہ بھی اہانت رسول کا، گستاخی اور وہ بھی حبیبِ کبریا کی شان میں، دل کی کدورت اور وہ بھی کلمہ پڑھانے والے معصوم پیغمبر کی طرف سے۔ کون مسلمان ہے، جو اسے برداشت

کرے گا —— . اس موضوع پر ان کا زور بیان اس درجہ والہانہ اور مدلل ہوتا کہ سارا مجمع ان کی آواز میں آواز ملانے پر مجبور ہو جاتا۔

پانچواں مرحلہ ان کی تقریر کا یہ آخری حصہ ہوتا تھا۔ اس مرحلے میں وہ ایک درد مند مصلح اور پرسوز ناصح کی حیثیت سے مسلمانوں کو شریعت کی پابندی، گناہوں سے اجتناب، پنجوقتہ نمازوں پر مداومت، مذہب اہلسنت پر استقامت اور بد عقیدوں کی صحبت سے بچنے کی تلقین فرماتے۔ تقریر کا یہ حصہ اتنا پُر اثر ہوتا تھا کہ لوگوں کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ اور ان کے ناصحانہ کلمات سے بگڑی ہوئی ہزاروں زندگیاں سنور جاتی تھیں ——.

ان ہی خصوصیات کے ساتھ مہونا کے جلسہ میں ان کی آخری تقریر ہوئی۔ جلسہ ختم ہو جانے کے بعد لوگوں نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ کئی دن کے مناظرے سے حق و باطل کے امتیاز کے لئے جتنا فائدہ پہنچ سکتا وہ ان کی ایک تقریر سے پہنچ گیا —— . کئی دن تک پورے علاقے میں ان کی تقریر کا چرچا لوگوں کی زبانوں پر تھا۔ تقریر کا جو حصہ جس کے ذہن میں محفوظ ہو گیا تھا وہ جہاں بیٹھتا اس کو دہراتا رہتا۔

احمد آباد کا مناظرہ

مہونا کے مناظرہ کے کئی سال بعد احمد آباد کے دیوبندیوں نے سر اٹھایا اور پالن حقانی جیسے دلآزار گستاخ اور اشتعال انگیز دیوبندی مقرر کو کئی ہفتے کے لئے احمد آباد میں بلوایا۔ اس کی اشتعال انگیز تقریروں سے جب احمد آباد کی فضا مسموم ہونے لگی تو اہلسنت کیطرف سے بھی جوابی تقریروں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو بہت دنوں تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ احمد آباد کے دیوبندیوں اور عمائدین اہلسنت کے درمیان ایک فیصلہ کن مناظرے کی بات طے پا گئی۔ تاریخ بھی مقرر ہو گئی اور موضوع مناظرہ کا تعین بھی ہو گیا۔

اپنے عوام و خواص کے دباؤ پر دیوبندی جماعت کے مقامی رہنماؤں نے مناظرے کا

چیلنج تو دے دیا تھا، لیکن انھیں یہ پتہ نہیں تھا کہ اُن کے علماء جب اسٹیج پر اکیلے ہوتے ہیں تو اہانت رسول کے الزامات کی صفائی میں یہ کہکر اپنے عوام کو مطمئن کر دیتے ہیں کہ ہمارے اکابر کے خلاف اہانت رسول کا الزام بالکل بے بنیاد ہے، یہ سارا افترا بریلویوں کا ہے۔ انہوں نے صرف ہمیں رسوا کرنے کیلئے ہمارے اکابر کے خلاف یہ الزام تراشا ہے۔

لیکن مناظرے کے میدان میں جب آمنے سامنے دو فریق کی بات ہوتی ہے اور اُن کے اکابر کی کتابوں سے وہ اہانت آمیز عبارتیں مجمع میں پڑھکر سنائی جاتی ہیں تو ان کے مناظر نہ ان کتابوں کا انکار کرتے ہیں اور نہ ان کتابوں کی اہانت آمیز عبارتوں کو جھٹلاتے ہیں اسوقت سب کے سامنے ان کے جھوٹ کی قلعی کھل جاتی ہے۔

فرار کی حکمتِ عملی

یہی وجہ ہے کہ مناظرہ کے لئے وہ آسانی سے تیار نہیں ہوتے۔

چنانچہ احمد آباد کے مناظرے کا بھی یہی انجام ہوا۔ دیوبندی جماعت کے مقامی عمائدین نے اپنی حق پرستی کا ڈھونگ رچانے کے لئے مناظرہ کا چیلنج تو دے دیا تھا۔ لیکن جب وہاں کے ذمہ دار حضرات، مناظرین کی تلاش میں دیوبند اور سہارنپور گئے تو انھیں سخت مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن چونکہ احمد آباد کی دیوبندی جماعت کے اعتماد کو ٹوٹنے سے بھی بچانا تھا اور اپنے اکابر کا بھی بھرم رکھنا تھا اس لئے حکمتِ عملی یہ اختیار کی گئی کہ ملک کے مختلف حصّوں سے غیر معروف قسم کے دیوبندی مولویوں کو مناظر کی حیثیت سے احمد آباد میں بلوا لیا گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ دیوبندی جماعت کے بارسوخ سیاسی اور مذہبی لیڈر مولوی حفظ الرحمٰن سیوہاروی دہلی میں کانگرسی حکومت کی ناک کا بال بنے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے سیاسی اثر و رسوخ سے کام لیتے ہوئے گجرات کے وزیر اعلیٰ پر دباؤ ڈلوایا کہ نقص امن کے اندیشے کے پیش نظر مناظرہ ہرگز نہ ہونے دیا جائے ـــــــ۔

اہلسنت کو ان خفیہ کاروائیوں کا علم نہیں تھا اس لئے وہ زور شور سے مناظرہ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اہلسنت کے وہ سارے مشاہیر جو مناظرہ سے دو تین دن پیشتر ہی احمد آباد پہنچ

گئے تھے۔ ان میں حضرت شیر بیشہ سنت، حضرت حافظ ملت، حضرت امین شریعت، حضرت مجاہد ملت، مفتی رضوان الرحمٰن، مولانا مظفر حسین کچھوچھوی، مولانا ابو الوفا فصیحی، مولانا مشتاق احمد نظامی، اور اس فقیر پر تقصیر ارشد القادری کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ جس دن حضرت شیر بیشہ سنت تشریف لائے سارے احمد آباد میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ سنیوں کے حلقے میں عید جیسی خوشی تھی۔ جبکہ دیوبندیوں کے خیمے میں صف ماتم بچھ گئی تھی ـــــــ۔

اپنی اپنی جگہ پر اندیشہ تو اہلسنت کے علماء کو بھی تھا کہ مناظرے سے جان بچانے کے لئے دیوبندی فرقے کے سیاسی حضرات اپنا سرکاری اثر و رسوخ ضرور استعمال کریں گے چنانچہ اندیشہ کے مطابق مناظرہ کی تاریخ سے ایک دن پیشتر ہی احمد آباد کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مناظرے کے خلاف حکم امتناعی نافذ کر دیا اور اہلسنت کے مقامی منتظمین کو تھانے میں بلوا کر حکمنامہ ان کے حوالے کر دیا گیا ـــــــ۔

حکومت کے اس اقدام سے احقاق حق اور ابطالِ باطل کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ اپنی اپنی جگہ پر اہلسنت کے سارے علماء اس واقعے سے نڈھال تھے۔ لیکن حضرت شیر بیشہ سنت حالات کے سامنے ہتھیار ڈالنے والوں میں نہیں تھے۔ انھوں نے فوراً ہی اہلسنت کے بیرونی علماء اور مقامی منتظمین کی ایک میٹنگ اپنی قیام گاہ پر بلوائی۔ اس میٹنگ میں کافی دیر تک بحث و تمحیص کے بعد طے پایا کہ دوسرے بیرونی علمائے اہلسنت اور مقامی عمائدین کا ایک وفد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے ملاقات کر کے مناظرے کی اجازت دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

رئیس وفد کی حیثیت سے خود حضرت شیر بیشۂ سنت نے گفتگو کرنے کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ اور مشیر کی حیثیت سے گفتگو میں حصہ لینے کے لئے مولانا ابو الوفا فصیحی، مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی، مولانا مشتاق احمد نظامی، یہ راقم الحروف اور مناظرہ کمیٹی کے صدر و سکریٹری منتخب کئے گئے۔

دوسرے دن صبح دس بجے ہم لوگ مقررہ وقت پر ڈی ایم کے بنگلے پر پہنچ گئے۔ اس نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ وفد کا خیر مقدم کیا۔ حضرت شیر بیشہ سنت نے دستورِ ہند

میں دیئے گئے شہری اور مذہبی حقوق کو بنیاد بنا کر جس حکیمانہ انداز میں ڈی ایم سے گفتگو فرمائی ہم حیران رہ گئے۔

اس دن پہلی بار ہمیں مشاہدہ ہوا کہ حضرت شیر بیشۂ سنت مذہبی موضوعات کے علاوہ سیاسی موضوعات پر بھی ایک ماہر قانون کیطرح معلومات کی پوری بصیرت کے ساتھ بحث کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

حضرت شیر بیشۂ سنت نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ——— ہم علمائے اہلسنت اور علمائے دیوبند کے درمیان چند ایسے بنیادی اختلافات ہیں جو دو ملتوں میں ہمیں تقسیم کرتے ہیں۔ پالن حقانی صاحب کی اشتعال انگیز اور دل آزار تقریروں کے نتیجے میں ادھر چند مہینوں سے ہماری اور دیوبندی علماء کی تقریروں اور جوابی تقریروں کا سلسلہ جاری ہے۔ الگ الگ اسٹیجوں پر دونوں فریق اپنی اپنی بات کرتے ہیں۔ عوام سخت کشمکش میں ہیں کہ کون صحیح بول رہا ہے اور کون غلط بول رہا ہے۔ کون ہمیں دھوکہ دے رہا ہے اور کون صحیح راستے پر لے جانا چاہتا ہے۔ اس لئے عوام کے مطالبے پر دونوں فریق کے ذمہ دار حضرات نے طے کیا ہے کہ دونوں فریق کے علماء کو ایک جگہ جمع کیا جائے اور دونوں فریق کے ترجمان آمنے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اپنے مذہب کا حق ہونا ثابت کریں۔

فریقین کی موجودگی میں کسی کو بھی کسی کے خلاف جھوٹا الزام عائد کرنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ اس طرح دونوں فریق کے وکیلوں کی بحث سے عوام یقیناً اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ کون صحیح ہے اور کون غلط ہے۔

اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے حضرت نے ارشاد فرمایا ——— احمد آباد کے مسلمانوں کی دعوت پر ہم اور ہماری جماعت کے علماء اپنے مذہب کی وکالت کرنے کے لئے یہاں حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ مناظرے پر آپ کیطرف سے پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ آپ کے پاس ہمارے علماء و عمائدین کا وفد اسی لئے حاضر ہوا ہے کہ آپ سے باصرار تمام گذارش کرے کہ آپ پابندی اٹھا لیجئے اور دونوں فریق کو مجمع عام میں اپنی اپنی بات پیش کرنے کا موقعہ عنایت فرمایئے۔

حضرت شیر بیشۂ سنت کی اس گذارش کے جواب میں ڈی ایم صاحب نے کہا۔

" میرے پاس شہر کے انتظامیہ کے کارپردازوں کی طرف سے برابر یہ اطلاع موصول ہو رہی ہے کہ دونوں فریق کے عوام کے درمیان زبردست اشتعال ہے۔ اگر انہیں ایک جگہ جمع ہونے کا موقع دیا جائے تو نقض امن کا سخت اندیشہ ہے۔ اس لئے شہر میں امن و امان کی بحالی کے مسئلے کو سامنے رکھتے ہوئے اسطرح کے اجتماع کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔"

حضرت شیر بیشۂ سنت نے ڈی ایم صاحب کے اس جواب پر اپنے رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

" آپ جیسے دانشمند اور تجربہ کار منتظم کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ کسی بیمار کی تکلیف کے ازالہ کے لئے یہ طریقہ اگر عقل و حکمت کا تقاضا پورا کرتا کہ اسے زہر کا انجکشن دے کر موت کی نیند سلا دیا جائے کہ نہ بیمار رہے نہ بیماری تو حکومت کی طرف سے شفاخانوں کے قیام، معالجین کی تقرری اور علاج کے وسائل کی فراہمی کی کوئی ضرورت نہیں تھی ———

اسی طرح عوام کے شہری حقوق پر پابندی عائد کر کے اگر امن و امان کا مسئلہ حل کیا جائے تو پولیس، فوج اور عدالتوں کی ضرورت بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

اس لئے میں آپ سے پھر گذارش کرتا ہوں کہ آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی فرمائیں اور یہاں کے عوام کے مذہبی اور شہری حقوق پر پابندی عائد کرنے کی بجائے آپ ایک بیدار مغز اور باہمت منتظم کی طرح امن و امان کی بحالی کے لئے اپنے انتظامی وسائل سے کام لیں۔ اور دونوں فریق کو قانون کا پابند رکھنے کے لئے اپنے آئینی اختیارات استعمال میں لائیں ———۔

شیر بیشۂ سنت کے اس جواب سے ڈی ایم صاحب بہت زیادہ متاثر ہوئے اور ان کے حسن استدلال اور پیرایۂ بیان کی تعریف کرتے ہوئے انھوں نے ایک معذرت خواہ کے انداز میں جواب دیا

"آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں کہ کسی بھی ضلع منتظم کے اختیارات ریاست کے سربراہ کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ وزیر اعلیٰ کے دفتر سے مجھے بار بار یہ ہدایت موصول ہو رہی ہے کہ مناظرے کی اجازت کسی حال میں بھی نہ دی جائے۔ اسلئے میں اس حکم کے خلاف ورزی کرنے سے معذور ہوں۔"

گفت گو ختم ہو جانے کے بعد جب ہم لوگ ڈی ایم صاحب کے چیمبر سے باہر نکلے تو دیکھا کہ دیوبندی مولویوں کا ایک وفد کانگریسی لیڈروں کے ساتھ انتظار میں کھڑا ہے۔

ڈی ایم صاحب کے ساتھ ایک قانون داں کی طرح ان کی گفتگو سن کر ہمیں اندازہ ہوا کہ دستور کی زبان پر انھیں قدرت حاصل ہے۔ قیام گاہ پر پہنچنے کے بعد شہر کے لوگوں نے بتایا کہ مناظرے کے نام پر مختلف مقامات سے جو دیوبندی مولوی آئے تھے، ان میں سے بہت سے لوگ اپنے مستقر کیطرف واپس لوٹ گئے ——۔

اسی دن شام کو اہلسنت کیطرف سے جشن فتح کا جلسہ ہوا۔ سوء اتفاق سے اس دن ہندوؤں کی دیوالی بھی تھی۔ حضرت سحبان الہند مولانا ابوالوفا فصیحی جب تقریر کیلئے کھڑے ہوئے تو انھوں نے یہ شعر سنایا جسے فی البدیہہ موزوں کیا تھا۔

اللہ رے کس شیر سے اب پڑ گیا پالا!
ہندو کی دیوالی ہے وہابی کا دیوالا

دوسرے دن صبح کو معلوم ہوا کہ غیر معینہ مدت کے لئے احمد آباد کے میونسپل ایریا میں دفع ۱۴۴ کے نفاذ کا اعلان شہر میں ہو رہا ہے۔ اس اعلان کے نتیجے میں جلسہ وجلوس پر بھی پابندی عائد کر دی گئی ——. اس لئے دوسرے دن اہل سنت کے مناظرین بھی اپنے اپنے مستقر کے لئے روانہ ہو گئے۔

جمشید پور کا آخری سفر

ایک عرصہ دراز سے جمشید پور کے مسلمانان اہلسنت حضرت شیر بیشہ سنت کے دیدار کے مشتاق تھے۔ کئی خطوط کے بعد جب حضرت پر واضح ہو گیا کہ دینی ضرورت کے تحت یہ سفر ضروری ہے تو انھوں نے میری دعوت کو شرف قبول بخشا اور وہ جمشید پور تشریف لائے۔ اور اہلسنت کے ایک عظیم الشان جلسہ کو خطاب فرمایا۔ شہر کے علاوہ دور دراز خطوں سے بھی ہزاروں کی تعداد میں مشتاقانِ دید کا اجتماع ہوا۔ علالت کے باوجود حضرت نے ایسی ایمان افروز اور باطل سوز تقریر فرمائی کہ مہینوں جمشید پور کے گلی کوچوں میں حضرت کی اس تقریر دلپذیر کا چرچا رہا۔

جیسے ہی جمشید پور میں حضرت کی تشریف آوری کی خبر اشتہارات و اخبارات کے ذریعہ مشتہر ہوئی، جنوبی بہار میں ایک دھوم مچ گئی —— دھنباد کولی فیلڈ کی سنی تنظیموں اور جماعتوں کی طرف سے خطوط پر خطوط اور وفود پر وفود میرے پاس جمشید پور آنا شروع ہو گئے کہ کولی فیلڈ کے لئے کوئی تاریخ دی جائے —— چنانچہ جمشید پور سے فارغ ہو کر حضرت شیر بیشہ سنت کارواں کے قافلے کے ساتھ دھنباد تشریف لے گئے۔ یہ فقیر بھی شریک سفر تھا۔ جلسہ میں جھریا کولی فیلڈ کے سارے علاقوں سے عاشقان رسول کا ایک سیلاب امنڈ آیا تھا ——.

حضرت نے وہاں ایسی پُر جوش اور ایمان افروز تقریر فرمائی کہ جھریا کولی فیلڈ کی سیاہ زمین پر نور برسنے لگا ——. تقریر ایسی دلپذیر تھی کہ بہت دنوں تک وہاں کی فضاؤں میں حضرت کی آواز گونجتی رہی دھنباد سے حضرت پیلی بھیت کے لئے روانہ ہو گئے اور میں جمشید پور واپس لوٹ آیا اس لحاظ سے حضرت شیر بیشہ سنت کا یہ سفر تاریخی تھا کہ ان کے اصلاحی اور تبلیغی مشن کا یہ بالکل آخری سفر تھا۔ رضی المولیٰ تعالےٰ عنہ وعن سائر المومنین ——۔

ایک چبھتا ہوا سوال اور اس کا جواب

میرا یہ پیش لفظ پڑھنے کے بعد ہر خالی الذہن شخص کے دماغ کی سطح پر یہ سوال ضرور اُبھرے

گا کہ ہندوستان میں دیوبندی فرقے کے علاوہ اور بھی بہت سارے باطل فرقے ہیں، لیکن کیا وجہ ہے کہ کسی اور فرقے کے خلاف علمائے اہلسنت اس طرح صف آرا نظر نہیں آتے جیسی صف بندی اُن کے یہاں اہل دیوبند کے مقابلے میں نظر آتی ہے۔

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بحمدہ تعالےٰ علمائے اہل سنت نے ہر باطل فرقے کے خلاف تحریر وتقریر اور بحث ومناظرہ کے ذریعہ ردوابطال کے فرائض جس گرم جوشی اور دیانتداری کے ساتھ انجام دیئے ہیں وہ مہر نیمروز کیطرح روشن ہیں۔ دین حق کے خلاف اُٹھنے والے فتنے کی سرکوبی کے سلسلے میں ہم نے کبھی اہل زمانہ کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کیا ہے۔ شیعوں، قادیانیوں اور غیر مقلدین وغیرہ کے رد میں امام اہلسنت اعلحضرت فاضل بریلوی کے بہت سارے رسائل لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ اُن کے بعد اُن کے خلفاء، تلامذہ اور متوسلین ومتبعین نے تحریرات وخطبات کے ذریعہ جو خدمات انجام دی ہیں ان کے اثرات سے زمین کا کوئی خطہ بھی خالی نہیں ہے ——— ایسی بات ہرگز نہیں ہے کہ دوسرے فرقہائے باطلہ کے لئے کوئی نرم گوشہ ہمارے دلوں میں موجود ہے۔——

دیوبندی فرقے کیخلاف شدّت پسندی کی وجوہات

اب رہ گئی یہ بات کہ دیوبندی فرقے کے خلاف علمائے اہلسنت کا رویّہ اتنا سخت کیوں ہے تو اس کی متعدد وجوہات ہیں۔ جنھیں ٹھنڈے دل سے پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔——

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ جن کفریات وضلالات کی وجہ سے دیوبندی فرقے کے ساتھ ہمارا بنیادی اختلاف ہے ان کا تعلق عقائد سے ہے اور وہ عقائد یا تو اُن کے دلوں میں ہیں یا انکی کتابوں کے اوراق میں چھپے ہوئے ہیں۔ اب جہانتک عمل کا تعلق ہے تو وہ بھی اپنے آپکو حنفی کہتے ہیں۔ ظاہر میں بالکل ہماری ہی طرح وہ بھی نماز پڑھتے ہیں، بالکل ہماری ہی طرح وہ بھی اذان دیتے ہیں، بالکل ہماری ہی وہ بھی تراویح پڑھتے ہیں، بالکل ہماری ہی طرح وہ بھی عیدین کی نماز پڑھتے ہیں۔ ظاہری سطح پر اُن کے ظاہر میں کوئی ایسی واضح

علامت موجود نہیں ہے جس کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو ان کی شناخت ہو سکے۔ اس لئے ان کے متعلق عوام کا غلط فہمی میں مبتلا ہونا بالکل یقینی امر ہے۔ اسی بنیاد پر یہ ضرورت داعی ہوئی کہ عقیدے کی سطح سے عوام میں اُن کا اتنا واضح تعارف کرا یا جائے کہ انھیں پہچاننے میں کوئی دشواری پیدا نہ ہو۔

لیکن جہاں تک شیعوں کا تعلق ہے تو جہاں انھوں نے اذان دی یا نماز کی نیت باندھی تو فوراً پتہ چل گیا کہ یہ اور ہیں اور ہم اور ہیں۔ یہی حال غیر مقلدین کا بھی ہے۔ ان کی فرض نمازیں، ان کی وتر، اور ان کی تراویح اور ان کی عیدین نمازیں چیخ چیخ کر عوام کو تنبیہ کر دیتی ہیں کہ یہ دوسرے مذہب کے لوگ ہیں۔ اس لئے عوام کو ان سے خبردار کرنے کی اتنی سخت ضرورت نہیں ہے جتنی سخت ضرورت عوام کو دیوبندی فرقے سے بچانے کی ہے۔

دیوبندی حضرات سُنّی عوام کو کس طرح بدعقیدہ بناتے ہیں؟

یہ گھس پیٹھیے ہیں جو ہماری صفوں میں گھس کر اور ہمارا بن کر ہمارے عوام کو مختلف ترکیبوں سے قریب کرتے ہیں۔ اور جب وہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارا تیر نشانے پر بیٹھ گیا تو وہ مختلف طریقوں سے انھیں اپنی جماعت کے اکابر کا عقیدتمند بناتے ہیں۔ اور اس کے بعد انھیں اتنا بدل دیتے ہیں کہ وہ اہلسنت کے ان سارے عقائد وروایات جنھیں وہ ایمان کیطرح عزیز رکھتے تھے اب شرک وبدعت سمجھنے لگتے ہیں۔ اور کچھ دنوں کے بعد ان کے دلوں پر بدبختیوں کی ایسی مہر لگ جاتی ہے کہ نہ وہ قرآن کی کوئی بات سنتے ہیں اور نہ حدیث کی ——— واضح رہے کہ یہ ساری باتیں میں مفروضے کے طور پر نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ یہ ہمارے دن رات کے مشاہدات ہیں۔ ان حالات میں اہلسنت کے سادہ لوح عوام کو انبیاء واولیاء کی جناب میں بدعقیدہ ہونے سے بچانے کیلئے ہمارے پاس سوا اسکے اور کیا راستہ ہے کہ ہم اپنے عوام کو دیوبندیوں کے عقائد اور ان کے مکروفریب کے ہتھکنڈوں سے پوری طرح باخبر رکھیں۔——

دوسری وجہ دیوبندی مذہب کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت پوری طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ قرآن حکیم میں منافقین مدینہ کی جو خصلتیں بیان کی گئی ہیں، اُن ساری خصلتوں کے حقیقی وارث ہیں۔ مثال کے

طور پر منافقین کے پاس دوزبانیں تھیں۔ ایک زبان تو وہ تھی جو صرف ان کے اپنے لوگوں میں کھلتی تھی۔ اور دوسری زبان وہ تھی جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کے سامنے کھولتے تھے ——۔ قرآن نے ان کی اس خصلت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ ۝

اور جب وہ نبی کے جانثاروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی تمہاری ہی طرح جاں نثار ہیں اور جب تنہائی میں اپنے شیاطین کے ساتھ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو حقیقت میں تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو صحابہ کے ساتھ صرف مذاق کر رہے تھے

ٹھیک یہی حال دیوبندی فرقے کا بھی ہے۔ ان کے پاس بھی دو زبانیں ہیں۔ ایک زبان تو وہ ہے جو انبیاء، اولیاء کے وفاداروں اور عقیدت مندوں کے سامنے کھلتی ہے اور دوسری زبان وہ ہے جس زبان میں وہ اپنے گروہ کے لوگوں سے باتیں کرتے ہیں۔

عقیدہ و عمل کے تضاد کا ایک دلچسپ قصہ

اس کی زندہ مثال دیکھنی ہو تو آپ دہلی تشریف لائیے۔ یہاں جمیل الیاسی نام کے ایک مشہور شخص ہیں جو اپنی پیدائشی سرشت و خمیر کے اعتبار سے کٹر دیوبندی و تبلیغی ہیں۔ ان کے نام کے ساتھ "الیاسی" کا پیوند ہی ان کے اندر کا سارا حال بتا دیتا ہے۔ ایک طرف دہلی میں وہ دیوبندیت و تبلیغیت کے اتنے سرگرم مبلغ ہیں کہ شاید ہی دہلی میں کوئی مسجد بچی ہو جسے دہلی وقف بورڈ اور وقف کونسل ممبر ہونے کی حیثیت سے انھوں نے تبلیغی جماعت کی چھاؤنی میں تبدیل نہ کر دیا ہو۔

لیکن اب ان کی تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیے اور سر پیٹئے کہ دہلی کے بائیس خواجگان کی شاید ہی کوئی ایسی درگاہ ہو جہاں عرس کے موقعہ پر وہ پیش پیش نہ رہتے ہوں۔ شری راجیو گاندھی جب پہلی بار وزیر اعظم ہوئے تو ان کی چادر لیکر یہی حضرت اجمیر شریف گئے اور ان کیطرف سے خواجہ کے مزار شریف پر چڑھایا ——۔

اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ قصہ یہ ہے کہ جس زمانے میں شریمتی اندرا گاندھی وزارت عظمیٰ

کی کرسی سے اتار دی گئی تھیں اور اپنی ناکامی کے کرب میں زندگی گذار رہی تھیں تو خوش آئند مستقبل کی نشاندہی کرنے والے جوتشیوں کیطرح یہ حضرت بھی ایک دن وہاں پہنچ گئے اور اندرا گاندھی سے کہا کہ دنیا میں صرف ایک ہی ذات ہے جو آپ کا گیا ہوا تخت و تاج واپس دلا سکتی ہے۔ اور وہ ہے غوثِ اعظم کی ذات جن کا مزار مبارک بغداد شریف میں ہے ——۔

اندرا گاندھی کو اور کیا چاہیئے تھا فوراً بغداد شریف کے سفر کا انتظام کرا دیا۔ اور یہ بغداد شریف کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہاں مزار شریف پر پندرہ دن تک چلہ کش رہے۔ اور واپس آکر اندرا گاندھی کو خوشخبری دی کہ وہاں مجھے مزار شریف سے بشارت ہوئی ہے کہ نو مہینے کے بعد آپ کے دن پلٹ آئیں گے ——۔

انصاف کیجئے ! اپنے عقیدے کے ساتھ اتنی زبردست جنگ سوائے دیوبندی فرزندوں کے اور کون لڑ سکتا ہے ——۔ دیوبندی زبان کے محاورے میں قبروں کی پرستش بھی کرتے رہے اور مشرک بنانے والوں کو اپنا امام بھی مانتے رہے ——۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ ایسے لوگوں سے بچنا کتنا مشکل ہے جن کے کئی چہرے ہیں۔ دیوبند اور سہارنپور میں کچھ ہے اور بغداد و اجمیر چلے گئے تو کچھ اور بن گئے !

دیوبندی مذہب کا ایک اور جنازہ

جن حضرات نے "تقویۃ الایمان" اور "بہشتی زیور" کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ علمائے دیوبند کے نزدیک قبروں سے مدد مانگنا شرک جلی ہے، لیکن اپنے گھر کے بزرگوں کی قبروں کے بارے میں وہ کیا عقیدہ رکھتے ہیں، اُسے سہارنپور کے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی کتاب "تاریخ مشائخ چشت" میں ملاحظہ فرمائیے۔

اپنی اس کتاب میں وہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے پیر و مرشد میاں جی نور محمد جھنجھانوی کے سفرِ آخرت کا ذکر کرتے ہوئے حاجی صاحب کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ اپنے مرض الموت میں ان کے پیر و مرشد نے ارشاد فرمایا کہ ——۔

میرا ارادہ تھا کہ تم سے مجاہدہ و مشقت لوں گا لیکن مشیت باری سے کوئی چارہ

نہیں۔ پیام سفر آخرت آگیا ہے۔ جب حضرت نے یہ کلمات فرمائے تو
میں پالکی کی پٹی پکڑ کر رونے لگا۔ حضرت نے تسلی دی اور فرمایا کہ فقیر
مرتا نہیں بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے۔
فقیر کی قبر سے وہی فائدہ ہوگا جو ظاہری زندگی میں ہوتا تھا" (ص ۲۰)

میاں جی نور محمد کی قبر سے متعلق ایک عبارت ان کی سوانح حیات سے بھی ملاحظہ فرمائیے
جو ادارہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون سے شائع ہوئی ہے۔ اور جس پر قاری طیب صاحب مہتمم
دارالعلوم دیوبند کی تقریظ ہے۔ مصنف کتاب لکھتے ہیں کہ ـــــ

" حضرت میانجیو رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بھی آپ کی روح پُر فتوح
سے وہی فیضان وعرفان کا چشمہ جاری اور آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کے
مزار مقدس سے بھی وہی فیوض وبرکات حاصل ہوتے ہیں جو آپکی ذات
قدسی صفات سے ہوتے تھے"۔ (سوانح حیات میانجیو ص ۸۰)

اب اس دعوے کے ثبوت میں کہ ان کے انتقال کے بعد ان کی قبر سے بھی وہی فائدہ ہوتا
ہے جو ان کی ظاہری زندگی میں ہوتا تھا، ان کی سوانح حیات کے مصنف نے یہ واقعہ نقل کیا ہے
کہ ـــ " ایک بار حاجی امداد اللہ صاحب نے فرمایا کہ میرے حضرت کا ایک جولاہا مرید
تھا۔ بعد انتقال حضرت کے مزار پر حاضر ہوا۔ اور فاتحہ کے بعد اس نے
عرض کی کہ حضرت میں بہت پریشان اور تنگیٔ معاش میں مبتلا ہوں میری
کچھ دستگیری فرمائیے۔ حکم ہوا کہ تم کو ہمارے مزار سے دو آنے روز ملا کریں گے۔
ایک مرتبہ میں زیارت کو گیا وہ شخص بھی حاضر تھا اس نے کل
کیفیت بیان کر کے کہا کہ مجھے ہر روز وظیفۂ مقررہ قبر کی پائینتی سے ملا کرتا
ہے" ـــــ (سوانح میانجیو ص ۹۷)

انصاف کیجئے! دیوبندی فرقے کی مشہور کتابوں تقویۃ الایمان، بہشتی زیور اور فتاویٰ
رشیدیہ میں نہایت صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ کسی قبر پر حاضر ہو کر مدد مانگنا اور مصیبتوں

میں ان سے دستگیری کی درخواست کرنا صریح شرک ہے۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس واقعہ
میں شرک کا وہ سارا فتویٰ ایمان کے لباس میں تبدیل ہوگیا۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے! کہ جس فرقے کے چہرے پر نفاق کے اتنے دبیز پردے
ہوں کہ اپنے ہی مذہب کے عقیدے چھپا لیں اس کی پہچان کتنی مشکل ہے۔

دیوبندی فرقے کے اسی دورنگی مذہب کے مفاسد سے بچانے کیلئے علمائے اہلسنت
کو ضرورت پیش آئی کہ عوام کو ان کے حقیقی چہرے کے خدوخال سے بار بار واقف کرائیں تاکہ وہ ان
کے فریب میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں۔

بدعت کی بحث

دیوبندی فرقے کے یہاں بدعت کا لفظ بھی بہت کثیر الاستعمال ہے۔ بات بات پر
اہلسنت کو بدعتی کہنا ان کی عام بول چال ہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے اہلسنت کا نام ہی بدعتی
رکھ دیا ہے۔ جیسا کہ اپنی اسی کتاب تاریخ مشائخ چشت میں مولانا زکریا نے حاجی امداد اللہ صاحب
کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ـــــ

" میں کسی کو بیعت کرنے سے اس لئے انکار نہیں کرتا کہ وہ شخص کسی
بدعتی کے پنجے میں نہ گرفتار ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ سے مواخذہ
فرماویں کہ وہ تمہارے پاس گیا تھا تم نے کیوں رد کر دیا جس کی وجہ سے
وہ ایسی جگہ پھنسا ـــــ"۔ (تاریخ مشائخ چشت ص ۲۶۶)

اس عبارت کا مطلب سوا اس کے اور کیا نکلتا ہے کہ حاجی صاحب چونکہ دیوبندیوں کے
پیر ومرشد ہیں اس لئے تنہا وہی سنت کے طریقے پر ہیں باقی دوسرے مشائخ طریقت تو سرتا
سر بدعتی ہیں۔

اب اسی مقام پر تصویر کا دوسرا رُخ بھی آپ کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت محسوس
کرتا ہوں۔ اسی کتاب میں مولانا زکریا نے لکھا ہے کہ حاجی صاحب نے اپنے پیر ومرشد میانجی

نور محمد جھنجھانوی کے مزار پر پتھر کا ایک کتبہ نصب کیا ہے جس پر یہ اشعار کندہ ہیں۔

شہرِ جھنجھانہ ہے اک جائے ہدلے مسکن وماویٰ ہے جس جا آپ کا
مولیٰ پاک آپکا ہے اور مزار اُس جگہ تو جان لے اے ہوشیار
اس جگہ ہے مرقدِ پاک جناب سَر جُھکاتے ہیں سب شیخ وشاب
جس کو ہو شوق دیدارِ خدا اُن کے مرقد کی زیارت کو وہ جا
دیکھتے ہی اس کے مجھکو ہے یقیں اُس کو ہو دیدار رَبّ العٰلمیں

غور فرمائیے! مرقد پاک کی زیارت کرنے کے لئے جانا اور مرقدِ پاک کے دیدار سے رب العٰلمین کا دیدار کرنا کیا ساری باتیں دیوبندی مذہب میں جائز ہیں؟ مولانا زکریا سے لے کر دیوبندی فرقے کے سارے اصاغر واکابر کو میں چیلنج کرتا ہوں کہ تقویۃ الایمان، بہشتی زیور، اور فتاویٰ رشیدیہ میں بیان کردہ عقائد کی روشنی میں وہ ثابت کریں کہ یہ اشعار دیوبندی مذہب کے مطابق ہیں۔ لیکن بات پھر وہیں پلٹ کر آتی ہے کہ یہ عمل چونکہ اپنے گھر کے بزرگ کا ہے اس لئے آنکھ بند کر کے اُسے جائز ماننا ہی پڑے گا۔

اپنے بزرگوں کی خاطر اصولوں کا خون کرنا دیوبندی فرقے کا یہی وہ دورنگی مذہب ہے جس کا پردہ چاک کرنے کے لئے علمائے اہلسنت کو کتابیں بھی لکھنا پڑیں، مناظرہ بھی کرنا پڑا اور اسی کلمۂ حق کو اپنی زندگی کا مشن بھی بنانا پڑا۔

کچھ اِس کتاب کے مصنّف کے بارے میں

اپنے پیش لفظ کے آخری مرحلے میں اِس عظیم الشان کتاب کے مصنّف حضرت مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مدظلہ، کے متعلق بھی کچھ لکھنا اپنے قلم کا واجبی حق سمجھتا ہوں۔ موصوف ہماری جماعت میں قدیم وجدید علوم وفنون کے مجمع البحرین ہیں۔ تدریس، تقریر اور تحریر تینوں اصناف میں وہ امتیازی شان کے حامل ہیں۔ ایشیاء کی شہرۂ آفاق درسگاہ اَلْجَامِعَۃُ الْاَشْرَفِیَہ

مبارک پور سے انھوں نے سند فراغ حاصل کیا اور مادی وسائل کے بغیر خود اپنی محنت وہمّت کے بل پر انھوں نے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں کئی سال رہ کر اپنے لئے ایک نئے مستقبل کی تعمیر فرمائی ——.

وہاں سے عربی زبان وادب میں ایم اے، ایم فل کرنے کے بعد انھوں نے ایک اہم موضوع پر پی ایچ ڈی کیا۔ اور ایک محقق کی حیثیت سے وہ ملک کے دانشوروں کے سامنے آتے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے شعبۂ دینیات (سُنّی) میں تقریبًا چار سال تدریسی فرائض انجام دیئے۔ اب وہ جامعہ ہمدرد نئی دہلی کے شعبہ تقابلِ ادیان کے ایک نیک نام اور باوقار استاد کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

وہ کئی گرانمایہ کتابوں کے مصنّف ہیں۔ ان کا قلم نہایت شگفتہ اور نئے اسلوب تحریر کے جملہ محاسن سے آراستہ ہے۔ ان کے قلم کی سب سے عظیم خصوصیت یہ ہے کہ وہ پامال زمین پر قدم نہیں رکھتے، بلکہ اپنی خامہ فرسائی کے لئے اچھوتے موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں ——. ان کی مخصوص اندازِ تحریر کی جھلک اس کتاب کے ورق ورق پر آپ کو محظوظ کرے گی ——.

مبلّغ حق وصداقت، داعئ عشق ومحبت، حضرت شیر بیشۂ سنّت علیہ الرحمۃ والرضوان کی سوانح حیات پر اس سے پہلے بھی کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن جامعیت و تحقیق اور ترتیب وتعبیر کی جو دل آویزی اِس کتاب میں ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت مصنّف نے ایک صدی کی بکھری ہوئی تاریخ کے ملبے سے شیر بیشہ سنّت کی علمی، دینی، تبلیغی اور رُوحانی کارناموں کے مواد جس عرق ریزی اور حزم واحتیاط کے ساتھ جمع کئے ہیں وہ انہی کا حصّہ ہے۔ اِس عظیم اور بے مثال قلمی خدمت کے لئے وہ پوری جماعت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں ——.

اہلسنت میں اصحابِ ثروت کی کمی نہیں ہے۔ لیکن بمبئی کے سیٹھ الحاج احمد عمر ڈوسا صاحب کو اشاعت مذہب حق کے ساتھ جو والہانہ شیفتگی ہے وہ حد درجہ قابلِ

تحسین و پذیرائی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اپنے مرشدِ طریقت آقائے نعمت حضرت شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیفات و تحریرات اور ان کے علمی و دینی کارناموں کی نشر و اشاعت کا جو جذبۂ شوق ان کے دل میں مچلتا رہتا ہے اس کا زندہ ثبوت یہ کتاب ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کتاب کے ذریعے دین کا جو نفع بھی حاصل ہوگا اس کے ثواب میں مصنف اور معاون دونوں شریک رہیں گے۔

حضرت شیر بیشۂ سنت کے محاسن و کمالات کے بیان پر مشتمل اس گرانمایہ کتاب کے تعارف میں اپنا پیش لفظ اس شعر پر تمام کرتا ہوں ؎

ترے جمال کی زیبائیاں ادا نہ ہوئیں
ہزار کام لیا میں نے خوش بیانی سے

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَحِزْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

۱۷ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
۱۹ر جولائی ۱۹۹۲ء

(ارشد القادری غفرلہٗ)
بانی و مہتمم جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء
نئی دہلی

کلمۂ تقریب

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی
شیخ الحدیث دار العلوم شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ناتھ بھنجن (اعظم گڈھ) یوپی

کہتے ہیں کہ شیر بیشۂ سنت حضرت علامہ حشمت علیخاں لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ۸ر محرم ۱۳۸۰ھ کو دن میں دس بجے رحلت فرما گئے۔ ان کے ساتھ ایک قرن ختم ہوگیا، تاریخ کا ایک دور ان کے آنکھ بند کرتے ہی تمام ہوگیا اور ایک ہنگامہ پرور عالم ان کے ساتھ ہی ابدی نیند سوگیا۔ محبت رسول کی کتنی محفلیں سونی ہوگئیں، معاندین رسالت سے مجادلے او مناظرے کی کتنی بساطیں سرد پڑگئیں اور دنیائے ملت مرحومہ کی پاسبانی کرنے والے ایک چوکس دید ہمیشہ کیلئے یہاں سے محروم ہوگئی۔

آہ! ایک متبحر عالم نہیں رہا، ایک شب زندہ دار عابد نہیں رہا، ایک زبان داں مناظر نہ رہا، ایک زندہ دل صوفی نہ رہا، ایک عندلیب زمزمہ سنج نہ رہا، ایک دھاڑنے والا شیر نیستاں نہ رہا۔ بلکہ سچ پوچھو تو وہ کیا گیا آثار سلف کا ایک اور تاج محل ڈھے گیا۔ جب تک وہ رہا اپنوں کی سرد مہری، غیروں کی ایذا رسانی، دوستوں کی مہربانی اور دشمنوں کی عداوتوں کے طوفان میں مضبوط چٹان کیطرح جما رہا۔ وقت کا کوئی دھارا اس کے پائے ثبات میں لغزش نہ لاسکا۔ وہ اللہ و رسول جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے لڑتا رہا ان کی دسیسہ کاریوں کا راز فاش کرتا رہا اور عواقب و نتائج سے بے پرواہ کبھی کفر و طغیان سے صلح نہ کرسکا۔ بجلیاں چمکتی رہیں بادل گرجتے رہے طوفان آنکھ دکھاتا رہا اور مصائب و آلام نے بار بار جھنجھوڑا۔ لیکن اس کی زبان حق بیان سے شمع حقیقت کی لو کسی طرح نہ بجھی نہ تھرتھرائی ؎

ہزار بار نتائج سے ہو کے بے پرواہ،

اسی کا نام لیا جس کا نام لینا تھا

وہ جسکو خلوص قلب کے ساتھ حق سمجھتا رہا وہی کہتا رہا۔ چاہے دوست خفا ہوں یا دشمن ناراض، اپنے ساتھ چھوڑ دیں یا غیر نیزے سنبھالیں، خویش واقارب سرزنش کریں یا پرائے موت کا جام تیار کریں۔ اور عجب نہیں کہ اس کی اس ادا پر کل میدان محشر میں رحمت کو جوش آجائے اور پکار اٹھے ع

یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لئے ہے

خدا سمجھے مخالف پریس نے اپنی پوری طاقت صرف کر دی ہے اور باہری دنیا میں ڈھول پیٹ دی ہے کہ طبقہ اہل سنت وجماعت فسادی، مسلمانوں کی جماعت میں آگ بھڑکانے والا، اپنے حلوے مانڈے کی خاطر جلب منفعت اور حصول زر کے لئے اپنی ارادت وپیری کی دوکان چمکانے کے لئے مسلمانوں کو ملنے نہیں دیتا۔ اور ان میں کفر وفسق کی چنگاریوں سے آگ بھڑکاتا رہتا ہے اور اس کے ثبوت میں انھیں حضرت علامہ حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمہ کی ذات پر دعوی کی دلیل اور ہر جھوٹ کی شاہد بتائی جاتی ہے۔ اس پروپیگنڈے کے پیش نظر ہم تو سمجھتے ہیں کہ جب تنہا ایک شخص حصول زر کی خاطر غیر منقسم ہند کے تقریباً دس کروڑ منقسم ہند کے تقریباً چھ کروڑ مسلمانوں کو لڑاتا رہا تو کم از کم نواب حیدر آباد جتنا مالدار ضرور ہو گیا ہوتا، آغا خاں یا ملا طاہر جتنا سرمایہ دار تو ضرور ہو گا۔ اگر حصول زر کا یہ طریقہ اتنا ہی کامیاب ہے تو ہر شہر میں اسکی کوٹھیاں ہوں گی اور ہر علاقہ میں اس کی عشرت گاہیں۔ لیکن یہ کتنی دردناک حقیقت ہے کہ جب اُن کا وصال ہوا تو وہ اپنی معیشت سے تنگ تھے اور ان پر کافی قرض لدا ہوا تھا۔ اور وہ اپنے بچوں کو تحریر کرتے ہیں۔

" عزیزو! طویل علالت کے سبب بالکل تنگ ہو گیا ہوں اور آمدنی محدود سے محدود، تم لوگ کسی طرح گذر بسر کرو اور تعلیم حاصل کرو"

جب کہ دوسری طرف کتنے شیخ الاسلاموں، امن کے علمبرداروں اور ملت کے خیر خواہوں،

حکیموں کی موت وحیات میں بغیر کسی مادی سبب کے روپیوں کی ریل پیل اور سرمایوں کا انبار ہے۔ جسکے سہارے عظیم کوٹھیوں اور طویل خانقاہوں کا جال بچھا ہوا ہے اور حضرت کے قدم جہاں پہونچ جاتے ہیں ایک نئی بلڈنگ جنم پالیتی ہے۔ نہ معلوم یہ کونسا خفیہ دست غیب ہے کہ یہ بدنام فسادی بے چارہ بقول معاندین زندگی بھر حصول زر کیلئے لوگوں کو لڑاتا رہا۔ لیکن وفات پائی تو معلوم ہوا کہ ہاتھ خالی ہے۔

اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ الزام تراشیوں سے قطع نظر ہم ان کی تحریک کا مبصرانہ جائزہ لیں۔ آیا واقعی ان کا پیغام غیر مفید اور باعث ضرر تھا یا اسلامی تنظیم کا ایک ناگزیر عمل تنقید ہے جس کے بغیر کوئی جماعت زندہ نہیں رہ سکتی اور کوئی حق باطل میل سے نہیں بچ سکتا۔ مولانا علیہ الرحمہ اپنی ساری زندگی مشہور ومعروف بتان محراب ومنبر کے خلاف جدوجہد کرتے رہے۔ جو تقدیس کے گنبد میں بیٹھ کر ایک طرف تو اسلام کی عزت اس کے ناموس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت سے کھیلتے ہیں۔ ان کا قلم مذہبی عیاشیوں میں مبتلا اور دماغ فکری بے راہ رویوں سے داغدار رہا۔ دوسری طرف بزعم خویش مذہبی سربراہی اور قیادت دینی کے بھی دعویدار تھے اور بدقسمتی سے عوام وخواص کی ایک بھیڑ بھی ان کے ساتھ اردگرد جمع ہو گئی تھی جو ان کا ہر مصرع اٹھاتی اور ہر شعر پر گرہ لگاتی۔ مولانا علیہ الرحمہ نے اس پورے طائفہ کیخلاف دین ودیانت کی پوری ذمہ داری کے ساتھ ایک مقدس تحریک جاری رکھی اور پوری شدت کے ساتھ یہ ظاہر کرتے رہے کہ دین میں نئی راہ نکال کر یہ لوگ خود دین سے نکل گئے ہیں۔ خدا اور رسول کی بغاوت کر کے اسلام کے دائرے سے الگ ہو گئے ہیں۔ اس لئے مسلمان ان گمراہوں سے آگاہ رہیں ان سے رسم وراہ نہ بڑھائیں اُن سے تعلقات مہر ومحبت نہ قائم کریں ان سے شادی بیاہ نہ کریں ان کو اپنے سے الگ رکھیں کہیں وہ اپنی بیماری صحت مند مسلمانوں میں نہ پھیلا دیں، کہیں یہ لوگ گمراہی کے جراثیم صحیح العقیدہ مسلمانوں میں بھی نہ داخل کریں۔

(ماخوذ از فیض الرسول)

شیر بیشۂ سنت ایک نظر میں

ولادت	۱۳۱۹ھ	۱۹۰۱ء
تکمیل حفظ قرآن	۱۳۲۹ھ	۱۹۱۱ء
تکمیل تجوید	۱۳۳۵ھ	۱۹۱۷ء
منظر اسلام بریلی میں داخلہ	۱۳۳۵ھ	۱۹۱۷ء
بریلی میں رہائش	۱۳۳۶ھ	۱۹۱۸ء
پہلا مناظرہ (ہلدوانی)	۱۳۳۸ھ	۱۹۲۰ء
اعلیٰحضرت کے ساتھ بھوالی کا سفر	۱۳۳۹ھ	۱۹۲۱ء
دستار فضیلت اور منظر اسلام میں مدرسی	۱۳۴۰ھ	۱۹۲۲ء
شردھانند کے بالمقابل اعلان صداقت	۱۳۴۲ھ	۱۹۲۴ء
مناظرۂ راندیر اور شیر بیشۂ سنت کا خطاب	۱۳۴۴ھ	۱۹۲۶ء
دوسری شادی	۱۳۴۵ھ	۱۹۲۷ء
علاقہ ناسک میں تبلیغی دورہ	۱۳۴۶ھ	۱۹۲۷ء
پیلی بھیت میں مستقل سکونت	۱۳۴۷ھ	۱۹۲۸ء
دورۂ رنگون	۱۳۴۹ھ	۱۹۳۱ء
چندوسی کا فیصلہ کن مناظرہ	۱۳۵۰ھ	۱۹۳۲ء
والد ماجد کا سفر آخرت	۱۳۵۱ھ	۱۹۳۳ء
مناظرہ ادری و لاہور	۱۳۵۲ھ	۱۹۳۴ء
مناظرۂ ملتان	۱۳۵۳ھ	۱۹۳۵ء
مناظرہ گیا	۱۳۵۴ھ	۱۹۳۶ء
قاضی رفعت اللہ سے فقہی مباحثہ	۱۳۵۵ھ	۱۹۳۷ء
مناظرہ نانپارہ	۱۳۵۶ھ	۱۹۳۸ء
فیض آباد کورٹ کا مقدمہ	۱۳۴۶ھ	۱۹۴۶ء
شیشن جج کا فیصلہ اور نمایاں فتح	۱۳۶۶ھ	۱۹۴۸ء
دار العلوم مسکینیہ کی صدر مدرسی	۱۳۶۸ھ	۱۹۴۹ء
پہلا سفر حج	۱۳۷۰ھ	۱۹۵۱ء
دوسرا سفر حج	۱۳۷۷ھ	۱۹۵۷ء
دعوت طعام میں زہر	۱۳۷۹ھ	۱۹۵۹ء
وصال	۱۳۸۰ھ	۱۹۶۰ء

پہلا باب

ذاتی حالات

حیات

تاریخ کے اوراق کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ترقی پذیر دنیا میں نہ جانے کتنے لوگ آئے اور چلے گئے۔ کتنی نسلیں وجود میں آئیں اور فنا ہو گئیں گل و بوٹے کھلے اور مرجھا گئے موسم بہار آیا اور خزاں کا شکار ہو گیا۔ الغرض بہم گردش لیل و نہار سے یہ منکشف ہوتا ہے کہ ہر روز نہ کا سورج نئی حیات اور نئی زندگی لے کر طلوع ہوتا ہے۔ اور اپنا سفر طے کرنے کے بعد نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ نتیجۃً تاریکی مسلط ہو جاتی ہے۔ عالم پر سناٹا طاری ہو جاتا ہے اور ہر متنفس دن کی دوڑ دھوپ سے تھک ہار کر آرام سے سو جاتا ہے۔

لیکن اسی دنیا میں کچھ ایسے بھی لوگ پائے گئے جنھوں نے نہ دن کو دن اور نہ رات کو رات سمجھا۔ اپنے جہد مسلسل سے زمانہ کے رُخ موڑ گئے۔ زمانہ کی رفتار پر خود چلنے کے بجائے زمانہ خود ان کے تابع و فرمانبردار ہو گیا۔ تاریکی کیطرف رخ کیا روشنی پھیل گئی، صحراہیں قدم رکھا ہزاروں بہاریں قربان ہونے لگیں زبان کھولی تو تحریکوں نے جنم لیا۔ ان کا ہر نشانِ قدم پچھلوں کیلئے مشعل راہ بنا، ان کا ہر عمل قابل تقلید قرار پایا، ان کی ہر ادا نقش ہدایت ثابت ہوئی ایسی چیدہ و چنیدہ شخصیتیں صدیوں میں جنم لیتی ہیں۔ چودھویں صدی ہجری میں جن عبقری شخصیتوں نے جنم لیا اور اپنے کارناموں اور خداداد صلاحیتوں سے زمانہ اور اہل زمانہ کو انگشت بدندان کر دیا۔ انہی جلیل القدر شخصیات میں شیر بیشۂ سنت حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی کا نام نامی اور اسم گرامی بھی ہے۔

شہر لکھنؤ سے جانب مشرق چند میل کے فاصلے پر ایک مشہور قصبہ "امیٹھی" ہے جہاں ایک بزرگ آسودۂ خواب ہیں۔ جن کا نام نامی حضرت بندگی میاں (علیہ الرحمہ) ہے انہی کی امیٹھی کی مناسبت سے اس قصبہ کو امیٹھی کہا جاتا ہے۔ ایک زمانے میں وہاں سے عبقری علماء نے جنم لیا ہے۔ چنانچہ سلطان اورنگزیب عالمگیر (م ۱۱۰۷ھ) کے استاذ حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ جو علم و فضل میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اس مردم خیز قصبہ میں پیدا ہوئے

شیر بیشۂ سنت کا خاندان وہیں پروان چڑھا۔ اس قصبہ میں اُنکی ایک ممتاز حیثیت تھی۔ اسی مردم خیز قصبہ کے متدین آفریدی النسل گھرانے میں ۱۳۱۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

"محمد حشمت علی خاں بن ابو الحفاظ نواب علیخاں بن جناب محمد حیات خاں بن جناب محمد سعادت خاں بن محمد خاں علیہم الرحمۃ والرضوان

مکمل سلسلہ نسب نہ حاصل ہو سکا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ بقول آپکے والد ماجد ۱۸۵۷ء کے غدر کے ہنگاموں میں دادی صاحبہ مرحومہ کے پاس سب کاغذات شجرہ نسب و آراضی و معافیات و نقشہ جات تلف ہو گئے۔ مورث اعلیٰ محمد خانصاحب آفریدی درۂ خیبر سے آئے اور فوجی افسر ہو کر اپنے کارہائے نمایاں کے صلے میں معافیات کے حقدار ہوئے۔ یہ معافیات امیٹھی میں ملی تھیں۔ آپکے آباواجداد آج بھی قصبہ امیٹھی میں اپنی آراضی میں استراحت پذیر ہیں۔

آپکے دادا جناب محمد حیات خاں آپکے والد ماجد حافظ نواب علیخاں کی کم عمری ہی میں انتقال ہو گیا تو آپکی دادی جو شہر لکھنؤ کی تھیں حافظ نواب علی اور دوسری چار بہنوں کو لیکر لکھنؤ چلی گئیں امیٹھی کے کھیتوں اور باغوں کو فروخت کر دیا اسطرح شہر لکھنؤ میں حافظ نواب علیخاں اور ان کی بہنوں کی تربیت و پرورش بڑے ناز و نعم سے ہوئی۔

جناب محمد حیات خاں کی اولاد میں اولاد علی سب سے بڑے تھے اس لئے ولی عہد کی حیثیت انہی کو حاصل تھی۔ جملہ کاغذات میں انہی کا نام اور عمل و خل تھا۔ ان کی شادی بارہ بنکی کے قدوائی خاندان میں چودھری واجد علی خاں کی صاحبزادی سے ہوئی اور آپکے والد ماجد حافظ نواب علی خاں کی شادی جناب امیر بخش خانصاحب ساکن "ملایاں"، ضلع اناؤ کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ یہی حضور شیر بیشۂ سنت کی والدہ محترمہ ہیں جو عابدہ زاہدہ پابند صوم و صلوٰۃ ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی حافظہ تھیں۔

زندگی کے ابتدائی ایام آپنے امیٹھی اور لکھنؤ میں گذارے۔ مگر جب شعور کی منزل کو پہونچے اور بریلی کے مشہور عالم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ و

والرضوان سے آپ کی ملاقات ہوئی تو قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ وہ ملاقات ایسی ہوئی کہ پھر ہمیشہ کیلئے انھوں نے آپ کو اپنے قریب کرلیا۔ اس طرح علم وفضل کا قافلہ امیٹھی اور لکھنؤ سے منتقل ہوکر پیلی بھیت میں آبسا اور پھر جو آپ نے یہاں سکونت فرماکر علم و فضل کے جوہر دکھائے ہیں اس سے انصاف پسند مورخین ودانشور بے خبر نہیں۔ پیلی بھیت جو ایک گمنام قصبہ تھا شیر بیشۂ سنت کے فضل وکمال کے سبب شہرتوں کی بلندیوں پر پہونچ گیا۔ اس قصبہ کی مختصر تاریخ درج ذیل ہے۔

پیلی بھیت کا پس منظر

پیلی بھیت صوبہ یوپی میں نیپال کی ترائی میں ایک قدیم شہر ہے۔ حافظ الملک رحمت خاں روہیلہ نے یہ شہر ۱۷۶۲ء میں آباد کیا تھا۔ پہلے اس کا نام "حافظ آباد" رکھا گیا تھا بعد میں حافظ رحمت خاں روہیلہ کے حکم پر ایک فصیل شہر کے اطراف سے نکلنے والی پیلی مٹی کی تعمیر کروائی۔ جس کی بنا پر یہ شہر حافظ آباد سے "پیلی بھیت" ہوگیا۔

حافظ رحمت خاں اوران کے جانشینوں نے افغانی طرز کی خوبصورت عمارتیں تعمیر کروائیں۔ اور بیچ شہر میں جامع مسجد کی طرز پر ایک مسجد بھی تعمیر کروائی۔ یہ مسجد اپنی وضع قطع کے اعتبار سے فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے اور ایک سال کی مدت میں بنکر ۱۱۸۱ھ میں تیار ہوئی ہے "المسجد بیت المتقین" مسجد کے سال تعمیر کا مادۂ تاریخ ہے (۱)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اسی ضلع کی اہمیت پرگنہ کی تھی۔ جس کا ضلعی تعلق نینی تال سے تھا۔ یہاں ایک انگریز مجسٹریٹ مسٹر کارمیکل کا تقرر تھا۔ لیکن اس آزادی کی جنگ میں وہاں کے مسلمانوں نے جوش وخروش سے حصہ لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کی عملداری ختم ہوگئی اور وہاں خاں بہادر خاں کی حکومت تعمیر ہوگئی۔ بعد کچھ غیر مسلم اس شہر پر چڑھائی کرکے خود قابض ہونا چاہتے تھے۔ لیکن جب مسلمان دوسو کی تعداد

(۱) ماہنامہ پیام احمد۔ قاری احمد پیلی بھیتی مضمون "حافظ الملک کی واپسی" کراچی ستمبر ۱۹۶۷ء

شہر پیلی بھیت سے چند میل دور "کمر پور" کے مقام پہ آٹھ ہزار مسلح ہندوؤں سے برسر پیکار ہوئے تو دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ ذوقی رام جو اس فساد کا بانی تھا، اسی جنگ میں مارا گیا۔ اسکی ساری فوج تتر بتر ہوگئی اور مسلمان فتح وکامرانی سے ہمکنار ہو گئے" (۱)

اس شہر میں صوفیاء اور علماء ربانیین کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود رہی" شاہ کلیم اللہ میاں، شاہ نعمت اللہ میاں نقشبندی، شاہ لطف اللہ شاہ میاں، شاہ عبد السبحٰن شاہ میاں اور شاہ مستان شاہ میاں کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں (۲)

اس مرجع انام شہر کو حضرت شیر بیشۂ سنت نے اپنا مسکن بنایا۔ اور اسطرح کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ خود آپ کی ذات گرامی بھی مرجع خلائق بن گئی۔ علم وفضل کے آپ نیر تاباں تھے ہی جسمانی لحاظ سے بھی اللہ تعالےٰ نے آپ کو حسین وخوبصورت پیکر میں ڈھالا تھا۔ لکھنوی تہذیب وتمدن اور لب ولہجے نے آپ کی قدر ومنزلت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ جہاں کہیں بھی رہتے آپ کی شخصیت نمایاں رہتی۔ داغ عشق مصطفےٰ اسے دل تو چمک ہی رہا تھا سجدۂ عبودیت کی مداومت نے پیشانی کو بھی روشن کررکھا تھا۔

حلیۂ مبارکہ

جنھیں ان کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوا ہے وہ اس قلمی خاکہ سے اُن کے سراپا کا تصور کرسکتے ہیں۔

موزوں ومتوسط سڈول بدن، میانہ قد، گندمی رنگ کا صاف نکھرتا ہوا رعب دار چہرہ ابھری ہوئی پھبتی ناک، متوسط عقابی نگاہیں جو اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ کی صحیح ترجمانی اور پھر اس پر حق نمائی کا عینک، چہرہ پر داڑھی نہ گھنی نہ ہلکی مگر

(۱) محمد عمر خاں : دو قومی نظریہ مطبوعہ پشاور ۱۹۶۷ء
(۲) خواجہ رضی حیدر : تذکرہ محدث سورتی ص ۲، کراچی ۱۹۸۱ء

ہر ہر بال سے عابدِ شب زندہ دار ہونے کا ثبوت فراہم، سینہ اخلاص و محبت کا مدینہ، شکم جس کی خوراک قوت لایموت، رفتار میں متانت، کردار میں پاکیزگی، گفتار میں لکھنوی چاشنی لب ولہجہ میں شستگی، ذہن مناظرانہ، گفتگو بےباکانہ، ہر قدم شرع کا پابند۔

شیر بیشۂ سنّت ان خوبیوں کے حامل تھے۔ ان کی ذات ستودہ صفات ان حقائق کی مکمل آئینہ دار تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے ملّت اسلامیہ نے انھیں مظہر اعلیٰ حضرت امام المناظرین، سید المتکلمین، ناصر الاسلام والمسلمین جیسے اہم القابات و خطابات سے نوازا ہے۔ لیکن وہ خطابات جو بارگاہ رضا سے ملے تھے انھیں زیادہ محبوب تھے۔ اس کے علاوہ "شیر بیشۂ سنّت"، کا خطاب علمائے گجرات نے ایک مناظرہ میں زبردست کامیابی پر انھیں عطا کیا تھا۔ یہ خطاب اتنا مشہور ہوا کہ لوگ آپ کا اصل نام بھول گئے۔

اعلیحضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ، کی بارگاہ سے "ولد مرافق" اور "ابوالفتح" کا خطاب اسوقت ملا تھا جب آپ انیس سال کی عمر میں بریلی کے مولوی للیسین خام سرائی کو جو اپنی جماعت کا پیشوا تھا ہلدوانی میں ۱۳۳۸ھ میں شکست فاش دیکر آئے تھے۔ ابوالفتح آپ کو اتنا پسند آیا کہ زندگی بھر اپنے نام کے ساتھ "ابوالفتح" لکھتے رہے

ایک روایت کے مطابق آپ کا پیدائشی نام محمد صدیق ہے (۱) جو بعد میں محمد حشمت علی ہوگیا ہے۔ اعلیحضرت سے قربت کی بنیاد پر اپنے کو اُن سے منسوب کر کے "عبید الرضا" (۲) لکھا کرتے تھے۔ چوں کہ شعر و سخن کا بھی مذاق حاصل تھا اسلئے "عبید" تخلص کے طور پر استعمال فرمایا کرتے تھے۔ غوث پاک سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ، سے بے پناہ عقیدت کے سبب اپنے کو اس بارگاہ کا کتّا کہا کرتے تھے چنانچہ "سگ بارگاہ بغداد"، جس سے ان کی سال پیدائش کی تاریخ ۱۳۱۹ھ برآمد ہوتی ہے اسکی طرف واضح اشارہ ہے۔ دوسری جس باکمال شخصیت کا انھوں نے اپنے کو کتّا بتایا ہے وہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قادری کی ذات گرامی تھی۔ جہاں انھیں علم و فن

(۱) عبدالوہاب: مظہر اعلیحضرت ص ۶ مطبوعہ لکھنو ۱۴۰۲ھ (۲) ترجمہ: رضا کا حقیر غلام

کا انمول خزینہ ملنے کے علاوہ عقیدت و محبت، بیعت و ارادت کی لازوالی دولت بھی ملی تھی چناں چہ انھوں نے نعت کے ایک شعر میں "سگ ہوں میں عبید رضوی غوث و رضا کا" کہہ کر اس کی تصدیق بھی کی ہے اور ببانگ دہل اعلان بھی کیا ہے۔

تعلیمی سفر

حضور شیر بیشۂ سنت کے والد ماجد حافظ قرآن تھے۔ دینی علوم و مذہبی امور سے انھیں گہری دلچسپی تھی۔ انھوں نے آپ کی "رسم بسم اللہ خوانی" کی تقریب بڑی دھوم سے منائی اور ایک صوفی بزرگ الحاج کریم بخش کی ذات بابرکت سے اس مبارک رسم کی ادائیگی عمل میں آئی۔ قواعد بغدادی اور ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم کے لئے حافظ قاری غلام طٰہٰ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ حافظ صاحب آپ کو گھر پر ہی تعلیم دینے تشریف لاتے۔ جب آپنے ناظرہ قرآن پاک ختم کرلیا تو حفظ قرآن کریم کے لئے والد ماجد نے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں داخل کردیا۔ بقول شخصے وہ ادارہ اگرچہ ان دنوں سنیوں کے قبضہ میں تھا۔ مگر اس میں اساتذہ دیوبندی مکتب فکر کے تھے۔ جن میں بعض مولوی اشرف علی تھانوی کے مریدین و معتقدین میں سے تھے۔ آپنے اسی ادارہ میں مولوی اشرف علی تھانوی کے ایک مرید حافظ عبد الغفار سے دس سال کی مختصر عمر میں حفظ قرآن کریم کی تکمیل کی۔ والد گرامی نے "جشن تکمیل حفظ قرآن کریم" بڑی شان و شوکت سے منایا۔ اور مدارس کے اساتذہ و طلبہ کے علاوہ عزیزوں اور محلّے والوں میں بھی شیرینی تقسیم کرائی۔ مدرسہ کے سالانہ جلسے میں تکمیل حفظ کی دستار بندی ہوئی اور اسی سال اپنے والد ماجد کی منّت کے مطابق آپ نے سب سے پہلے قطب شمالی ہند حضرت شاہ مینا لکھنوی رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۸۷۰ھ) کے مزار پرانوار کی مسجد میں تراویح سنائی (۱) اس کے بعد تراویح و محراب سنانے کا سلسلہ زندگی کے آخری ایام تک بدستور جاری رہا

(۱) عبدالوہاب: مظہر انور ص ۶

تکمیل کلام اللہ کے بعد آپ نے تجوید کیطرف توجہ کی۔ قاری محمد صدیق بنگالی جو بہترین مجودِ قرآن تھے۔ ان سے تجوید پڑھکر ۱۳۳۱ھ میں بارہ سال کی عمر میں "روایت حفص" اور تیرہ سال کی عمر میں "قرأت سبعہ" کا امتحان پاس کیا۔ قاری عبدالرحمٰن الہ آبادی نے تجوید کا امتحان لیا۔ شاندار الفاظ میں تعریف کی۔ اعلیٰ نمبر دیئے۔ ہزاروں کے مجمع میں قرأت کی دستار بندی ہوئی۔ علامہ مشتاق احمد نظامی کے بقول۔

" فن قرأت و تجوید میں بھی وہ اپنے وقت کے امام تھے " ولا الضالین " کے مخرج کی ادائیگی میں انھیں جو کمال حاصل تھا وہ شاید ہی کسی کو ہو"۔ (۱)

ابتدائی فارسی کے استاد مولوی احمد حسین لکھنوی تھے۔ لکھنؤ ہی میں منشی شمس الدین اعجاز رقم سے خطاطی بھی سیکھی بہت عمدہ لکھتے تھے۔ تحریروں میں کشش و جاذبیت بھی ہوتی تھی۔

عربی کی ابتدائی تعلیم آپ نے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں حاصل کی آجکل وہ ادارہ مکمل طور سے دیوبندیوں کے قبضہ میں ہے۔ جب آپنے بغرض تعلیم وہاں داخلہ لیا تو دیوبندی مولویوں نے آپ کی بڑی قدر و منزلت کی۔ چونکہ اساتذہ آپ کی ذہانت سے واقف تھے اس لئے اعلیحضرت امام احمد رضا کا مقابل تیار کرنے کیلئے بڑے پیار و محبت سے پڑھانا شروع کیا۔ وظیفہ کے طور پر خاصی رقم بھی دی جانے لگی۔ مگر انھیں یہ نہیں معلوم تھا کہ اس بچہ پر سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا سایہ ہے۔ جو فرعون کی گود میں پلے بڑھے اور پھر اسی کی ہلاکت کا باعث بنے۔

انیسویں صدی کے اوائل میں کفر و الحاد کی تند و تیز ہوائیں چل رہی تھیں آئے دن لوگ گمراہیوں میں مبتلا ہورہے تھے۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی کا کھڑا کیا ہوا فتنۂ وہابیت لوگوں کے ذہن و دماغ پر بری طرح مسلط ہوتا چلا جارہا تھا۔ ایسی صورت میں ایک امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کا قلم تھا جو تیغ براں کیطرح کام کر رہا تھا۔ مگر پریشانی یہ تھی کہ وسائل محدود ہونے کے سبب انکی تحریریں

(۱) پاسبان الہ آباد ص ۱۰ اگست ستمبر ۱۹۶۰ء

سے ہر کوئی استفادہ نہیں کر سکتا تھا۔ دیوبندی مکتب فکر کے علماء انکی تحریروں کی جلالتِ شان سے بھرپور واقف تھے۔ یہ بھی انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اس جماعت میں کوئی ایسا شخص نہیں جو امام احمد رضا کی تحریروں کا جواب دے سکے۔ اسی لئے حضور شیر بیشۂ سنّت کی پرورش مدرسہ فرقانیہ میں بڑے لاڈ پیار سے کی جارہی تھی۔ مولانا عین القضاۃ جو مدرسہ فرقانیہ کے اہم مدرسین میں سے تھے وہ آپ کی ذہانت اور خداداد صلاحیت کے معترف ہی نہیں بلکہ مداح بھی تھے۔ انھوں نے پہلے تو آپ کا ماہانہ وظیفہ آٹھ روپیہ مقرر کیا اور جب میزان الصرف شروع کرنے کا وقت آیا تو وہ ماہانہ وظیفہ دس روپے ہوگیا۔

میزان الصرف کی تعلیم کے لئے آپنے مولوی نصیر الدین کی خدمت میں حاضری دی۔ یہی وہ مولوی اشرف علی تھانوی کے مرید ہیں جنھوں نے آپ کو وہابیت کے ابتدائی فارمولے سکھائے اور شرک و بدعت کی تعلیم عام و تام کرنے پر مائل کیا۔ ذہن و دماغ سادے کاغذ کیطرح تھا ہی۔ ان مولویوں کی ہدایت پر عمل پیرا ہوتا گیا۔ بات بات میں شرک و بدعت کی تعلیم دینے کی عادت پڑنے لگی۔ ذہن و دماغ مناظرانہ تھا ہی ہر مسئلہ کو بحث و مباحثے کے انداز میں سوچ کر اس کے مالہ و ماعلیہ پر غور فرمانے لگے مگر تابکے " کل امر مرھون باوقاتھا " " ہر سخن و ہر نکتہ مکانے دارد " ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ چند ہی دنوں بعد وہ دیوبندی اساتذہ کے جنگل سے نکل آئے۔ اُن کا دام فریب آپ کیلئے تارِ عنکبوت ثابت ہوا۔

حضور شیر بیشۂ سنت کے والدین حضرت علامہ ہدایت رسول علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ "نواب علی" اپنے بچوں کو دیوبندیوں کے اسکول میں پڑھا رہے ہیں تو بہت ناراض ہوئے اور انھیں بلاکر سخت تاکید کی اور فرمایا بلا تاخیر بریلی شریف سرکار اعلیحضرت کی بارگاہ میں پڑھنے کے لئے بھیج دو۔ آپکے والد ماجد نے فرمایا۔

"حضور! میرا بیٹا تو اب نذر و نیاز کو بھی منع کرنے لگا ہے
وہ بھلا بریلی شریف کیوں کر جائیگا"۔

اتنا سننے کے بعد حضرت مولانا ہدایت رسول نے آپکے والد ماجد نواب علی کو مصنّفِ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا رسالہ مبارکہ "تمہید ایمان بآیات قرآن" دے کر فرمایا لے جاؤ اسے اپنے بیٹے کو دے دو۔

جب تمہید ایمان رسالہ آپکے ہاتھوں میں آیا تو اُس کا مطالعہ فرماتے ہی دل کی دنیا بدل گئی۔ اور مدرسہ فرقانیہ کے اساتذہ کی ساری جدوجہد خاک میں مل گئی — ان مولویوں نے جو شکوک و شبہات مسلک اہلسنت کے خلاف آپکے پردۂ ذہن پر ڈالے تھے سب بیک وقت کافور ہو گئے، غلط فہمیوں کی ظلمتیں چھٹ گئیں، سینۂ عشق سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم کا مدینہ بن گیا۔ پوری کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد والدین کے سامنے غلط فہمی سے توبہ کی ———— اور دوسرے دن مدرسہ فرقانیہ میں ایک ننھے سنی مناظر کی حیثیت سے پہونچے۔ مولوی اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مولوی محمد جان صدر مدرس مدرسہ فرقانیہ کے پاس کتابوں کا درس جاری تھا۔ آپ نے پہلے وہیں مناظرانہ گفتگو شروع کی اور مولوی محمد جان کو لاجواب کر دیا۔ درس کا سارا وقت بحث و مباحثہ میں ختم ہو گیا۔ مگر وہ آپ کو مطمئن نہ کر سکے اور یہ سلسلہ کئی روز تک چلتا رہا۔ ایک بار تنگ آ کر مولوی محمد جان نے اس بحث و مباحثہ کا ذکر مولوی عین القضاۃ سے کر دیا۔ تو انہوں نے فرمایا۔

" ہونہار ذہین و ذکی طالب علم ہے آپ ان باتوں کو اُس سے کیوں چھیڑتے ہیں" (۱)

حضور شیر بیشۂ سنت تو امام احمد رضا کی علمی عبقریت کا اعتراف کر ہی چکے تھے ان کی محبت اور عقیدت دل میں ہر طرح راسخ ہو چکی تھی۔ بحث و مباحثہ سے گھبرائے بغیر مسلک اہل سنت کی حقانیت سے متعلق مدرسہ فرقانیہ کے اساتذہ کے سامنے سوالات کی بوچھار کرتے رہے۔ پہلے تو اساتذہ نے استادی کا حق جتاتے ہوئے ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کرنا چاہا مگر آپ کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وارفتگی کی حد تک پہنچ چکا تھا کہاں خاموش ہونے والے

(۱) محبوب علی : سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۲۸

تھے۔ صبر و استقامت کے پہاڑ بنکر اپنے سوالات کے جوابات کا مطالبہ فرماتے رہے۔ یہ سلسلہ کئی دنوں تک چلتا رہا۔ ہر روز آپ جوابات کا تقاضہ کرتے۔ کسی میں ہمت نہ تھی جو آپ کے سوالوں کا جواب دے۔ جب ہر طرح خاموشی نظر آئی اور تمام مولویوں کی زبانوں پر مہر سکوت دیکھی تو آپ ان سے بیزار ہو گئے اور خود ہی جاکر اپنے والدین سے فرمایا کہ اب میں اس مدرسہ میں پڑھنے نہیں جاؤں گا۔ والدین کا منشا تو یہی تھا ہی سنتے ہی خوشیوں سے سرشار ہو گئے۔ شفقت و محبت سے فرمایا اب تم بریلی شریف پڑھنے چلے جاؤ۔

یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شیر بیشۂ سنت کے ذہن و دماغ میں انقلاب پیدا کرنے والی کتاب "تمہید ایمان" ہی ہے۔ مگر اس تبدیلئ فکر کا طریقہ بعض دوسرے سوانح نگاروں نے یہ بتایا ہے۔

" جب ان کی والدہ ماجدہ حضرت علامہ ہدایت رسول رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئیں تو انھوں نے شیر بیشۂ سنت کی والدہ ماجدہ کو اعلیٰحضرت کے کچھ رسائل عطا فرمائے۔ جس میں رسالہ تمہید ایمان بآیات قرآن بھی تھا۔ ان کی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ صاحبزادے کی روش تو غلط ہے یہ کتابیں میرے کس کام آئیں گی۔ تو پیر و مرشد نے فرمایا۔ " رکھو کام آئیں گی" پیر و مرشد کا فرمایا ہوا جملہ حرف بحرف سچ ثابت ہوا اور وہ اس طرح کہ جب آپ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں زیرِ تعلیم تھے شرح جامی زیرِ درس تھی۔ دیوبندیت آپ پر کسی حد تک اثر انداز ہو چکی تھی۔ والدین پریشان تھے کہ اب کیا ہوگا۔ مگر ہوا وہی جو خدا کو منظور تھا۔"

پیر و مرشد کے دیئے ہوئے اس کتابی عطیہ کو آپ کی والدہ ماجدہ بڑی قدر و منزلت سے دیکھتی تھیں اور جان سے زیادہ اس کی حفاظت کرنے کی کوشش کرتیں اور کبھی کبھار دھوپ میں رکھ دیتیں تاکہ خراب نہ ہوں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ وہ کتابیں دھوپ میں رکھی ہوئی تھیں کہ اچانک اس موقعہ سے آپ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ سے آئے۔ اعلیٰحضرت کی کم مائیگی علم و فضل اور بے بضاعتی فکر و فن کے بارے میں دیوبندی مولویوں سے بہت کچھ سُن رکھا تھا ہی۔ اس طرح اُن

اساتذہ نے اُن کے ذہن و دماغ اعلیٰحضرت کے خلاف بھر دیئے تھے کہ اک گونہ ان سے نفرت سی ہونے لگی تھی۔ مگر جب اعلیٰحضرت کی تصنیف کردہ کتابیں باہر پھیلی ہوئی دیکھیں اور اس میں "تمہید ایمان بآیات قرآن" پر نظر پڑی تو جھٹ اُسے اٹھایا اور مطالعہ کرنا شروع کر دیا اُدھر پیر و مرشد کی پیشینگوئی کے ظہور کا وقت قریب آپہونچا۔ امام احمد رضا کے ایمان افروز کلمات نے اپنا اثر دکھایا۔ ادھر کتاب پڑھتے جا رہے ہیں اور اِدھر بے اختیار ان کی زبانِ حق ترجمان سے یہ کلمات جاری ہیں "یقیناً وہ کافر ہیں، یقیناً وہ کافر ہیں" والدہ ماجدہ اسوقت باورچی خانہ میں روٹی پکا رہی تھیں۔ دوپہر کا وقت تھا ان کے کان میں جیسے ہی یہ جملے پہونچے فوراً روٹی پکانا چھوڑ کر سجدے میں گر گئیں اور روتے روتے بیہوش ہوگئیں۔ کئی گھنٹے بعد جب ہوش آیا تو پیر و مرشد کی یہ بات یاد آئی "یہ کتابیں رکھو کام آئیں گی"۔ آج میرا لڑکا گمراہی سے نکلا اور راہ راست پہ آیا (۱)۔

۱۳۲۶ھ جب کہ آپ کی عمر سولہ سال کی تھی۔ حصول علم کی خاطر لکھنؤ سے بریلی آکر مدرسہ منظر اسلام میں داخل ہو گئے۔ پہلے تو اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دیا۔ پھر تحصیلِ علم میں منہمک ہو کر پیر و مرشد کے زیر سایہ تعلیمی سفر شروع کیا۔

اسوقت ایک پریشانی یہ تھی کہ بریلی سے لکھنؤ گھر آنے جانے کی وجہ سے تعلیم کا کافی نقصان ہوتا تھا۔ یہ تعلیمی نقصان ناقابل برداشت تھا۔ اس لئے انھوں نے بریلی شہر میں مستقل سکونت کیلئے مرشد گرامی سے اظہار خیال فرمایا۔ آپ کی یہ بات مان لی گئی اور مسجد بی بی جی میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دینے پر مامور کر دیا گیا۔ منظر اسلام میں تعلیم و تعلّم اور مسجد بی بی کی امامت و خطابت سے جو وقت بچتا وہ حضور اعلیٰحضرت کی بارگاہ میں گذارتے۔ شیخ کامل کی نگاہ کیمیا اثر نے آپ کو کندن بنا دیا۔ بزرگوں کی بارگاہ میں حاضری بھی کیا عجیب شی ہے ان کی ایک نگاہ التفات نے آپ کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔ مدرسہ منظرِ اسلام کے اساتذہ

(۱) قاضی علی محمد تبلیغی : مناظرہ ملتان ص ۵ مطبوعہ ۱۴۰۵ھ

جن میں حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا خاں اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ شیر بیشۂ سنّت کی شخصیت کی تعمیر میں ان حضرات کا اور آپ کے پیر و مرشد حضور اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اہم حصہ ہے۔ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ شیر بیشۂ سنّت اگر اعلیٰحضرت سے وابستہ نہ ہوئے ہوتے تو جو قدر و منزلت انھیں حاصل تھی شاید اس سے محروم رہتے۔

شعبان المعظم ۱۳۴۰ھ میں سالانہ جشن دستار فضیلت کے موقع پر آپنے مدرسہ منظرِ اسلام سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد سند فراغ حاصل کیا اور مسجد بی بی جی صاحبہ میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ اس حسین موقع پر مذکورہ اساتذہ نے آپکو اپنی خلافتوں اور نیابتوں سے نوازا۔ اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں نے اپنا جبہ مبارکہ آپ کے زیب تن فرمایا۔

اساتذہ

آپ کے دیوبندی اساتذہ کا ذکر تو سطور بالا میں گذر چکا ہے۔ ذیل میں ان چند علمائے اہل سنّت کے اسمائے گرامی دیئے جا رہے ہیں جن کی صحبت بابرکت سے علم دین مصطفےٰ اور مذہب حق سے محبت کا جذبہ حاصل ہوا۔

① حضرت صدر الشریعہ مولانا الحاج حکیم ابو العلا محمد امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۶۷ھ) ② صدر الافاضل حضرت مولانا الحاج حکیم محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۶۷ھ) ③ حضرت مولانا مولوی محمد رحم الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۶۳ھ) ④ حضرت مولوی نور الحسن صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ ⑤ مولانا مولوی ظہور الحسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۴۲ھ)

تدریسی ذمہ داریاں

تعلیم سے فراغت کے بعد آپنے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف ہی سے کیا۔ وہاں جس زمانے میں آپ درس و تدریس کے

فرائض انجام دے رہے تھے آپ کی علمی صلاحیت کا بڑا چرچا تھا۔ ساتھ ہی "جماعت رضائے مصطفےٰ" بریلی کے مفتی بھی رہے۔ آپ کی تدریسی صلاحیت کا اندازہ حضرت مولانا مفتی رضوان الرحمٰن مفتی مالوہ (متوفی ۱۴۰۴ھ) کی اس گفتگو سے لگایا جاسکتا ہے جو انھوں نے ۱۰ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ کو مدنپورہ کی جامع مسجد میں بیان کیا۔ فرماتے ہیں۔

"میں مدرسہ منظر اسلام میں پڑھتا تھا۔ حضرت (شیر بیشۂ سنت) تفسیر جلالین، مشکوٰۃ شریف، میر قطبی اور نور الانوار کا درس دیتے تھے۔ ایک بار رامپور سے تین معمر علماء آئے اور مدرسہ کے حالات معلوم کرتے ہوئے آپکو نوجوان دیکھکر آپ کے درس میں بیٹھ گئے۔ آپنے سلام ومصافحہ ومزاج پرسی کے بعد درس شروع کر دیا۔ تینوں علماء بغور سنتے رہے۔ ایک جگہ ایک صاحب نے اعتراض کیا آپنے فوراً اس کا جواب دیا۔ انھوں نے پھر کچھ سوال کیا آپنے اس کا بھی اطمینان بخش جواب دیا۔ یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئے۔ مدرسہ میں جب یہ خبر پھیلی تو تمام مدرسین بھی اس کمرے میں جمع ہو گئے۔ پھر دوسرے عالم صاحب نے کچھ سوالات کئے۔ آپنے ان کے جوابات دیتے۔ انھوں نے مزید شکوک پیش کئے آپنے ان کے بھی جوابات دے کر شکوک دفع کئے وہ بھی مطمئن ہو گئے۔ پھر تیسرے صاحب نے اعتراض کیا آپنے انھیں بھی جوابات دیئے۔ انہوں نے اور شبہات پیش کئے آپنے وہ بھی دور کئے۔ یہاں تک کہ وہ بھی مطمئن ہوئے اور تینوں حضرات بہت خوش ہوکر تشریف لے گئے۔ یہ حضرت شیر بیشۂ سنت کی علمی صلاحیت اور اعلیٰ ترین قابلیت تھی"۔ (۱)

اس ادارے میں آپنے دو سال تدریسی فرائض انجام دیئے۔ اس دو سال کی تکمیل کے بعد حضرت حجۃ الاسلام شیخ الانام مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں رحمۃ اللہ کی خدمت میں دار العلوم مسکینیہ دھوراجی گجرات سے صدر مدرسی کی جگہ کے لئے ایک عالم کی طلبی کی درخواست آئی تو حضرت والا نے آپ کو وہاں کا صدر مدرس بنا کر بھیج دیا۔

آپنے وہاں دو سال بڑے انہماک کے ساتھ کام کیا۔ اور اس قلیل مدت میں مسلکِ

(۱) سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۹۴

اہلسنت کا اس قدر شہرہ ہوا کہ دیوبندی اس شہرت سے خار کھانے لگے اور ان دیوبندیوں نے آپ پر جادو کرادیا۔ اس سے شفایابی کے لئے آپنے وہاں کے حکیموں اور ڈاکٹروں کیطرف رجوع کیا۔ سب لوگوں نے علاج کرنے سے انکار کر دیا۔ تو آپ کو بریلی شریف لے آیا گیا۔ وہاں آپ نے علاج کرایا اور مکمل شفایابی ہوئی۔

جادو سے کامل شفایابی کے بعد بریلی شریف سے آپ کو مدرسہ اہلسنت پادرہ ضلع بڑودہ میں صدر مدرس بنا کر بھیج دیا گیا۔ اشاعت دین حق کیلئے وہاں آپکو بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔ دشمنانِ رسول اور اعدائے دین سے کئی بار مناظرے کئے۔ شیر پنجاب مولوی ثناء اللہ امرتسری کو آپ نے وہیں اپنے چوتھے تحریری مناظرے میں شکست فاش دیکر ذلت وخواری کے گھاٹ اتارا۔ جس کی تفصیل خود مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنے ہفتہ وار اخبار اہلحدیث میں کچھ ترمیم کے ساتھ شائع کی ہے۔ مناظرہ چونکہ تحریری تھا اس لئے وہ زیادہ گڑبڑ نہ کر سکے۔

ذہن ودماغ چونکہ مناظرانہ تھا اس لئے تدریسی ذمہ داریوں کو آپ زیادہ عرصہ نہ نبھا سکے اور ان ذمہ داریوں سے مکمل طور پر سبکدوش ہوکر آپنے اپنی پوری زندگی اشاعت دین حق اور دشمنانِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکوبی میں صرف کر دی۔ دوران تدریس جن تشنگان علوم نے آپ سے اپنی پیاس بجھائی ان کی ایک طویل فہرست ہے۔ چند اہم تلامذہ کے اسماء ذیل میں دیئے جا رہے ہیں۔ (۱) سید العلماء حضرت مولانا الحاج مفتی سید آل مصطفےٰ قادری برکاتی صدر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء بمبئی رحمۃ اللہ علیہ (۲) حضرت بابرکت الحاج مولانا شاہ محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں نبیرۂ حضور امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہما (۳) حضرت مولانا مولوی غلام جیلانی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف بستی (۴) حضرت مولانا مفتی احمد میاں قادری مفتی دھوراجی (۵) حضرت مولانا مفتی ابو الطاہر محمد طیب دانا پوری مفتی جادرہ (ایم پی) رحمۃ اللہ علیہ (۶) حضرت مولانا شاہ سید حسن میاں صاحب قبلہ قادری برکاتی زیب سجادہ قادریہ برکاتیہ قاسمیہ مارہرہ شریف (۷) خلف اکبر حضرت علامہ شاہ محمد مشاہد رضا خاں قادری زیب سجادہ خانقاہ قادریہ رضویہ حشمتیہ پیلی بھیت شریف (۸) حضرت مولانا قاری احمد حسن قادری پانی پتی علیہم الرحمۃ والرضوان۔

شادی خانہ آبادی

حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے دو شادیاں کیں دونوں شادیاں یکے بعد دیگرے نہیں ہوئیں۔ بلکہ جب پہلی بیوی اللہ کو پیاری ہوگئیں تو آپ نے دوسرا عقد فرمایا۔

پہلی شادی کب ہوئی اس کی تاریخی سند مشکوک و مشتبہ ہے۔ مگر اتنا یقینی ہے کہ آپ کا پہلا عقد حافظ محمد صادق کی دختر نیک اختر محترمہ صابرہ بیگم سے ہوا۔ جس زمانے میں نوساری ضلع سورت کے بدعقیدہ لوگوں نے آپ پر مقدمہ چلایا تو اس مقدمہ کی پیروی اور بار بار آنے جانے کیوجہ سے مصروفیت اس درجہ تھی کہ بس گھر میں آپ کی اہلیہ محترمہ کے یہاں ایک لڑکی کی ولادت ہوئی جن کا نام ناظرہ بیگم رکھا گیا۔ پیدائش کے چھ دن بعد لڑکی کا انتقال ہوگیا اور اسکے آٹھویں دن اسکی والدہ کا۔ اسطرح زچہ بچہ دونوں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ یہ سب کچھ ہوا مگر شیر بیشۂ سنت مقدمات کی پیروی میں اس درجہ مصروف رہے نہ تو بچی کو دیکھ سکے اور نہ ہی اہلیہ محترمہ کی تیمارداری کو آسکے (انا للہ وانا الیہ راجعون)

آپ کی دوسری شادی جناب شاہ میر خاں قادری برکاتی کے توسط سے پیلی بھیت میں ہوئی۔ یہ شادی ۱۳۴۵ھ میں ہوئی۔ شادی کی برات میں اکابر علمائے کرام کی شرکت کی وجہ سے نور و عرفان کا سماں بندھا ہوا تھا۔ اس شادی میں شہ بالا سید العلماء مولانا شاہ سید آل مصطفےٰ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جن پر پھولوں کے گجرے پڑے ہوئے تھے۔ نکاح سے پہلے حضرت صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجد علی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہوا۔ صلوٰۃ وسلام کے بعد حضرت حجۃ الاسلام خود وکیل نکاح بنے اور خود ہی نکاح پڑھایا۔ دس ہزار روپے سکہ رائج الوقت پر مہر مقرر ہوا۔ نکاح کے بعد چھوہارے لٹائے گئے اور حاضرین کی شربت سے ضیافت ہوئی۔ اس مبارک مجلس کے دوسرے باراتیوں میں درج ذیل حضرات کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

(۱) حضرت تاج العلماء مولانا شاہ مفتی سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی (وصال ۱۳۷۲ھ)

(۲) مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفےٰ رضا خاں قادری (م ۱۹۸۱ء)

(۳) حضرت مولانا شاہ محمد ضیاء الدین قادری برکاتی

(۴) سلطان الواعظین حضرت مولانا الحاج عبد الاحد قادری برکاتی (۱۳۵۲ھ)

(۵) حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن قادری برکاتی (م ۱۹۸۱ء) علیہم الرحمۃ والرضوان

دوسری شادی کے بعد حضور شیر بیشۂ سنت نے والد ماجد کی اجازت سے پیلی بھیت میں زمین خریدی، مکان بنوایا اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ اس طرح ایک عرصہ لکھنوی کہلانے کے بعد آپ پیلی بھیتی ہوگئے۔

حج و زیارت

حرمین شریفین کی زیارت فریضۂ خداوندی کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کی معراج بھی ہے۔ بڑا خوش بخت ہے وہ انسان جسے زیارت حرمین شریفین کی سعادت میسر ہو۔ حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کو زیارت حرمین شریفین کی سعادت دوبار حصہ میں آئی۔ اور تیسری بار کاغذی کارروائی مکمل ہونے کے باوجود بھی اس سعادت سے مشرف نہ ہوسکے اور یہی تمنا لے کر دنیا سے رخصت ہوگئے۔

پہلا سفر حج

ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ میں جب پہلی بار آپ حج بیت اللہ شریف کے لئے روانہ ہوئے تو سُنّی علماء کی ایک کثیر جماعت بھی آپکے ساتھ گئی۔ اس پہلے سفر میں دوسرے علماء کرام اور بزرگان دین کے جھرمٹ میں ۱۸ نمبر گودی سے نعرۂ تکبیر و نعرۂ رسالت کی گونج میں جہاز حجاج کو لے کر جدہ کیطرف روانہ ہوا۔

اس سفر کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اگر ایک طرف آپ کے معتقدین و محبین علماء آپ کے ساتھ تھے تو اسی جہاز میں دوسری طرف دیو بندی علماء کی ایک بھیڑ تھی جسکی قیادت مولوی منظور نعمانی سنبھلی کر رہے تھے۔

ہندوستان کے مختلف شہروں میں منظور سنبھلی کو مناظرہ میں شکست فاش دے چکے تھے۔ اس پیہم شکست فاش کی ذلت و رسوائی کے سبب بحیثیت مناظر انھوں نے آپکے سامنے

نہ آنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ مگر اس روز اسکے حمایتی آپس میں ایک مسئلہ پر اسقدر الجھے ہوئے تھے کہ اس سے خلاصی کی کوئی شکل نظر نہیں آرہی تھی۔ چھوٹے بڑے تمامی دیوبندی اسی میں پریشان تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ ہم لوگ حاکم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوتے "یلملم" پر احرام باندھتے ہیں احرام باندھنا شرعی مسئلہ ہے اس میں کسی کافر کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ اس پیچیدہ مسئلہ کی گتھی سبھی لوگ سلجھانے میں منہمک تھے۔ منظور سنبھلی کو جب اس کا علم ہوا تو وہ آپ کی جناب میں اس مسئلہ کو لے کر حاضر ہوتے۔ آپنے منٹوں میں اس مسئلہ کا تسلی بخش جواب دیکر واپس کر دیا۔ اس مسئلہ کی تفصیل مناظرانہ صلاحیت کی بحث میں دیکھی جاسکتی ہے۔ مختصر یہ کہ آپ جہاں بھی رہے اپنے تشخص کے ساتھ دین حق کی اشاعت میں سرگرمِ عمل رہے۔

سرزمین حجاز مقدس کے حرم محترم میں نیاز مندانہ حاضری مسلکِ حق کی اشاعت اور پورے تشخص کے ساتھ حج کی ادائیگی اس سعودی حکومت کی موجودگی میں ایک زبردست مسئلہ ہے لیکن قربان جائیے شیر بیشۂ سنّت کی جرأت وہمت پر سعودی پولس اظہار عقیدت ومحبت پر بار بار رکاوٹیں ڈالتی رہی۔ مگر ؎

ہزار بار نتائج سے ہو کے بے پرواہ اسی کا نام لیا جس کا نام لینا تھا

تو تو میں میں بھی ہوئی، بحث ومباحثہ اور مناظرے کی نوبت بھی آئی۔ مفتی اعظم بمبئی کے پاس مکہ معظمہ شریف سے جو بھی خط آتا اس میں کسی نہ کسی طرح سعودی حکمراں اور پولیس کے درمیان بحث ومباحثہ کی تفصیل ضرور ہوتی۔ تیسرا خط جسے آپنے اپنے چھوٹے بھائی مولانا محبوب علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ۳ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۹۵۱ء کا محررہ روانہ کیا۔ اس میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"پرسوں سہ شنبہ یکم محرم الحرام ۱۳۷۱ھ کو طواف بعد الصبح کر کے مقام ابراہیم پر نماز واجب الطواف پڑھکر برنجی جالیوں کو جس کے اندر مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کھا ہوا ہے، بوسہ دینے لگا۔ ایک نجدی سپاہی بگڑ گیا کہنے لگا تقبل الحدید والحجران هذا شرك عظيم لوہے اور پتھر کو چومتے ہو یہ بڑا شرک ہے ــــ میں نے کہا نحن لا نقبل الحديد والحجر انما نقبل ماله

النسبة الى حضرت ابراهيم الخليل عليه الصلوة والسلام یعنی ہم لوہے اور پتھر کو نہیں چومتے ہیں ہم تو اس نسبت کو بوسہ دیتے ہیں جو اسکو حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل ہے۔

نجدی بولا اوهذا المقام هو معبودك کیا یہ مقام ابراہیم ہی تمہارا معبود ہے؟

میں نے کہا اوهذا الكعبة هي معبودك؟ کیا یہ کعبہ معظمہ ہی تیرا معبود ہے

نجدی بولا معبودی هو الله رب الكعبة میرا معبود وہ اللہ ہے جو کعبہ کا رب ہے

میں نے کہا معبودنا هو الله رب المقام ورب الكعبة ورب ابراهيم ہمارا معبود وہ ہے جو مقام ابراہیم کا رب ہے جو کعبہ کا رب ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رب ہے

نجدی بولا سلم انت على هذا المقام تم اس مقام ابراہیم کو سلام کرو

میں نے کہا فسلم انت على هذه الكعبة تو اس کعبہ کو سلام کر

نجدی بولا تقبيل غير الكعبة شرك کعبہ کے سوا کسی کو بوسہ دینا شرک ہے

میں نے کہا فالتقبيل عندكم عبادة خاصة للمعبود ولا يجوز ان تكون لغير المعبود فثبت ان الكعبة المعظمة هي معبودكم چومنا تم وہابیوں کے نزدیک معبود کی عبادت خاص ہوئی اور یہ غیر معبود کیلئے جائز نہیں تو ثابت ہوا کہ کعبہ معظمہ ہی تم نجدیوں کا معبود ہے۔

نجدی بولا لاحول ولا قوة الا بالله

میں نے کہا لاحول ولا قوة الا بالله

پھر میں نے کہا اسمع كلامي هل يجوز تقبيل غلاف الكعبة الشريفة میری بات سن کیا کعبہ معظمہ کے غلاف کو چومنا جائز ہے۔

نجدی بولا نعم ہاں جائز ہے۔

پھر اس نجدی کے جواب میں آپنے عربی زبان میں ایک طویل تقریر فرمائی جسکا مفہوم یہ تھا۔

"غلاف کعبہ کیا چیز ہے وہ روئی اور ریشم ہے۔ دونوں دھنکے گئے، پھر بٹے گئے

پھر بنے گئے پھر سلے گے تو غلاف ہو گیا پھر وہ کعبہ مکرمہ پر ڈالا گیا تو کعبہ معظمہ کی مجاورت سے اس غلاف کو عظمت و بزرگی حاصل ہوئی اور اس کے بعد اس غلاف کو چومنا بھی جائز ہوا تو تعظیم اس نسبت کیلئے ہے جو اس غلاف کو کعبہ مقدسہ سے حاصل ہوئی۔ اور کعبہ خود ایک گھر ہے جسکو حضرت سیدنا خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طائفین وعاکفین و قائمین و راکعین و ساجدین کیلئے بنایا اور یہ وہ مقام ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کعبہ مشرفہ بنانے کیلئے تشریف فرما ہوئے۔ تو ان دونوں کعبہ اور مقام ابراہیم کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت حاصل ہوئی۔ اور ہم یقین سے جانتے ہیں کہ حجر اسود شریف جنت کے یاقوت میں سے ایک یاقوت ہے نہ کوئی نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہم حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں اور چومتے ہیں۔ کیونکہ ہم کو علم ہے کہ یقیناً حضور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اسکو بوسہ دیا اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مقام ابراہیم کو مصلیٰ بناؤ تو اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوا کہ اس مقام کیلئے بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرف و عظمت و بزرگی ہے اور اسکی تعظیم اور اسکا چومنا اللہ کی عبادت ہے جسطرح حجر اسود کو چومنا اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے (۱)

نجدی ان باتوں کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ ٹھیک اسی طرح ہکا بکا رہ گیا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سامنے نمرود مبہوت ہو کر رہ گیا تھا۔ اس طرح کی کئی بحثیں ہوئیں جس میں شیر بیشۂ سنّت نے نجدیوں کو مبہوت ولاجواب کر دیا۔ ان بحثوں کی تفصیلات سوانح شیر بیشۂ سنّت میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

اس بحث و مباحثہ کے سبب ہندوستان میں دیوبندی مولویوں نے یہ خبر جنگل کی آگ کیطرح پھیلا دی کہ سعودیہ عربیہ میں دورانِ حج بحث و مباحثہ کرنے کے سبب انہیں گرفتار کر لیا گیا ہے اور گولی مار دی گئی ہے۔ ہم خود آنکھوں سے دیکھکر آئے ہیں ان وظیفہ

(۱) محبوب علی : سوانح شیر بیشۂ سنّت ص ۱۸۲

خوار مولویوں نے ہندوستان میں اسطرح کذب بیانی سے کام لیا۔ لیکن ۱۱ر صفر المظفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۱ر نومبر ۱۹۵۱ء کو جب آپ حج مبرور سے واپسی پر بمبئی تشریف لائے تو انجمن تبلیغ صداقت کے زیر اہتمام آپکا زبردست استقبال کیا گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے خیر مقدم کیا پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ پے در پے تہنیت کے چار جلسے ہوئے۔ آپ کی واپسی پر دیوبندی مولوی دم دبائے گلی کوچوں میں دبے پاؤں چلنے لگے۔ اس طرح آپکے انتقال کی کئی بار افواہیں پھیلا چکے۔ مگر لعنۃ اللہ علی الکاذبین جو خدا اور رسول کو جھوٹا گردانیں بھلا وہ کب سچ بول سکتے ہیں۔

دوسرا سفر حج

دوسرا سفر حج آپنے ۱۳۷۷ھ میں فرمایا۔ آپکے ساتھ اس سفر میں الحاج حکیم صوفی حیات علی بھاولپوری اور جناب صوفی الحاج خاموش شاہ صاحب جیسی جلیل القدر ہستیاں تھیں۔ اس سفر میں بھی آپنے نجدی وظیفہ خوار ملاؤں سے کئی مناظرے کئے جسکے سبب دیوبندی مولویوں نے پہلے کی طرح اس بار بھی ہندوستان میں یہ خبر پھیلا دی کہ مولانا حشمت علی کو سعودی حکومت نے گرفتار کر لیا اور گولی مار دی۔ اس سلسلہ میں اپنے ایک والانامہ میں جسے انھوں نے ۹ر محرم ۱۳۷۸ھ مطابق ۵ر اگست ۱۹۵۸ء کو اپنے برادر اصغر مولانا محبوب علیخاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے پاس ارسال کیا تھا۔ اس میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"میرے متعلق وہابیوں نے پروپیگنڈہ کیا ہوگا لیکن پریشان نہ ہونا پچیس نجدی ملاؤں سے حکومت نجدیہ کے قائم کردہ مرکز "ہیئۃ الامر بالمنکر والنہی عن المعروف" میں تقریباً ڈھائی گھنٹے زبردست مباحثہ و مناظرہ ہوا۔ جس کا خاتمہ "رئیس الہیئۃ" کے اس جملے پر ہوا "سامحونا فقد کلفناکم" ہمیں معافی دیجئے ہم نے آپ کو بہت تکلیف دی" (۱)

۱۹ر اگست ۱۹۵۸ء سہ شنبہ کو دوسری بار سفر حج سے بمبئی واپسی ہوئی۔ آپکے عقیدت مندوں اور

(۱) محبوب علی : سوانح شیر بیشۂ سنّت ص ۲۳۲

اخباری نمائندوں کا آپکے استقبال کیلئے تانتا بندھا ہوا تھا۔ تکبیر و رسالت کے فلک شگاف نعروں سے آپ کا استقبال کیا گیا۔ چونکہ دیوبندی مولویوں نے آپکی گرفتاری کی خبر پھیلا رکھی تھی اسلئے وہابی اور خصوصیت سے اخباری نمائندے اس جشن خیر مقدم میں شامل تھے۔

۱۹ اگست کو بمبئی اور اجلاس تہنیت میں شرکت کے سبب آٹھ یوم بعد ۲۸ اگست کو وطن مالوف پیلی بھیت تشریف آوری ہوئی۔ اسطرح پہلے سفر حج کی طرح دوسرا سفر حج بھی از ابتدا تا انتہا تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے طفیل بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ کامیابوں سے ہمکنار رہا۔

سفرِ آخرت

حضور شیر بیشہ سنت علیہ الرحمۃ والرضوان حرمین شریفین کی زیارت سے دو بار مشرف ہوئے تھے۔ ایک سچے عاشق رسول کو جو کیف و سرور مدینہ کی گلیوں میں ملتا ہے وہ روئے زمیں پر کہیں میسر نہیں۔

حضور شیر بیشہ سنت کی آخری خواہش اور تمنا یہی تھی کہ تیسری بار حرمین شریفین کی زیارت ہو اور پھر وہیں کوچۂ رسول میں آخری آرامگاہ ہو جائے۔ مگر ظاہر ہے

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

بڑی کوشش کی بار بار اپنی اسی تمنا کو ظاہر فرماتے کہ وہ مدینہ جو دار الامن والایمان ہے اور روحانی و جسمانی دار الشفا ہے حاضر ہو جاؤں۔

بلا لیجئے مدینے میں خدارا ‖ نہیں اب ہند میں اپنا گذارا
تمہارا در ہو اور ہو سر ہمارا ‖ اسی کوچہ میں ہو بستر ہمارا
قضا آئے تو آئے اس گلی میں ‖ رہے باقی نہ حسرت کوئی جی میں

انھوں نے اپنے برادر خورد حضرت مولانا مفتی محمد محبوب علیخاں مفتی اعظم بمبئی کو خط لکھا کہ ٹکٹ حاصل کرنے کیلئے کوشش کرو۔ آپنے معلومات کر کے خط لکھا کہ پانی کے جہازوں کے ٹکٹ تو مہینوں ہوئے ختم ہو کر ویٹنگ لسٹ بھی ختم ہو گئی۔ اب ہوائی جہاز سے حاضری ہو

سکتی ہے۔ اس کے قواعد و ضوابط سے مولانا محبوب علی نے آپ کو روشناس کرایا۔ آپ نے شوق زیارت میں دو ہزار روپے اپنے احباب سے قرض مانگے جن کے ملنے میں دیر ہوئی اور ہوائی جہاز کے بھی ٹکٹ ختم ہو گئے۔ اور بظاہر تیسری بار حاضری نصیب نہ ہو سکی اور یہ تمنّا لیکر نصف صدی سے زائد ۵۹ سال کی عمر پاکر تبلیغ دین متین کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

یوں تو ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے لیکن مثل مشہور ہے "حیلۂ رزق بہانۂ موت" ہر موت کا کوئی نہ کوئی بہانہ اور سبب ہوتا ہے۔ آپ کی موت کا یہ سبب بتایا جاتا ہے جہاں آپنے کئی فاتحانہ مناظرے کئے۔ اور ہر بار دیوبندیوں کو منھ کی کھانی پڑی۔ لکھنؤ اور دیوبند کے تمام حمایتی ان کی مدد نہ کر سکے۔ جس کے سبب ان دیوبندی مولویوں کو شکست پر شکست کھانی پڑی۔ اس پیہم شکست سے معاشرہ میں جو ان کی ذلت و رسوائی ہوئی اسکی تاب نہ لا کر انھوں نے کسی طرح حضور شیر بیشہ سنت کو زہر دے دیا۔ وہ زہر چونکہ فوری اثر کرنے والا نہ تھا، اس لئے حضرت کو اس کا احساس نہ ہوا۔ لیکن آہستہ آہستہ زہر اپنا کام کرتا گیا اور بدن میں ضعف و نقاہت اور آواز میں پستی آتی گئی۔ مگر تبلیغ دین متین کا سلسلہ بدستور جاری رہا سنہ ۱۳۷۹ھ میں بمبئی تشریف لے گئے۔ ضعف بدن کے باوجود تبلیغ دین مصطفیٰ کرتے رہے۔ عرس رضوی میں شرکت ہوئی مگر کمزوری اس درجہ غالب تھی کہ آپ وہاں وعظ نہ کر سکے۔ پھر ۲۷ صفر سنہ ۱۳۷۹ھ کو پیلی بھیت میں عرس ضیائی میں شرکت کی کمزوری بجد تھی تمام علماء نے آپ کو وعظ فرمانے سے منع کیا مگر نہ مانے اور ایمان افروز تقریر فرماتے ہوئے فرمایا۔

"یہ عرس میرا ہی قائم کیا ہوا ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ آج کے بعد اس عرس میں شریک ہو سکوں گا یا نہیں"۔ (۱)

ایک گھنٹہ شیرانہ لب و لہجہ میں مدلل تقریر فرمائی۔ سارے مجمع پر سکوت طاری تھا اس سب کچھ کے ہوتے ہوتے آپنے اپنی اس زہر خوردنی کا کسی سے ذکر نہ فرمایا۔ اس کا پتہ لوگوں

(۱) سوانح شیر بیشہ سنت ص ۲۴۲

کواسوقت چلاجب ماہنامہ پاسبان الہ آباد کے ردّ خوارج نمبر میں مولانا مشتاق احمد نظامی
کے نام ایک خط میں اس واقعہ کا مختصراً ذکر کیا۔
بہر حال ہوا وہی۔ جو فرمایا سچ ہوا سال آئندہ عرس ضیائی کی تاریخ آنے سے پہلے
ہی آپ راہیٔ ملکِ عدم ہو گئے۔
اس سلسلہ کا دوسرا واقعہ محمد عثمان قادری گلبرگہ شریف کی زبانی سنئے فرماتے ہیں۔
" ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ میں میں اپنے وطن میں تھا۔ ایک روز خیال آیا کہ بمبئی چلیں محرم
میں حضرت تشریف لائیں گے زیارت بھی ہو جائے گی اور بیان بھی سنیں گے۔ رات
کو خواب دیکھا کہ بہت بڑا مجمع ہے سب نورانی شکل وصورت والے لوگ ہیں سب
ایک جنازے کے ساتھ جا رہے ہیں۔ جنازے پر بہت پھول ہیں۔ اتنے میں
حضرت میرے پاس آئے اور فرمایا اب میری تم سے ظاہری ملاقات نہ ہو گی میں
آج تم سے ملنے آگیا ہوں۔ یہ دیکھو میرا جنازہ ہے اور ۸ر محرم الحرام ۱۳۸۰ھ یاد
رکھو۔ یہ فرما کر تشریف لے گئے"۔ (۱)
آنکھ کھلی تو فجر کا وقت قریب تھا۔ اٹھ کر حیرانی میں پڑ گیا آخر معاملہ کیا ہے۔ بمبئی
آیا۔ بمبئی حضرت کو بلانے کی خبر میں سنی دعوتیں دی گئیں مگر آپ تشریف نہ لائے۔ ۸ر محرم کی
تاریخ آگئی مگر بمبئی آپ کا آنا نہ ہوا۔ ۸ر محرم کے تصور سے دل کانپتا رہا۔ یہاں ۹ر محرم کی تاریخ
آگئی۔ تو مغرب کے قریب پیلی بھیت سے ۸ر محرم دن میں گیارہ بجے کا روانہ کیا ہوا ٹیلیگرام ملا کہ
۸ر محرم الحرام کو حضرت کا وصال ہو گیا —— یہ ہیں اللہ والے کہنے والے نے سچ کہا ہے
"لوح محفوظ است پیش اولیاء"
زندگی کی آخری سانس تک تبلیغ دین متین اور مسلکِ سنّیت کی اشاعت کے ساتھ
بیعت وارادت کا سلسلہ بھی بدستور جاری رہا۔ ۷ر محرم الحرام یعنی وصال سے ایک دن قبل دوشنبہ
کو دھوراجی کے ایک صاحب جناب عبدالغفار صاحب برکاتی کے ساتھ کا ہو سے پیلی بھیت شریف

(۱) سوانح شیر بیشۂ سنّت ص ۲۵۵

بیعت ہونے کیلئے ۸ر محرم الحرام صبح ۹ بجے پہونچے۔ آپنے انھیں مرید فرمایا۔ ان لوگوں نے حضرت
کی شفایابی کی دعا کی تو آپ نے فرمایا نہیں اب تو حسنِ خاتمہ کی دعا کیجئے۔ بہر حال وہ حضرات
تقریباً دن میں دس بجے کے قریب وہاں سے رخصت ہوئے۔ صحن میں دھوپ ہو گئی تھی چارپائی
اندر دالان میں بچھائی گئی۔ حکیم مرتضیٰ خاں نے جو حضرت کے معالج تھے اندر آنے کی اجازت چاہی
تو آپنے اپنے صاحبزادے حضرت مولانا مشاہد رضا خاں صاحب سے کہلوایا کہ حکیم صاحب سے کہدو
کہ بریلی شریف حضرت مفتی اعظم ہند کی اہلیہ علیل ہیں وہاں تشریف لے جائیں اب میرا وقت آ
گیا ہے اسکے بعد فرمایا گرمی معلوم ہو رہی ہے کرتا اتار دیا۔ اور قبلہ کیطرف رخ کر کے لیٹ گئے
فرمایا سب لوگ ہٹ جاؤ میں کچھ پڑھوں گا۔ سب لوگ ہٹنے لگے۔ مولانا مشاہد رضا خاں آپ کے پاس
سامنے بیٹھے تھے۔ وہ خدمت کے ارادے سے بیٹھے رہے۔ تو اُن سے مکرر فرمایا بھیّا جاؤ کچھ پڑھوں
گا۔ تو وہ بھی اُٹھ گئے۔ حضرت نے سورۂ یٰسین شریف شروع کی۔ اور بلند آواز سے تلاوت کرتے
رہے۔ سورۂ مبارکہ پڑھکر اور کچھ پڑھنا شروع کیا۔ آواز کم ہونے لگی۔ جب زیادہ کم ہوئی گھر کے
تمام لوگ قریب آگئے۔ مولانا مشاہد رضا خاں نے نبض پہ ہاتھ رکھا تو نبض نہ ملی۔ حضرت نے اسی
وقت کلمہ طیبہ پڑھا —— اور تبسم فرماتے ہوئے دنیائے فانی سے ۸ر محرم الحرام
۱۳۸۰ھ مطابق ۳ر جولائی ۱۹۶۰ء بروز یکشنبہ دن میں ۱۰ر بجکر ۲۰ر منٹ پر آغوش رحمت میں چلے
گئے۔ اس طرح وہ مرد جاں نثار بڑی خاموشی سے مسکراتے ہوئے ابدی نیند سو گیا۔ بلا شبہ وہ
بقول شاعر " کانہ بنیان قوم تہدما " کے مصداق تھے۔
آپ کی وفات حسرت آیات پر علماء وفضلاء نے تاریخی قطعات لکھے جن کا انتخاب ذیل
میں دیا جا رہا ہے۔ الحاج شیر بیشہ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم
طال رحمۃ اللہ علیہ فادخلوھا طاب خلودا موت العالم موت العالم الجمع
علامہ دھر مولانا حشمت علی رضی اللہ عنہ یا محی رضوان ربہ علیہ اس طرح علماء وشعراء
نے متعدد تاریخی مادے نکالے ذیل کا تاریخی مادہ آپکے برادر اصغر مفتی اعظم بمبئی کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے
مرضی الرحمٰن ہے جب تاریخ رحلت آپکی ؛ خلد میں داخل ہو حضرت قبلہ ام حشمت علی
ھ ۱۳ ۸۰
۱۳۸۰ھ

دوسرا باب

خاندانی شخصیات

حافظ نواب علی خاں

امیٹھی ضلع لکھنؤ کا مشہور زرخیز قصبہ ہے۔ یہ قصبہ کئی خصوصیات کی وجہ سے بہت مشہور رہا ہے کئی اہل علم وادب شخصیتوں نے یہاں جنم لیا۔ حضرت اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے استاد گرامی حضرت ملا جیون علیہ الرحمۃ والرضوان کا تعلق اسی قصبہ سے تھا۔ حضور شیر بیشۂ سنت کے جد اعلیٰ حضرت محمد خاں آفریدی رحمۃ اللہ علیہ جب دُرّۂ خیبر سے ہندوستان آئے تو یہاں اُن کا تقرر فوجی افسر کی حیثیت سے ہوا۔ چوں کہ حرب وضرب اور اس سے متعلق دیگر معاملات میں انھیں بڑی مہارت تھی اس لئے وہ اپنے حسن کارکردگی کی بنا پر معافیات کے حقدار ہوئے۔ اور کچھ عرصہ بعد یہ معافیات انھیں بندگی میاں صاحب کی امیٹھی میں تفویض ہوئیں۔ معافیات سے متعلق جملہ کاغذات ہنگامۂ غدر کی نظر ہو گئے اور جائداد کو نہ جانے کن کن لوگوں نے ہتھیا لیا۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ محمد خاں آفریدی اپنے خاندان کے محمد سعادت خاں اور محمد حیات خاں کے ہمراہ آج بھی حضرت ملا جیون کے مزار مقدس کے کچھ فاصلہ پر اپنی آراضی میں آرام فرما ہیں۔(۱)

محمد خاں آفریدی کے پوتے محمد حیات خاں کی شادی لکھنؤ کے ایک شریف متمول گھرانے میں ہوئی۔ اُن سے چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے تولد ہوئے۔ بڑے صاحبزادے کا نام جناب اولاد علی تھا اور چھوٹے صاحبزادے کا نام نواب علی۔ یہی حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ہیں۔

محمد حیات خاں کا جب انتقال ہو گیا تو نواب علی خاں کی والدہ اپنی تمام اولاد کو لے کر لکھنؤ چلی گئیں اور تمام بچوں کی ناز ونعم کے ساتھ وہیں پرورش کی۔ بڑے بیٹے اولاد علی کی شادی بارہ بنکی کے قدوائی خاندان میں ہوئی۔ جبکہ نواب علی کا عقد مبارک عالیجناب امیر بخش خاں ساکن ملایاں ضلع اناؤ کی دختر نیک اختر سے ہوا۔ یہی دختر نیک اختر حضور شیر بیشۂ سنت کی والدہ ماجدہ تھیں۔

---

(۱) محبوب علی : سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۳۵

حضور شیر بیشہ سنت کے والدین کریمین دونوں عمدہ حافظ قرآن اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ جناب نواب علی خاں کی یادداشت کا عالم یہ تھا کہ انھیں لوگ "ابوالحفاظ" کہا کرتے تھے۔ ذہن ودماغ ہی نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں تقویٰ ودینداری رچی بسی تھی خلاف شرع کسی کام کے کرنے سے صرف گریز ہی نہیں کرتے تھے بلکہ کرنے والوں کو بری نگاہ سے دیکھتے بھی تھے۔ حضرت مولانا ہدایت رسول رام پوری رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل تھا۔ اسلئے امام احمد رضا فاضل بریلوی سے بھی آپ کو بے پناہ عقیدت تھی۔ مرشد کی آپ پر خصوصی توجہ رہتی ۔ اسی توجہ کا نتیجہ ہے کہ آپ کے بیٹے نے ہمہ گیر شہرت حاصل کی اور کتنے گم گشتگان راہ کو دامن اسلام سے وابستہ کیا۔ یہ تابین والدین کیلئے یقیناً عزت وافتخار اور نیک نامی کا باعث ہیں۔

۱۳۵۱ھ میں جب حضور شیر بیشۂ سنت دورۂ رنگون پر تھے تو لکھنؤ میں آپکا وصال پر ملال ہوگیا۔ جب اس حادثہ جانکاہ کی اطلاع حضور شیر بیشہ سنت کو رنگون میں ملی تو صدمہ سے دوچار ہوگئے۔ مگر اشاعت دین حق کا ایسا پُر پیچ مسئلہ درپیش تھا کہ اُسے چھوڑ کر فوراً گھر نہ آسکے۔ اس حادثۂ رحلت سے متاثر ہوکر جناب سیٹھ محمد ہارون انصاف نے درج ذیل قطعہ لکھا ؎

نواب علی جنہیں کہتا ہے زمانہ ،
تھے مرد خدا صاحب دل صاحب ایمان
انصاف سنادو یہ نوید سن رحلت
فردوس میں ہیں آج وہ نواب علی خاں (۱)

(۱) محبوب علی : سوانح شیر بیشہ سنت ص ۱۲۱

حضرت مولانا محبوب علیخاں رحمۃ اللہ علیہ

غازی ملت حضرت مولانا مفتی ابوالظفر محب الرضا محمد محبوب علی خاں صاحب قادری مفتی اعظم بمبئی حضور شیر بیشہ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اصغر تھے۔ لکھنؤ میں ولادت ہوئی۔ حفظ قرآن پاک اور ابتدائی تعلیم دارالعلوم منظر اسلام" بریلی شریف میں حاصل کی۔ "دارالعلوم حزب الاحناف" لاہور میں حضرت مولانا سید دیدار علی الوری قدس سرہٗ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کرکے سند فضیلت حاصل کی (۱)

اللہ تعالےٰ نے حق بولنے وحق لکھنے کی بے پناہ صلاحیت آپکو عطا کی تھی۔ تحریر سے آپکو اس درجہ شغف تھا کہ تادم زیست پرورش لوح وقلم اور پھر اسکی نشرواشاعت میں سرگرم عمل رہے۔ آپنے اکثر اصلاح عقائد فاسدہ کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ خوب لکھا ہے اور حق ادا کردیا ہے۔ کتابوں کا موضوع خالص علمی رنگ لئے ہوئے ہے۔ کتابوں کے مطالعہ سے مصنّف کی علمی دقیقہ رسی اور نکتہ شناسی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپکی جملہ تصانیف کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اتنا لکھنے میں ضرور حق بجانب ہوں کہ وہ درجنوں اہم کتابوں کے مصنّف تھے۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد ایک عرصہ لکھنؤ میں دین حق کی اشاعت فرماتے رہے۔ آپ کی تحریروں میں وہ جاذبیت تھی جو پڑھتا بغیر متاثر ہوئے نہیں رہتا۔ انہی خوبیوں کے تحت آپ کو پٹیالہ آنے کی دعوت دی گئی۔ آپ پٹیالہ تشریف لے گئے۔ پھر وہاں آپ کی جو پذیرائی ہوئی اس کی تصدیق اس عبارت سے لگائی جاسکتی ہے۔

مسلمانوں کی اس ناگفتہ بہ حالت سے متاثر ہوکر حضرت قبلہ مولانا مولوی مفتی محبوب علی خاں کو لکھنؤ سے پٹیالہ تشریف لانے کی دعوت دی گئی۔ آپ تشریف لائے اسوقت تک پٹیالہ میں بیس کے قریب وعظ ہوچکے ہیں آپ کا وعظ بیحد

(۱) محمود احمد : تذکرہ علمائے اہلسنت ص ۲۳۲

پُرتاثیر ہوتا ہے پٹیالہ میں اسوقت علم وعرفان کی ایسی بارش ہورہی ہے کہ ہر ایک اہلسنت وجماعت مسلمان مفتی صاحب قبلہ کا دالہ وشیدا بنا ہوا ہے۔ جامع مسجد میں بے شمار نمازی آنے لگے ہیں اور حضرت مولانا صاحب قبلہ کو جامع مسجد میں تمام نمازیوں نے مفتی مقرر کرلیا ہے اور دستار پہنادی گئی ہے۔ پٹیالہ شہر اور مضافات اور ریاست کے تمام مسلمان آپکے تقرر سے بیحد خوش ہیں۔ اور پٹیالہ میں اس وقت مسلمانوں میں خاص محبت اور اتفاق پیدا ہورہا ہے ..... ہم حضرت قبلہ مفتی صاحب کی درازیٔ عمر کیلئے دعا کرتے ہیں جسکی وجہ سے پٹیالہ کو یہ نیک دن دیکھنا نصیب ہوا۔" (۱)

حضرت مفتی صاحب نے علم دین کی جو شمع وہاں روشن کی ہے اس سے اپنے تو اپنے بیگانوں کے قلوب بھی منور ہوئے بغیر نہیں رہ سکے ہیں۔ کتنوں کو آپنے داخلِ اسلام کیا۔ ایسا جادوئی لب ولہجہ خدا نے آپکو عطا کیا تھا کہ ہر تقریر میں کوئی نہ کوئی دشمن رسول عاشق رسول ضرور بن جاتا۔ پٹیالہ میں اشاعتِ اسلام پر تبصرہ کرتے ہوئے چودھری اختر علی لکھتے ہیں۔

"مسلمانوں میں ایمانی روح اور مذہبی بیداری پیدا ہورہی ہے۔ چنانچہ مخالف کو بھی آپکے وعظ میں آکر سرِ تسلیم خم کرنا ہی پڑتا ہے۔ قدرت نے عجب مبارک طریقۂ استدلال آپ کو ودیعت فرمایا ہے۔ ۲ر جمادالاول بروز جمعہ مبارکہ ۱۳۵۳ھ کو قبل نماز جمعہ جبکہ وہ وعظ فرمارہے تھے ایک شخص مسمّی ملکندا ولد بھاگ ساکن تیرنگ ضلع حصار نے برضا ورغبت خود ہزاروں مسلمانوں کے روبرو حضرت علامہ کے دست حق پرست پر ہندو مذہب سے توبہ کی اور اسلام قبول کیا۔ اسلامی نام "محمد بخش" رکھا گیا (۲)

اسی طرح ایک اور وعظ میں ایک عیسائی اسلام کی دولت سے مالامال ہوا جسکا ثبوت درج ذیل کی

(۱) الفقیہہ امرتسر اگست ۱۹۳۷ء ص ۱۰
(۲) الفقیہہ امرتسر ۲۱ر اگست ۱۹۳۷ء ص ۱۰

عبارت میں ملتا ہے۔

" حضرت مولانا محبوب ملّت پٹیالہ میں تشریف لائے ہیں۔ حقانیت اسلام وصداقت بانی اسلام پر خوب خوب بدلائل عقلیہ ونقلیہ وعظ فرمارہے ہیں۔ چناں چہ آج ۱۵ر شعبان روز پنجشنبہ ۱۳۵۶ھ کو بعد نماز ظہر جامع مسجد پٹیالہ میں بحضور خاص وعام ایک عیسائی مسمّی تواری ولد آتمارام ساکن ریاست نہند انبالہ برضا ورغبت خود صداقت اسلام معلوم کرکے حضرت علامہ ابوالظفر مفتی صاحب پٹیالہ کے دست حق پرست پر عیسائیت کے عقیدۂ تثلیث سے توبہ کرکے مشرف باسلام ہوا۔ اسلامی نام عبدالرشید خاں رکھا گیا۔" (۱)

عروس البلاد بمبئی عظمیٰ میں سنیت کی اشاعت آپ ہی کی شبانہ روز جدّوجہد کا نتیجہ ہے پٹیالہ میں ایک عرصہ خدمتِ دین انجام دینے کے بعد حضور شیر بیشۂ سنت کے حکم سے بمبئی جیسے عظیم شہر میں سُنی بڑی مسجد مدنپورہ میں امام وخطیب کی حیثیت سے چلے آئے اور ساتھ ہی انھیں اس عظیم شہر میں افتار کی ذمہ داری آپ کے سپرد کرکے آپکو مفتی اعظم بمبئی جیسے اہم لقب سے نوازا گیا۔ ابتدائی دور میں ماحول ناموافق ملنے کیوجہ سے تھوڑی پریشانی ضرور ہوئی۔ مگر بعد میں آپنے اپنی نرم خوئی اور لب ولہجہ کی متانت، مخلصانہ رویّے سے بمبئی والوں کو ایسا گرویدہ کرلیا کہ مذہب کا بڑا سے بڑا کام ان سے لینے میں ذرہ برابر تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ اسی دور میں اشاعت دین کی خاطر کتب خانہ اہلسنت کا قیام عمل میں آیا۔ جسکے زیراہتمام کئی درجن اہم اصلاحی اور علمی کتابیں طبع ہوکر ارباب ذوق تک پہنچیں۔

بمبئی میں یوں تو نہ جانے کس کس طرح کی پریشانیوں سے آپ دوچار رہے مگر مقدمہ بمبئی اور انقلاب اینڈ کمپنی کی سازشوں کا شدید جال آپ اور آپ کے مخلصین اہل سنت کا ایک عظیم امتحان تھا جو دنیائے سنّیت کی وہ روشن تاریخ ہے اور آج بھی منزلوں کے پیچ وخم میں ہماری رہنمائی کیلئے کافی ہے۔ زندگی کے اس سخت ترین موڑ پر آپ کی محبت کا خلوص نیت

(۱) الفقیہہ امرتسر ۲۸ر اکتوبر ص ۱۸ ۱۹۳۷ء

کا، عزم اور حوصلہ کا، جذبۂ وفاداری کا، جانثاری اور استقامت فی الدین کا جس جس طرح بھی امتحان لیا گیا تو آپ اسلام وسنّیت کی نشر واشاعت کی خاطر اہل باطل کے ہزار ہا باطل طوفانوں میں نہ صرف ثابت قدم رہے بلکہ برابر مسکراتے ہوئے نظر آتے۔ رفیقوں کے قدم ڈگمگا گئے اور احباب کے چہروں پر اداسی چھا گئی مگر کوئی زلزلہ آپکے پائے ثبات کو متزلزل نہ کر سکا اور نہ آپکے عزم محکم میں کسی قسم کی جنبش پیدا ہوئی۔ اللہ اور اس کے رسول جل جلالہ، وصلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی شاندار کامیابیوں سے ہمکنار کیا کہ بمبئی ہی نہیں بلکہ مہاراشٹر کی تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ آل انڈیا سنّی جمعیۃ العلماء بمبئی اس عظیم الشان فتح ونصرت کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے (۱)

شریعت کا انھیں بے حد پاس تھا۔ زہد وتقویٰ ان کی زندگی کا ایک حصّہ بن چکا تھا کسی کام کے کرنے سے پہلے شرعی نقطۂ نظر سے اسکا جائزہ ضرور لے لیتے۔ فرائض و واجبات پر عمل تو تھا ہی مستحبات ومسنونات کی بھی اُن کے یہاں بڑی قدر اور اہمیت تھی۔ زیارت حرمین شریفین کی سعادت سے بھی بہرہ مند تھے۔ بیعت وارادت کا بھی سلسلہ تھا۔ سلسلۂ قادریہ میں بیعت کرتے تھے۔ سیکڑوں مریدین اُن کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہیں۔ آپ کے مریدین "محبوبی" لکھتے ہیں۔ آپ خود اعلیٰحضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خاں قادری کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔ آپکے مریدین میں خلوص ومحبت کا جذبہ آپ ہی کیطرح ہے۔ قاری ممتاز محبوبی جو آپ کے خادمِ خاص ہونے کے ساتھ ایک زمانے میں میرے رفیق درس تھے ان کے رکھ رکھاؤ اور آدابِ گفتگو سے غازیٔ اہلسنت مفتی اعظم بمبئی کی عظمت اور کردار واطوار کا اندازہ ہو چلا تھا۔ مثل مشہور ہے درخت اپنے پھل اور پیر اپنے مرید سے پہچانا جاتا ہے جب تک بقیدِ حیات رہے اشاعتِ دین حق کو مقصودِ زندگی سمجھتے رہے۔ ۴ ۲ر جمادی الآخر ۱۳۸۵ھ مطابق ۲ر اکتوبر ۱۹۶۵ء کو سفر آخرت کیا (۲) ہزاروں سوگواروں کو روتا بلکتا

(۱) حشمت میگزین ۱۹۸۶ء

(۲) منصور علی : خوابوں کی بارات ص ۱۵ بمبئی ۱۹۸۲ء

چھوڑ کر یکہ وتنہا سامانِ آخرت لیکر آخرت کی طرف چل پڑے۔ یادگار ہیں صاحبزادے اور صاحبزادیوں کے علاوہ ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی آپکی تصانیف ہیں جو رہتی دنیا تک آپ کی علمی عظمت کا اعتراف اہل علم وفن سے کراتی رہیں گی۔

صاحبزادگان میں سنی جامع مسجد مدنپورہ بمبئی کے موجودہ امام وخطیب حضرت مولانا قاری محمد منصور علی اور ان کے برادر اصغر فاضل اشرفیہ مولانا محمد مقصود علی صاحبان ہیں۔ یہ دونوں حضرات اسلام وسنیت کی اشاعت میں سرگرم ہیں۔ اوّل الذکر نے خطابت کا خوب ملکہ پایا ہے ہندوستان کے اطراف ونواحی میں ان کی خطیبانہ شوکت وحشمت کے چرچے ہیں۔ وعظ وتبلیغ کی مصروفیت کے سبب غالبًا تحریری صلاحیتوں کے اجاگر کرنے کا موقع نہیں ملتا پھر بھی ردومناظرہ کے موضوع پر ان کی دو کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں (۱) تبلیغ یا دھوکہ (۲) خوابوں کی بارات۔

مولانا مقصود علی دونوں صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ ذہن ودماغ دونوں بھائیوں کا مناظرانہ ہے۔ جس کا اظہار نوک زبان اور رشحات قلم سے ہوتا رہتا ہے۔ اپنے والد ماجد کی حیات طیبہ سے متعلق "حالات محبوب ملت" کے عنوان سے ایک مبسوط سوانح لکھنے کا سلسلہ شروع کر چکے ہیں (۱) خدا کرے وہ کتاب جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر لائبریریوں کی زینت بنے۔

حضرت مولانا مفتی محبوب علی رحمۃ اللہ علیہ زبان وقلم دونوں کے دھنی تھے انکی جتنی تحریریں راقم کی نظر سے گذری ہیں سب میں دلائل وبراہین کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ جس سے ان کی وقت نظر وسعت مطالعہ اور علمی تحقیق وجستجو کا پتہ چلتا ہے۔ آپکی بیشتر تصانیف مختصر مگر جامع ہیں۔ دریا کو کوزے میں بند کرنے کا جو سلیقہ آپ کو تھا وہ کم مصنفین کے یہاں ملتا ہے۔

آپ نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ اور خوب لکھا ہے۔ جس پر بھی قلم اٹھایا سیر حاصل بحث کی۔ کوئی گوشہ تشنہ نہ رہنے دیا۔ ایک محتاط روایت کے مطابق آپ

(۱) خوابوں کی بارات ص ۱۶ بمبئی ۱۹۸۲ء

کی تصانیف کی کل تعداد بہتر بتائی جاتی ہے۔ جس میں ضخیم مطبوعات کے علاوہ رسائل بھی شامل ہیں۔ اشتہارات اور کتابچے اس پر مستزاد ہیں۔

ردّ و مناظرے کے موضوع پر آپ کی بیشتر تصانیف ہیں۔ باقی تصانیف مسائل شرعیہ سے بحث کرتی ہیں۔ چوں کہ تادم زیست آپ سے ایک خلقت مسائل دریافت کرتی رہی اور آپ بحیثیت مستند مفتی کے یہ دینی امور انجام دیتے رہے، اس لئے ایسی کتابوں میں گہرائی و گیرائی کے ساتھ تحقیقی مواد بھی ہے۔ جتنی کتابیں میں نے مطالعہ کی ہیں یا جتنی کتابوں کے اسمار نظر سے گذرے ہیں اسکی روشنی میں آپ کی جملہ تصانیف کو تین حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) سیرت و سوانح (۲) مسائل شرعیہ (۳) ردّ و مناظرہ

(الف) سیرت و سوانح

(۱) خصائص ابو حنیفہ (۲) تلامیذ ابو حنیفہ (۳) کرامات صحابہ کرام (۴) کرامات سادات و آل اطہار (۵) فضل و اعزاز امیر معاویہ (۶) فضائل سیدنا فاروق اعظم (۷) مشاہدہ مولانا حشمت علی

(ب) مسائلِ شرعیہ

(۱) نور کی تفسیر (۲) تفسیر حدیث لولاک (۳) اربعین شدت (۴) فضائل شب برآت (۵) فضائل ماہ رمضان مع مسائل صیام (۶) فضائل مدینۃ الرسول (۷) اسلامی قانون تجارت (۸) اولیار کرام کی نذر و نیاز (۹) الاقوال باحکام تجویز الفاتحہ (۱۰) سبیل و طعام نذر و نیاز حسین (۱۱) دعائے ثانی کا ثبوت (۱۲) مرآۃ حسن بے مثال (۱۳) ثبوت ہلال کے چند طرق (۱۴) تھانوی کے حمایتی پر شرعی فتویٰ (۱۵) تنویر الایقان (۱۶) الجح الکلام فی منع قرآۃ خلف الامام (۱۷) ترجمہ جامع مسانید امام اعظم (۱۸) بخشائش عزیزاں

(ج) ردّ و مناظرے

(۱) مطائح تہذیب دیوبند (۲) دلائل خلافت راشدہ (۳) الصوارم المحمدیہ علی

کفرۃ المرزائیۃ الدیوبندیہ (۴) برق خداوندی ردّ بے دینی وہابی دیوبندی (۵) تاریخ ایمان وہابیہ (۶) تواریخ مجدّد دین حزب وہابیہ (۷) دیوبندی ترجموں کا آپریشن (۸) مودودی صاحب کا الٹا مذہب (حصہ اول) (۹) مودودی صاحب کا موٹا مذہب (حصہ دوم) (۱۰) مودودی تحریک کی جلی خصوصیات (۱۱) قہر معبودی بر جسارتِ مودودی (۱۲) قدر و منزلت تقلید (۱۳) وہابیہ کے آئینہ خط و خال (۱۴) کل وہابیہ ہند سے ستر سوالات (۱۵) نجوم شہابیہ بر تزویر اصحاب وہابیہ (۱۶) تکفیری افسانے کے تجزیئے حصہ اول و دوم (۱۷) العذاب الباس علی رأس الیاس (۱۸) تبلیغی جماعت کیا ہے اور کیا چاہتی ہے (۱۹) ابن عبدالوہاب کی کہانی (۲۰) سیوف پیر بگلوئے مانعین باب یادستگیر (۲۱) سل الحسام علی الظلام (۲۲) الرجم برائے اقوال ایڈیٹر النجم (۲۳) کھرّا کھری کا مباحثہ (۲۴) قبائح حفظ الایمان والمہند (۲۵) بوارق الہٰیۃ ——— اُس کے علاوہ آپکے خطبات دو مبسوط جلدوں میں ہیں جنمیں چوبیس چوبیس تقریریں عنقریب اردو ترجمہ کیساتھ شائع ہونگی۔

جس زمانے میں آپ ریاست پٹیالہ کے عظیم عہدے پر فائز تھے۔ ان ایام میں آپ نے سیکڑوں فتاوے قرآن واحادیث کی روشنی میں دیئے وہ فتاویٰ آج کئی مبسوط ضخیم جلدوں میں اشاعت پذیر ہوئے مگر افسوس انکا مجموعہ تقسیم ہند کے ہنگاموں کی نذر ہو گیا۔

جس انہماک اور لگن کے ساتھ آپنے لوح و قلم کی پرورش کی ہے اسکی نظیر اور کہیں مشکل سے ملتی ہے اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرت شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ پورے ملک کا دورہ فرما کر تقریر و مناظرہ کے ذریعے خدمت دین و اشاعتِ حق کا فریضہ انجام دے رہے تھے تو انکے برادر اصغر حضرت محبوب ملت مولانا محبوب علیخاں علیہ الرحمہ سُنی بڑی مسجد مدن پورہ بمبئی اپنے حجرے سے بیٹھے بیٹھے نہایت خاموشی لیکن حد درجہ مستعدی و باخبری کیساتھ اپنے قلم کے ذریعے دین متین و مسلک اہلسنت کی اشاعت کیخدمت انجام دیتے ہوئے پوری ملت کیطرف سے فرض کفایہ ادا کر رہے تھے اور ہر باطل کیلئے انکا قلم تیر و نشتر بنا ہوا تھا جسکی کسک اور تڑپ آج بھی فرقہائے باطلہ محسوس کر رہے ہیں۔ (۱)

اللہ تعالیٰ قوم مسلم کو ان کا کوئی بدل عطا کرے اور اُن کے صاحبزادگان کو ان کا صحیح اور سچا جانشین بنا کر ان کی نیابت کا بھرپور حق ادا کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے (آمین)

(۱) سوانح شیر بیشہ سنت : ص ۲۴

اولاد

حضرت علامہ مشاہد رضا خانصاحب

حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے فرزند ارجمند اور موجودہ سجادہ نشین آستانہ حشمتیہ حشمت نگر پیلی بھیت شریف حضرت مولانا مشاہد رضا خاں عمت فیوضہم المبارکہ کی ذاتِ گرامی ہے۔ خطابت کے علاوہ تقریباً جملہ صفات میں آپ اپنے والد کے صحیح اور سچے جانشین ہیں۔

۱۳۵۱ھ میں جب حضور شیر بیشہ سنت دورہ رنگوں پر تھے تو آپکے دادا حافظ نواب علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا اور اسی سال جمادی الآخرہ کے مہینے میں آپکی ولادت ہوئی۔ رنگون میں جب حضور شیر بیشۂ سنت کو آپ کی ولادت باسعادت کی خبر ملی تو اظہار مسرت فرماتے ہوئے تاریخی نام "مختار علی" تجویز کر کے ارسال فرمادیا جبکہ اس سے قبل حضور شیر بیشۂ سنت کے برادر اصغر مولانا محبوب علی بچے کا اصل نام "محمد" تجویز کر چکے تھے اس طرح یہ نام مل کر "محمد مختار علی" ہوگیا (۱) کئی سال تک اسی نام سے آپکو یاد کیا جاتا رہا۔ پھر نہ جانے کس وجہ سے یہی نام "مشاہد رضا" میں تبدیل ہوگیا۔

حضرت مولانا مشاہد رضا قادری کی ابتدائی تعلیم آغوش مادر و پدر میں ہوئی۔ تکمیلِ علوم کے لئے آپنے دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا۔ اور انتہائی محنت لگن اور توجہ کے ساتھ تعلیم حاصل کی اور ادارہ میں اپنی صلاحیتوں کے سبب ممتاز ہو گئے۔ اس ادارہ کو اپنے جن فارغین پر ناز ہے ان میں آپ کی ذات ستودہ صفات بھی ہے۔ نحو، صرف، لغت، معانی بیان اور منطق و فلسفہ جیسے مشکل ترین مضامین میں آپ کو بڑی مہارت حاصل ہے ان علوم میں بالادستی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے صراح، تاج العروس جیسی معرکۃ الآرا لغات کی کتابوں کی عربی عبارتیں زبانی طور پر آپ بحث و مباحثہ کے موقع پر بطور دلیل پیش کر دیتے ہیں جبکہ

(۱) محبوب علی : سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۱۲۱

اس زمانے میں عام طور سے لوگ علم لغت کیطرف کم توجہ کرتے ہیں۔ تحقیق و تجسس کا بھی خوب ملکہ حاصل ہے۔ ایک بات کو جبتک کئی مستند حوالوں سے ثابت نہیں کر لیتے ہیں اطمینان قلب مفقود رہتا ہے۔

حضرت مولانا مشاہد رضا خانصاحب قبلہ میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک شریف انسان میں عام طور سے پائی جاتی ہیں۔ صداقت شعاری، راست بازی، کہتر نوازی، وعدہ وفائی جیسی خوبیوں میں آپ اپنی مثال آپ ہیں اور تقویٰ، تدین، پابندی صوم و صلوٰۃ کے معاملے میں آپ سلفِ صالحین کے کامل نمونہ ہیں۔ لیکن وہ خوبی جو آپ کو دوسرے علمائے اہل سنت سے ممتاز کرتی ہے وہ "تصلّب فی الدین" ہے۔ دینی تصلّب اسی اہتمام کے ساتھ آپ میں بھی ہے جس اہتمام کے ساتھ آپ کے والد ماجد میں تھا۔ خلاف شرع ایک لفظ سننے کے لئے روادار نہیں۔ بارگاہ رسالت میں گستاخی کا ایک لفظ سنتے ہی چراغ پا ہو جاتے ہیں۔ کوئی شاعر یا مقرر آپ کی موجودگی میں ممبر خطابت پر کوئی ایسا لفظ استعمال کر جائے جس سے بارگاہِ رسالت میں گستاخی ثابت ہو رہی ہو تو فوراً آپ وہیں مجمع عام میں توبہ کروا لیتے ہیں۔

مناظرہ میں کمال حاصل ہے۔ ردّ و مناظرہ کی کتابیں ساتھ لیکر چلتے ہیں۔ وہابیہ اور دیوبندیہ کی جن کتابوں کی عبارتوں سے شانِ رسالت میں گستاخی ثابت ہوتی ہے وہ صفحات آپکو زبانی یاد ہیں۔ بات بات میں صفحہ کھولکر پیش کر دیتے ہیں عظمتِ رسالت اور اصلاحی موضوعات پر وعظ و نصیحت بھی کرتے ہیں۔

تقریر اکثر تردید مذاہب باطلہ کے موضوع پر ہوتی ہے مذہب حق کی تائید اور ثبوت میں قرآن و احادیث سے بیشتر دلائل پیش کرتے ہیں جس کے سبب آپ کی تقریر خالص علمی ہو جاتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حلقۂ عوام میں آپکی تقریر مقبول نہیں۔ زبان و بیان کیطرح قلم میں بھی پختگی ہے۔ کوئی قلمی کاوش کتابی شکل میں راقم السطور کی نظر سے تو نہیں گذری ہے البتہ فتاوی اور علمی مباحث کو آپنے مقالہ کی شکل میں الفاظ کا جامہ پہنایا ہے اگرچہ اسکی تعداد بہت مختصر ہے مگر جو لکھا ہے وہ ہر لحاظ سے معیاری و قابلِ قدر ہے۔

آپ انتہائی کھلے ذہن و دماغ کے آدمی ہیں موقع پرستی آپکے یہاں نہیں دیکھی گئی۔

رضائے مولیٰ کے مطابق زندگی کا ہر لمحہ بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کئی بار راقم السطور کو آپ کی خدمت میں رہنے اور فیضیاب ہونے کا موقع ملا ہے۔ مگر ان تمام ملاقاتوں میں پہلی ملاقات کئی وجوہ سے خصوصیت کی حامل ہے۔ یہ کوئی ۱۹۷۱ء کی بات ہے جس زمانے میں مدرسہ معراج العلوم بھدوکھر بازار سدھارتھ نگر میں زیر تعلیم تھا۔ جب آپ کی پہلی بار اس گاؤں میں آمد ہوئی تو میری خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ حضور شیر بیشۂ سنّت کے فضائل وکمالات سُنتے سُنتے کان تو مانوس ہو چکے تھے۔ زیارت سے محروم اس وجہ سے رہا کیونکہ وہ اسی وقت پردہ فرما چکے تھے۔ جب میری عمر کوئی سال ڈیڑھ سال رہی ہوگی۔ اسلئے اُن کے شہزادگان کا دیدار ہی میرے لئے کسی معراج زندگی سے کم نہ تھا ——— بہر حال میں بھی اپنے سینئر ساتھیوں کے ساتھ اٹوا بازار تک پیدل استقبال کے لئے گیا۔ اور بڑے ہی اعزاز واکرام کے ساتھ آپ کو بھدوکھر بازار لایا گیا۔ چونکہ اس مدرسے میں داخل ہوئے مجھے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے تھے۔ اس لئے بڑوں کا ادب اسطرح دامنگیر تھا کہ پاس جاتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا تھا اور لحاظ اس کا بھی تھا کہ کہیں کوئی گستاخی نہ سرزد ہو جائے اور میں اساتذہ کی نظر میں معتوب ہو جاؤں۔ جس ماحول سے نکلکر میں بھدوکھر بازار حصولِ علم کیلئے آیا تھا۔ اس اعتبار سے آپکی شخصیت میرے لئے کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھی۔

موصوف کا قیام اس ادارہ اور اطراف ونواحی میں تقریباً ایک ہفتہ رہا۔ کئی انداز سے راقم السطور کو ان سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔

بارگاہ مستجاب الدعوات میں استدعا ہے کہ موصوف کا سایہ، صحت وسلامتی کے ساتھ امت مسلمہ پر تادیر باقی رہے اور عامۃ المسلمین بطور خاص مسلمانانِ اہلسنت وجماعت کو ان کی ذات سے بیش از بیش فیوض وبرکات حاصل کرنے کی سعادت میسر ہو (آمین)

حضرت مولانا مشہود رضا خانصاحب

آپنے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کیلئے مبارکپور کا سفر کیا۔ وہیں سے علوم متداولہ کی تکمیل کر کے سند فضیلت حاصل کی۔ بزرگان دین کی عقیدت دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے یادالٰہی کے سبب اکثر دنیا ومافیہا سے بیخبر رہتے

ہیں۔ ذہن ودماغ متصوفانہ ہے۔ خلاف شرع باتوں پر ناخوشگی جلال وغضب کی سرخی بنکر چہرہ پر دوڑ جاتی ہے اور کبھی کبھی تو بے تابو ہو جاتے ہیں۔ چھوٹوں سے پیار محبت کا جذبہ بھی خوب رکھتے ہیں۔ راقم السطور پر بے حد شفیق ومہربان ہیں۔ گونڈہ بستی کے علاوہ یوپی کے اور دیگر اضلاع میں آپکے بشتیر معتقدین ہیں۔ اشاعت دین حق کیلئے ماہ وسال کے اکثر ایام سفر میں بھی گذارتے ہیں۔ بعض دینی مدارس بھی آپ کی زیر سرپرستی اشاعت دین حق میں سرگرم عمل ہیں۔

حضرت مولانا عسکری رضا خانصاحب

حضور شیر بیشۂ سنّت رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاہزادگان میں حضرت مولانا عسکری رضا خاں علیہ الرحمہ کو بے حد چاہتے تھے۔ جب آپ کی ولادت ہوئی تو شیر بیشۂ سنت نے یہ عبارت تحریر فرمائی۔۔

"بعون اللہ تعالے ولعون حبیبہ صلی اللہ تعالے علیہ وعلی آلہ وسلم شب دوشنبہ مبارکہ ۱۹ رجب مرجب ۱۳۶۱ھ کو سوا دس بجے ساعت عطارد میں فقیر کے گھر میں تیسرا لڑکا پیدا ہوا۔ نام محمد عرف تاریخی "عسکری رضا خاں" (۱۳۶۱ھ) رکھا بارك الله سبحانه وتعالىٰ فى عمره وعلمه ودينه ودنياه وجعله حاميا للدين المتين وماحيا الشرور المبتدعين والمرتدين والكافرين والملحدين امين بحرمة حبيبه الامى الامين المكين عليه وعلىٰ اله وصحبه وابنه الغوث الاعظم وحزبه الصلوٰة والسلام وعلى مرشدنا المجدد الاعظم وعلينا وعلىٰ جميع اهل سنته وجماعته بهم ولهم وفيهم ومعهم الى يوم الدين بل الىٰ ابد الابدين امين برحمتك يا ارحم الرحمين ثم امين"

عسکری رضا خاں مرحوم جوانی کے ابتدائی ایام میں گھر سے باہر چلے گئے۔ اور تقریباً دس سال کی طویل مدت گھر سے باہر سیر وسیاحت میں گذاردی ۲۰ سے ۳۰ سال کی عمر کے دوران جب گھر واپس آئے تو ان کی اہلیہ محترمہ اُن کے ساتھ تھیں۔ گھر آنے کے بعد تجارت شروع کردی اور گھر کی باگ ڈور سنبھال لی۔ یہ سلسلہ کل چھ ماہ ہی چل پایا تھا کہ بیماری کا ایسا عارضہ لاحق ہوا

کہ جاں بر نہ ہو سکے۔ اور یہی مرض ان کیلئے مرض الموت ثابت ہوا۔

عسکری رضا خاں کے وفات کے کچھ ہی دنوں بعد اُن کی بچی کی ولادت ہوئی۔ جو والد گرامی ہی کیطرح نیک صورت و نیک سیرت ہے حضرت سید العلماء رضا صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس بچیّ کا نام ام ایمن رکھا۔ (اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے)

عسکری رضا خاں انتہائی ذہین اور فطین انسان تھے ـــــ علوم متداولہ سے فراغت تھی کہ نہیں، وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ مگر اتنا طے ہے کہ وہ ایک عمدہ حافظِ قرآن تھے۔ اگر خالق کائنات انھیں عمر طویل دیتا تو بلا شبہ وہ قوم کی امانت ہوتے اور ایک عالم ان کی صلاحیتوں سے فیضیاب ہوتا۔

حضرت مولانا احمد مشہود رضا خاں نے اپنے برادر عزیز کی رحلت پر ایک نظم لکھی جسمیں اظہار حسرت و غم کے ساتھ نومولود بچے کے بارے میں پیش گوئی کے ساتھ نیک خواہشات ہیں نظم طویل ہے۔ نمونہ کے چند بند درج ذیل ہیں ؎

قدموں میں شیر بیشۂ اسلام کے مرقد بنا　　　صد رشک ہے تربت تری حافظ محمد عسکری

اب بعد رحلت کے تری مہمان جو آنے کو ہے　　　اُس میں شباہت ہو تری حافظ محمد عسکری

حضرت مولانا ادریس رضا خاں صاحب

مولانا محمد ادریس رضا خاں حضور شیر بیشۂ سنت کے پانچویں فرزند ارجمند ہیں۔ جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو والد ماجد نے درج ذیل عبارت تحریر فرمائی۔

"بفضل اللہ تعالیٰ و بکرم حبیبہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم روز چہار شنبہ ۱۸ ماہ مبارک ربیع الاول شریف ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۴۹ء دن کے ایک بجکر بائیس منٹ پر فقیر کے گھر میں پانچواں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام "محمد" اور عرف "ادریس رضا" رکھا گیا کہ نام و عرف دونوں مل کر "محمد ادریس رضا خاں" اس کا تاریخی لقب ہو گیا۔"

مثل مشہور ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" حضور شیر بیشۂ سنت کے تمام شاہزادگان کو حسن و جمال کی دولت سے مالا مال کیا ہے اس پر علم و فضل کے زیور نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے۔ علوم متداولہ کا معتد بہ حصہ والد گرامی کی خدمت میں حاصل کرنے کے بعد علم و فضل کی آخری مہر ثبت کرنے کیلئے ۱۹۷۱ء میں جب اپنے تین بھائیوں کے ہمراہ اشرفیہ مبارکپور پہنچے تو اشرفیہ کے ایوان علم و فضل میں ایک شور برپا ہو گیا کہ شاہزادگان شیر بیشہ سنت حصول علم کیلئے یہاں آئے ہیں۔ اشرفیہ میں مولانا مرغوب حسن اعظمی قادری جیسے مخلصین کی رفاقت ملی۔ اس طرح یہ قافلہ علم و فضل کی تحصیل میں ایک عرصہ منہمک رہا پھر ۱۹۷۳ء میں حافظ قاری عسکری رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ کی علالت کا عارضہ درپیش ہونے کی بنا پر مبارکپور سے بریلی شریف آ گئے۔ منظر اسلام کے مقتدر علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے اکتساب علم کیا۔ اور مشقی جلسوں میں شرکت کر کے خطابت کا ہنر سیکھا۔ دوران طالب علمی ہی میں لب و لہجہ کی متانت شستگی اور انداز بیان سے ہی کچھ عقابی نظر رکھنے والوں نے تاڑ لیا تھا کہ یہ بچہ مستقبل میں میدانِ خطابت کا عظیم شہ سوار ہو گا۔ ہوا بھی یہی "زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو" کے بمصداق آج آپ کی خطابت کا ڈنکا ہندوستان کے گوشے گوشے میں بج رہا ہے۔ اسطرح حضور شیر بیشۂ سنّت کی شعلہ بیانی کی یاد ان کی پانچویں اولاد مولانا محمد ادریس رضا خاں کی زبانی پھر تازہ ہو رہی ہے۔

مولانا ادریس رضا خاں اخلاق و کردار کے دھنی ہیں۔ سفر ہو یا حضر ہر جگہ خلوص یکساں کار فرما ہوتا ہے۔ سادگی کا یہ عالم کہ بس مت پوچھئے۔ دیکھنے کے بعد ایک معمولی انسان سے زیادہ نہیں معلوم ہوتے۔ لوگوں سے بڑے پیار محبت اور عجز و انکسار کے ساتھ ملتے ہیں۔ پہلی ملاقات میں ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کتنے پہلے کے ملاقاتی ہیں۔ ملنے کا انداز ہر ایک کے ساتھ یکساں ہوتا ہے۔ مصلحت پسندی کے قائل نہیں۔ سادگی و شرافت کا یہ عالم کہ بڑے بڑے جلسوں و کانفرنسوں میں عام لباس پہن کر چلے جاتے ہیں جس سے منتظمین جلسہ کو دھوکہ ہوتا ہے اور استعجاب میں پڑ جاتے ہیں کہ کیا یہی مولانا ادریس رضا خاں شہزادہ شیر بیشۂ سنّت ہیں۔ مولانا مرغوب حسن قادری کا بیان ہے۔

"بمبئی کی شہید اعظم کانفرنس جہاں ایک سے ایک شعلہ بار مقرر اپنی خطابت کا لوہا منواتے ہیں۔ ایک بار بحیثیت مقرر سادہ لباس وہی پیلا کرتا عام کپڑے کا پائجامہ دو پلی ٹوپی لگائے ہوئے برسر منبر رونق افروز تھے۔ لوگ بڑی حیرت سے دیکھتے کہ یہ کون ہے جو لباس فاخرہ پہننے والے علماء کے درمیان بیٹھا ہوا ہے جب ناظم اجلاس نے آپکے نام کا اعلان کیا اور آپنے مائک سنبھال کر جو مخصوص انداز میں تقریر شروع کی تو سادگی سے متعلق لوگوں کے حیرت واستعجاب دھواں دھار خطابت میں کھو گئے۔ پورا مجمع نعروں کی گونج میں گم ہو گیا"

مولانا ادریس رضا خاں وعظ وتبلیغ کے علاوہ خانقاہی نظام میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ بڑے اثر ورسوخ کے آدمی ہیں۔ لوگوں سے کام لینے کا خوب ڈھنگ جانتے ہیں۔ عرس کی تقریبات میں ان کی خدمات نمایاں رہتی ہیں۔ برسر منبر حق بات ۔ لا کہنے کے عادی ہیں حق گوئی میں لیت ولعل روا نہیں رکھتے۔ مسلک سُنیت کی اشاعت زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں دوران تقریر امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے اشعار واقوال جس والہانہ عقیدت کے ساتھ پڑھتے ہیں اس سے ان کی محبت اور وارفتگی عشق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اپنی انہی خوبیوں کی وجہ سے عوام وخواص دونوں حلقوں میں یکساں مقبول ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کی عمر میں صحت وسلامتی کے ساتھ برکت عطا فرمائے اور مقبولیت میں دن دونی رات چوگنی ترقی عطا کرے (آمین)

حضرت مولانا معصوم الرضا خاں صاحب

قبل تقسیم ہند کا ذکر ہے حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے در دولت پر حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ بعض اکابر علماء کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ دوران طعام محدث اعظم ہند نے حضور شیر بیشۂ سنت کے تیسرے صاحبزادے عسکری رضا کی جانب اشارہ کرکے فرمایا۔ مولانا یہ سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں؟ حضرت نے جواب دیا کہ

جی حضور! یہ سب سے چھوٹا خادم زادہ ہے۔ اس پر حضور محدث اعظم ہند نے ازراہ خوش مزاجی پھر فرمایا کہ آگے سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ تو حضرت نے برجستہ فرمایا نہیں ابھی اس کے بعد فقیر کے یہاں تین لڑکے اور تولد ہوں گے۔

۱۰ر رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ / ۱۶ر جون ۱۹۵۱ء روز شنبہ ۴ بجے شام گلستانِ حشمتی میں جو پھول کھلا حضور شیر بیشۂ سنت کی پیشین گوئی کے مطابق انہی تینوں لڑکوں میں سے ایک تھا۔ پیدائشی نام "محمد" رکھا گیا۔ تاریخی عرف "معصوم الرضا" تجویز ہوا۔ اس طرح دونوں مل کر "محمد معصوم الرضا" تاریخی نام قرار پایا۔

مولانا معصوم الرضا تمام شہزادگان شیر بیشۂ سنت کی طرح عزیز ترین ہیں۔ والدِ ماجد نے جس لاڈ پیار سے آپ کی تربیت کی ہوگی اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ۲۰ر صفر مظفر ۱۳۷۴ھ کو والد ماجد نے بسم اللہ پڑھائی۔ اور پھر حافظ محمد عمران رضوی کے ہاتھ میں ہاتھ پکڑا دیا۔ اس طرح آپ نے حافظ محمد عمران کی زیر نگرانی تحصیل علم دین کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ۱۹۶۰ء میں دنیائے سُنیت کی آبرو حضور شیر بیشۂ سُنت جب پردہ فرما چکے تو آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد مشاہد رضا حشمتی فیوضہم المبارکہ نے آپ کو اپنے بہنوئی مولانا ملک نیاز احمد صاحب کے سپرد کر دیا۔ کان پور میں آپ نے بڑے انہماک کے ساتھ تعلیم حاصل کی۔ لیکن جب خود پیلی بھیت کی سرزمین پر جامعہ اہلسنت حشمت الرضا کا قیام عمل میں آیا اور ہندوستان کے مایۂ ناز اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئیں تو آپ کان پور سے وطن مالوف پیلی بھیت آگئے۔ حافظ احمد میاں سے ناظرہ اور ماسٹر محمد عقیل سے کچھ دنیاوی علوم حاصل کرنے کے بعد ہمہ تن گوش ہو کر علوم متداولہ کی تحصیل میں لگ گئے۔ حضرت مولانا توکل حسین، حضرت مولانا احسن محمد، حضرت مولانا مفتی محمد یعقوب اور قاری محمد محبوب علی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرکے کافیہ تک باضابطہ تعلیم حاصل کی۔ جن دنوں آپ جامعہ حشمت الرضا میں زیر تعلیم تھے اس وقت ادارہ بڑی تیزی سے ترقی کی شاہراہ پر گامزن تھا۔ اگر یہ ادارہ چند سالوں اور اپنا نمایاں کردار ادا کرتا رہتا تو شاید ملک کے اہم اداروں میں سے آج وہ بھی ایک ہوتا۔

مولانا معصوم الرضا نے ۱۹۷۱ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ملک کی مشہور درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور تشریف لے گئے۔ اس زمانہ میں ادارہ سنّی شیعہ اختلاف سے دوچار تھا تعلیم وتعلم میں یکسوئی نہیں تھی۔ ان حالات سے جب کی تعلیم متاثر ہوتی نظر آئی تو دو سال بعد ہی منظر اسلام بریلی شریف سے وابستہ ہوگئے۔ اور یہیں درسِ نظامی کی تکمیل کرکے سندِ فراغ حاصل کیا اس علمی جستجو میں آپنے جن اہم اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ان میں برادر اکبر حضرت علامہ محمد مشاہد رضا حشمت فیوضہم المبارکہ، حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی اور حضرت علامہ احسان علی کے اسمار بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

۱۹۸۰ء میں مدرسہ فخر العلوم بلرامپور گونڈہ میں آپکا تقرر ہوا۔ وہاں کچھ ہی مہینے تدریسی خدمات انجام دی تھیں کہ حشمتی بھائیوں کے اصرار پر انوار الرضا گورہ چوکی ضلع گونڈہ چلے آتے۔ یہاں چار سال مسلسل تدریسی ذمہ داریوں کو بطورِ احسن انجام دیا۔ آپ کی اس تدریسی صلاحیت سے متاثر ہوکر بیراماہم ضلع گونڈہ کے برادران خواجہ تاشش آپ کو اپنے یہاں لے آئے۔ تادمِ تحریر مولانا معصوم الرضا الجامعۃ الحشمتیہ نور العلوم بیراماہم ضلع گونڈہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ تبلیغِ دین حق کی اشاعت میں سرگرمِ عمل ہیں۔

مولانا معصوم الرضا سیرت وصورت دونوں اعتبار سے حسین وجمیل ہیں۔ راقم السطور کو شرفِ ملاقات حاصل ہے۔ سادگی وشرافت، خاندانی وجاہت بھی آپ کے اندر بدرجۂ اتم ہے۔ زیارتِ حرمین شریفین سے بھی دوبار مشرف ہوچکے ہیں۔ پہلا سفرِ حج ۱۹۸۸ء جناب لعل محمد حشمتی اور اپنے بھائی مولانا ناصر رضا کے ہمراہ کیا۔ جب کہ دوسرا حج ۱۹۹۰ء میں ادا کیا۔ اسی سفرِ حج میں عراق کے مقدس مقامات کی زیارت بھی آپنے فرمائی۔ ان دونوں سفروں کے اخراجات الحاج احمد عمر ڈوسا حشمتی نے برداشت کئے۔

مولانا معصوم الرضا کو ارادت والد ماجد حضور شیر بیشۂ سنّت سے حاصل تھی۔ مگر دولتِ خلافت والد ماجد کے علاوہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عطا فرمائی تھی۔ ۱۹۶۸ء شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند جب آستانہ حشمتیہ تشریف لائے

قیام فرمایا تو اسی دوران بشرطِ علم وعمل جملہ سلاسلِ مبارکہ اور "الاجازات المتینہ" میں مذکور تمام اوراد و وظائف وعملیات اور بیعت کرنے کی تحریر اجازت عطا فرمائی۔

اور شیر بیشۂ سنت نے مسجد رضوی واقع محلہ محتشم خاں پیلی بھیت میں قبل نماز حاضرین سے مخاطب ہوکر اس طرح اعلان کیا۔

"آپ لوگ گواہ رہیں میں نے اپنے سب لڑکوں کو سلسلہ عالیہ
رضویہ میں داخل کرکے جملہ سلاسل مبارکہ میں بیعت اور ان کے
اوراد و وظائف وعملیات کی اجازت دے دی۔

مولانا معصوم الرضا اپنے تمام بھائیوں کیطرح، والد ماجد کیطرح فروغِ سنیت میں سرگرمِ عمل ہیں۔ دائرہ شریعت میں رہ کر زندگی کا ہر لمحہ گذر بسر کرنے کے عادی ہیں مصلحت پسندی کے قطعی مخالف ہیں۔ اللہ تعالیٰ فروغِ سنّیت کیلئے آپکو عمرِ خضر عطا فرمائے (آمین)

حضرت مولانا ناصر رضا خانصاحب

آپ حضور شیر بیشۂ سنّت رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ حافظ محمد عمران صاحب رضوی سے ناظرہ پڑھا۔ ابتدائی عربی کی تعلیم کانپور جاکر مولانا ملک نیاز احمد سے حاصل کی دو سال تقریبًا الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے وابستہ رہے۔ دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے اپنے بھائی مولانا معصوم الرضا کے ہمراہ درس نظامی کی تکمیل کے بعد سند فراغ حاصل کیا۔ مولانا ناصر رضا انتہائی بردبار، متین اور سنجیدہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے کئی خوبیوں سے نوازا ہے۔ فارسی کی استعداد خوب ہے۔ تقریر کم کرتے ہیں لیکن جو تقریر ہوتی ہیں اس میں نکتہ آفرینی اچھی طرح محسوس کیجاسکتی ہے عام گفتگو میں بھی فلسفیانہ رنگ غالب رہتا ہے۔ دار العلوم منظر الرضا کے طلبہ آپکی علمی صلاحیت سے مستفید ہوچکے ہیں۔ ان دنوں الجامعۃ الحشمتیہ نور العلوم بیراماہم ضلع گونڈہ میں صدر المدرسین کے اہم منصب پر فائز ہیں حج وزیارت کی عظیم دولت سے سرفراز ہیں اللہ تعالیٰ علم وعمل کے اضافہ کے ساتھ ملتِ اسلامیہ کے لئے آپ کا سایہ دراز تر فرمائے (آمین)

تیسرا باب

عادات و خصوصیات

عادات و خصائل

علم و فضل میں یکتا ہونا دوسری چیز ہے اور عادات و خصائل کا پاکیزہ ہونا شئی دیگر۔ حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ اگر طرف علم و فن کے بحر ذخار تھے تو دوسری طرف عدل و کرم، سخاوت و سماحت، حُسن خُلق و وفا کیشی کے علاوہ صداقت شعاری اور راست بازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ جہاں جسکی ضرورت پیش آئی وہاں اپنے آپ کو اسی طرح پیش کیا۔ کرم و سخاوت کی اس سے واضح ترین مثال کیا ہو سکتی ہے کہ جن دنوں مشن ہاسپٹل بریلی شریف میں آپ زیر علاج تھے نقاہت و کمزوری نے آپکا بدن توڑ کر رکھدیا۔ لاغری حد درجہ بڑھ گئی تھی۔ عیادت کیلئے اسی زمانے میں دو مرید بمبئی سے حاضر ہوئے جب وہ مرید واپس ہونے لگے تو ہر ایک مرید نے عقیدت مندی و خلوص کا اظہار پچاس پچاس روپے نذرانہ سے کیا۔ وہ تو نذرانہ دے کر واپس چلے گئے مگر شیر بیشۂ سنت نے اس رقم کو اپنی بیماری پر خرچ کرنے کے بجائے انہوں نے ان دونوں طالب علموں کو پچاس پچاس روپے یہ کہکر دیدیئے کہ جاؤ ان کی کتابیں خرید لینا۔ جو دارالعلوم منظر اسلام سے آپکی عیادت کرنے آئے تھے۔ ساتھ میں یہ وضاحت بھی فرمادی کہ اس سال طلبہ کا داخلہ زیادہ ہو گیا ہے ان پیسوں کو کتابوں کی خریداری پر ختم کرنا مگر ہاں کسی پر یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے۔

ایک طرف سخاوت و فیاضی کا یہ عالم اور دوسری طرف اپنے ان شاہزادگان کو جو دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں زیر تعلیم تھے یہ خط لکھتے تھے کہ میں بیمار ہوں اور اس طویل علالت کے سبب بالکل تنگدست ہو گیا ہوں۔ تم لوگ کسی طرح گذر بسر اوقات کر کے تعلیمی انہماک میں کمی نہ آنے دینا۔ فضل و کمال کے جلیل القدر منصب پر جس شان کے ساتھ آپ جلوہ گر تھے اس سے ارباب علم و دانش بے خبر نہیں۔ لیکن طبیعت میں انکسار اس درجہ تھا کہ عام آدمی دیکھنے والا ایک معمولی انسان سے زیادہ تصور نہیں کرتا۔ کہنے والے نے سچ کہا ہے " شاخ وہی لچکتی ہے جس پر پھل لدے ہوتے ہیں۔" ٹھیک یہی حال حضور شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ کا تھا۔ استاد ہو یا استاد زادہ، سید ہو

یاسیدزادہ سب کا احترام بڑے اہتمام کے ساتھ بجالاتے۔ حضور سیدی اعلیحضرت قدس سرہٗ العزیز کے دولتکدے کے سامنے گذر ہوتا تو وارفتگی محبت میں دروازہ اور چوکھٹ کو بوسہ دیتے۔ جہاں سیدی اعلیحضرت بیٹھ کر فیوض و برکات کے دریا بہاتے۔ اسی طرح قدیم رضوی مسجد میں زینے پر ایک لکڑی تھی جسکے سہارے لوگ مسجد میں اوپر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ چوں کہ یہ لکڑی سیدی سرکار فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ڈولی شریف کی لکڑی تھی بعد وصال مسجد میں لگادی گئی تھی اس لئے شیر بیشۂ سنت زینے سے مسجد میں آتے اور جاتے وقت اس لکڑی کو ضرور بوسہ دیا کرتے تھے

احترام اور آداب کا یہ سلسلہ صرف اساتذہ تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ اگر تلامذہ میں بھی کوئی سیدزادہ ہے تو استاد سے بڑھ کر آپ اس کا احترام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت علامہ حافظ وقاری ابوالحسین سید آل مصطفےٰ قبلہ مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان آپکے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ مگر ان کی دست بوسی وقدم بوسی حضور شیر بیشۂ سنت اساتذہ کیطرح فرمایا کرتے تھے۔ یہی محبوب طریقہ آپ کا تمام سادات تلامذہ سے تھا۔

معمولات اور مشاہدہ میں یہی ہے کہ مرید وخلیفہ اپنے اپنے مرشد کی اتباع وپیروی کرتے ہیں ان کی دست بوسی کرتے ہیں ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ مگر آپ کا حال کچھ زیادہ ہی عجیب تر تھا۔ اگر آپ کا کوئی مرید اور خلیفہ سادات سے ہے تو آپ اس کا اتنا ہی احترام، ادب اور خیال فرماتے جتنا کہ کوئی مرید اپنے سید مرشد کا۔ حضرت سید عبدالسبحٰن صاحب قبلہ بلہری آپ کے اجلہ خلفاء میں سے تھے۔ مگر جب بھی ملاقات ہوتی تو آپ خود بڑھکر اپنے اس خلیفہ کی دست بوسی فرماتے اور ساتھ ہی بے پناہ محبت فرماتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ اور آپکے خلیفہ حضرت سید عبدالسبحٰن صاحب قبلہ میں گہرے مراسم ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے اکثر جلسوں اور مناظروں میں آپ کی مرافقت رہی۔ دورانِ زندگی جب بھی حضرت شیر بیشۂ سنت کا اسم گرامی حضرت صوفی عبدالسبحٰن صاحب کے سامنے آیا تو فرط محبت سے نگاہیں آبدیدہ ہو گئیں۔

استاذزادہ ہو یا سیدزادہ دونوں کا احترام اُن کے واجبات میں سے تھا۔ حضرت مولانا حکیم صدرالشریعہ مفتی امجد علی رحمۃ اللہ علیہ مصنف "بہار شریعت" آپ کے مشفق اساتذہ میں سے

تھے۔ ان کے صاحبزادے مولانا قاری رضاء المصطفےٰ صاحب سے جب بھی ملاقات ہوتی تو آپ کھڑے ہو کر اُن کا استقبال کرتے، مصافحہ کرتے، معانقہ کرتے اور دست بوسی فرماتے اور خود چارپائی سے اٹھ کر پائینتی بیٹھ جاتے اور آپ کو سرہانے بٹھاتے۔ آپ کے سامنے مریدین ومعتقدین کا جمگھٹا یہ دیکھکر متعجب ہو جاتا۔ آپ فرماتے کہ یہ ہمارے استاذزادے ہیں۔ اس عمل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو استاذزادے کا اس قدر خیال فرماتا ہو اس کے دل میں استاد کی خود کس درجہ قدر ومنزلت رہی ہوگی۔

اور اگر استاذزادے نہ بھی ہوں مگر کسی طرح استاد سے اُن کا رشتہ ہو تو جب بھی آداب بجالاتے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے حضور اعلیحضرت قدس سرہٗ کے ایک کسی عزیز سے آپکی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے تعارف میں اپنے کو اعلیحضرت قدس سرہٗ کا نواسہ بتایا۔ آپ نے فوراً ان کی دست بوسی اور پھر قدم بوسی کی۔ ان کا بیان ہے کہ میں بہت نادم تھا۔ بار بار عرض کیا حضور یہ آپ کیا کر رہے ہیں میں آپ کا ادنیٰ خادم ہوں فرماتے استغفر اللہ استغفر اللہ آپ میرے خادم نہیں بلکہ مخدوم زادے ہیں۔ الغرض اس طرح جس کا بھی کسی طرح اعلیحضرت سے یا اُن کے کسی استاد سے تعلق ہوتا ان کا ادب واحترام استاد ہی کیطرح فرماتے۔ (۱) گھریلو زندگی کی معاملہ داری میں وہ سرکار کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ "مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے قبل ہی ادا کر دینی چاہئے"۔ اس پر وہ سختی سے کاربند تھے۔ آپ کو اس بات کا علم تھا کہ — "مزدور خوش دل کند کار بیش" وہ مزدور کو نہ تو کم پیسہ دیتے اور نہ ہی تاخیر سے دیتے۔ اسکے ثبوت میں محمد عاشق پیلی بھیتی کا وہ واقعہ ذیل میں دیا جارہا ہے جو نل بنانے کے دوران اُن کے ساتھ پیش آیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ۔

"جب بھی حضرت (شیر بیشۂ سنت) کا نل خراب ہوتا تو وہ میرے سوا کسی اور سے نہیں ٹھیک کرواتے۔ حضرت اس بات کا بے حد خیال رکھتے تھے کہ ان کے وہاں جو بھی مزدور آئے وہ صحیح العقیدہ ہو۔ حضرت مجھ سے اچھی طرح واقف تھے اور بجید

(۱) نوری کرن بریلی شریف ستمبر ۱۹۶۶ء

محبت فرمایا کرتے تھے اس لئے ہمیشہ مجھ ہی سے فرمایا کرتے کہ نل خراب ہوگیا ہے ٹھیک کردو۔ چناں چہ ایک مرتبہ نل خراب ہوگیا۔ بموجب حکم میں دو مزدوروں کو لیکر حضرت کے دولتکدے پر حاضر ہوا۔ نل ٹھیک کرنے کے بعد حضرت سے اجازت چاہی حضرت نے اجرت معلوم فرمائی تو عرض کیا حضور! یہ میرا فرض تھا جسے میں نے بحمدہٖ تعالےٰ ادا کیا مزدوری کی چنداں ضرورت نہیں حضرت نے اصرار کیا تو اس اصرار پر میں نے سوچا کہ میری حیثیت مستری کی ہے اور یہ مزدور خیال نہ کریں کہ حضرت تو مزدوری دے رہے تھے انھوں نے ہماری مزدوری ختم کردی اس خیال سے مزدوروں کی اجرت کے متعلق میں نے حضرت سے عرض کی۔ مگر میں نے اپنے متعلق کچھ بھی نہ کہا۔ حضرت مزدوروں کی مزدوری دیکر یہ کہتے ہوئے کہ یہ بچوں کے واسطے ہے اپنی بند مٹھی میری جیب میں ڈالدی۔ راستہ میں تو خیال نہ آیا مگر ہاں گھر پہونچ کر دیکھا تو دس روپے کا نوٹ تھا جو میری محنت سے کہیں زیادہ تھا"۔

حضرت کا یہی طریقہ تھا جس کام کے مجھے کہیں دوسری جگہ دو روپے ملتے اس کام کی اجرت حضرت پانچ روپے سے کم نہیں عطا فرماتے بس اسکے علاوہ کیا عرض کروں کہ حضرت کے اندر غربا پروری کا جذبہ کس درجہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

طبیعت میں سادگی اس درجہ تھی کہ بس! بناوٹ اور ظاہری ٹیپ ٹاپ سے بعید نفرت تھی۔ حضرت سید العلماء مولانا آل مصطفےٰ کا بیان ہے کہ

بنڈیلہ کے مناظرہ کے دوران ایک دن حضرت نے قیام گاہ سے میدان مناظرہ کو جانے کا ارادہ فرمایا تو کرتا تسلوار کے بعد شیروانی پہنی اتفاق سے کرتا شیروانی سے چار انگل نیچا تھا۔ میں نے کہا حضرت! یہ کرتا نیچا ہے دوسرا پہن لیں تاکہ کوئی مذاق نہ اڑائے۔ ارشاد فرمایا حضور! مناظرہ میں کروں گا میرا کرتا مناظرہ

نہیں کرے گا"۔

آپ کے عادات وخصائل میں یہ بات بہت نمایاں تھی کہ آپ اہلسنت کے واعظین و مبلغین کی بہت ہمت افزائی کرتے۔ عوام کے دلوں میں ان کا وقار جماتے۔ اس ہمت افزائی کے سبب آپنے کتنے بے زبانوں کو زبان والا اور کتنے گوشہ نشینوں کو مرد میدان بنادیا۔

سنی مسلمانوں کے دلوں میں امام احمد رضا کی محبت اور عظمت پیدا کرنا آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ گھنٹوں ان کی عظمت پر گفت گو فرماتے رہتے۔ اعلحضرت کے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی گھنٹے گذر جاتے اور حاضرین پر کیف ومستی کا عالم طاری رہتا۔

حکمِ شرعی بیان کرنے میں کبھی کسی کی رعایت نہ برتتے اور اس سلسلہ میں کسی بڑے سے بڑے شخص کے رعب سے مرعوب نہ ہوئے نہ تو کسی کے زبان وقلم انھیں روک سکے اور نہ ہی کسی کا خزانہ انھیں خرید سکا۔

نماز پنجگانہ جماعت کے ساتھ ادا فرمانے کا خاص اہتمام فرماتے۔ حتیٰ کہ سفر میں بھی اسکی پابندی لازم ہوتی۔

وضو فرماتے وقت مسواک کا استعمال ضرور فرماتے اور وضو میں فرائض تو اہم ہیں ہی واجبات وسُنن بھی پابندی سے ادا فرماتے۔

نماز فجر کے بعد اَوراد و وظائف سے فراغت حاصل کرکے قرآن عظیم کے تین پارے ضرور تلاوت فرماتے۔ ٹرین تو ٹرین حد یہ ہے کہ بیل گاڑی کے سفر میں تلاوت کا شغل جاری رہتا۔

دلائل الخیرات شریف، حزب البحر شریف اور دیگر اعمال و وظائف آپ کے ہمیشہ کے معمولات میں داخل تھے۔

تقریر میں خطبہ مسنونہ اور تلاوت قرآن پاک کے بعد اعلیحضرت رضی اللہ عنہٗ کی نعت شریف ضرور پڑھتے اور بعض مرتبہ نعت مبارک کے کسی شعر کو موضوع سخن بناکر ڈھائی تین گھنٹے تقریر بھی فرماتے۔

درود شریف میں لفظ " وعلیٰ اٰلہ " کا استعمال ضرور فرماتے خواہ تحریر میں

ہو یا تقریر میں۔ بزرگان دین اور اولیاء کرام کا نام مبارک مع القابات وخطابات پورے ادب و احترام کے ساتھ لیتے اور تحریر میں بھی یہی ادب ملحوظ خاطر رکھتے ــــــ پالیسی، تملق وچاپلوسی سے ہمیشہ اجتناب فرماتے اور کہتے کہ دین ومذہب کے سامنے پالیسی ٹھکرانے کی چیز ہے۔ آپنے ہمیشہ اسکی تعلیم دی۔

مال ودولت کی ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کیا۔ آپ نے پوری زندگی میں صرف اہلیہ محترمہ کے نام سے زمین خریدی مکان بنایا مہر میں اہلیہ محترمہ کے سپرد فرمادیا۔ دو بار حج کیا۔ دو صاحبزادیوں اور ایک صاحبزادے کی شادی کی باقی تمام پیسہ غرباء مساکین اور طلبہ پر خرچ کیا حضرت کے ساتھ جو سفر میں رہتے وہی نذر ونذرانے وصول کرتے انھوں نے جو آپکو دیا لے لیا کبھی ان سے کسی قسم کا حساب نہیں لیا۔

حق گوئی و بے باکی

نوٹوں کی گڈی

بمبئی کے کسی محلے میں مسجد اور مندر (سبھا منڈپ) دونوں لب سڑک ہیں۔ مسجد کا کچھ حصہ روڈ پر فٹ پاتھ کی جانب بڑھا ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں کافروں نے ایک مرتبہ ہنگامہ کیا کہ مسجد کا جو حصہ سڑک کیطرف بڑھا ہوا ہے اُسے توڑ دیا جائے یا ہمیں بھی مندر کو آگے بڑھانے کی اجازت دی جائے۔ یہ ہندو مسلم اختلاف رفتہ رفتہ ہندو مسلم فساد کی شکل اختیار کر گیا۔ چنانچہ قاسم متھا نامی سیٹھ نے اس سمجھوتہ کی ایک شکل یہ نکالی کہ اس نے کئی مولویوں کے دستخط لے لئے کہ مسجد کا بڑھا ہوا حصہ توڑا جا سکتا ہے۔ لیکن مسلمان کسی طرح ماننے کو تیار نہیں۔ بہ مشکل تمام ایک جلسہ عام میں عوام نے اپنا فیصلہ صادر کیا کہ اس سلسلے میں جو شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی کی رائے ہوگی ہم اسکو تسلیم کریں گے۔ لہٰذا انھیں جلد بلا کر اُن کی رائے لی جائے۔

قاسم متھا کی دعوت پر شیر بیشۂ سنت اور حضرت مولانا مفتی محمد طیب دانا پوری کے ساتھ بمبئی تشریف لے گئے۔ جب شام کیوقت اوراد ووظائف سے فارغ ہو کر جلسہ گاہ تشریف لے جانے لگے تو قاسم متھا نے سو سو کے نوٹوں کی ایک بھاری گڈی جسمیں دس ہزار روپے تھے لاکر

آپ کے سامنے رکھدی۔ حضرت نے فرمایا کیوں یہ کیا ہے؟ قاسم متھا نے کہا حضور! ایسا ہے کہ ہمارے محلے میں یہ مسجد جو لب سڑک واقع ہے اس کا کچھ حصہ جہاں جوتے وغیرہ اتارے جاتے ہیں سڑک کی جانب بڑھا ہوا ہے۔ جسکی وجہ سے بہت ہنگامہ ہے۔ لہٰذا آج آپ تقریر فرمانے کے بعد آخر میں اتنا فرما دیں کہ "مسجد کا وہ حصہ جو روڈ پر بڑھا ہوا ہے خارج مسجد ہے اُسے توڑا جا سکتا ہے" ــــــ اتنا سننا تھا کہ شیر بیشۂ سنت کو جلال آگیا اور آپ نے نوٹوں کی گڈی قاسم متھا کے منھ پر مار کر گرجدار آواز میں فرمایا استغفر اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم نعوذ باللہ منہا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ قاسم متھا! تو یہ نوٹ دکھا کر میرے ایمان کا سودا کر رہا ہے۔ ہٹ جا تو میرے سامنے سے تو حشمت علی کو خریدنا چاہتا ہے۔ مولانا محمد طیب دانا پوری کو ٹیکسی لانے بھیجدیا اور خود سامان سمیٹنے لگے۔ قاسم متھا نے ہر چند روکنے کی کوشش کی اور یہ کہا کہ اگر آپ تقریر نہ فرمائیں گے تو میری بڑی بے عزتی ہو گی۔ مگر حضرت نے ایک نہ سُنی سامان ٹیکسی پر لادا اور جناب حاجی اسمٰعیل صدیق کے گھر واپس آگئے اور دوسرے ہی روز بمبئی سے روانہ ہو گئے۔

اِعلائے کلمۃ الحق

۱۳۷۵ھ میں جب انقلاب اینڈ کمپنی کی سازشوں نے محبوب العلماء حضرت علامہ مفتی محمد محبوب علی علیہ الرحمۃ والرضوان پر بمبئی کے ہائی کورٹ میں مقدمہ چل رہا تھا چند مخلص عقیدتمندوں نے حضرت شیر بیشۂ سنت سے عرض کیا کہ بمبئی کے چیف منسٹر سے ملاقات کر کے صورت حال ظاہر فرما دیں انشاء المولیٰ تعالیٰ مقدمہ ہلکا ہو جائیگا۔

حضرت نے پہلے تو انکار فرمایا مگر مخلصین کے شدید اصرار پر چند خصوصی احباب کے ساتھ وزیر اعلیٰ کے بنگلے پر تشریف لے گئے۔ وزیر اعلیٰ کو جب آپکی آمد کا علم ہوا تو وہ خود صدر گیٹ پر آیا اور تپاک خیر مقدم کر کے ویٹنگ روم میں لیجا کر ٹھہرایا۔ قبل اسکے کہ حضرت شیر بیشۂ سنت کوئی بات کہتے، اس نے مسجد اور مندر کا قصہ چھیڑ دیا اور کہا کہ مولانا میں تو کبھی ان جھگڑوں میں نہیں پڑتا۔ ہندو مسلم سب بھائی بھائی ہیں اور ایک مالک کے بندے ہیں۔ جیسے مندر ویسے مسجد میں نے تو کبھی دونوں کو دو نگاہ

ہے نہیں دیکھا۔

حضرت شیر بیشۂ سنت خاموش نہ رہ سکے اور فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ استغفر اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ہمارا دین اسلام اب سچا اور اصل دین ہے تمہارا دھرم باطل ہے مسجدیں خدا کا گھر ہیں جہاں خدا کی عبادت کی جاتی ہے جو عبادت کے لائق ہے اور مندروں میں بتوں کی پرستش ہوتی ہے دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔

پہلے توبہ

حق گوئی و جرأت و بے باکی اپنوں اور غیروں کے ساتھ یکساں تھی۔ حق گوئی و راست بازی کے معاملے میں سب ایک نظر سے دیکھے گئے۔ حق کہنے کے معاملے میں کبھی انھوں نے توقف نہیں کیا اور نہ ہی کسی سے خوفزدہ ہوئے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کے ایک مرید حافظ قاری محمد محبوب علیخاں صاحب حشمتی اترولوی نے شیر بیشہ سنت کی کیفیت مزاج معلوم کرنے کیلئے اترولہ سے ایک عریضہ بیعت ارسال کیا جس میں انھوں نے پیرانی صاحبہ دام ظلہا علینا بالخیر والعافیۃ کو "ام المؤمنین" (العیاذ باللہ تعالیٰ) لکھکر سلام عرض کیا۔ فوراً جواب میں سب سے پہلے "ام المؤمنین" لکھنے پر توبہ، تجدید ایمان اور تجدید بیعت کا حکم صادر فرماکر جواب طلب فرمایا۔ قاری صاحب موصوف نے فوراً توبہ نامہ لکھکر بھیجا اسکے بعد اطمینان بخش جواب مرحمت فرمایا۔

گاڑی سے اتار دیا

حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی دعوت پر دیناجپور بنگال کے مناظرے کے واسطے آسام میل سے سفر فرما رہے تھے۔ آندھی اور طوفانی بارش کا سلسلہ تھا۔ مولانا محمد احمد ماہر القادری بھی اس وقت شریک سفر تھے موصوف ان دنوں زیر تعلیم تھے بارش ہو رہی تھی۔ نا سمجھی میں بول گئے "بغیر کسی فائدے ہی کے اللہ تعالیٰ پانی برسا رہا ہے" اتنا سننا تھا کہ حضرت شیر بیشہ سنت کو جلال آ گیا اور فرمایا توبہ کر تو میری بیعت سے نکل گیا اتر ٹرین سے۔ ٹرین بھی نہیں رکتی کہ تجھے ٹرین سے اتار دوں۔ یک بیک

آسام میل رک گیا سنسان جنگل میں زبردستی ماہر صاحب کو آتار دیا بعد میں خود بھی نیچے تشریف لے گئے بھیڑ لگ گئی مگر حضور شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ماہر صاحب سے توبہ لیا تجدید ایمان کے بعد دوبارہ بیعت فرمایا پھر ٹرین پر سوار ہوئے۔ اور بیٹھتے ہی آسام میل چل پڑا۔

ہاتھ سے مائک لے لیا

منشائے شریعت کے خلاف ایک نقطہ سننا بھی گوارہ نہیں تھا۔ نبی کی شان تو بہت بلند ہے صحابہ کی شان میں بھی ذرہ برابر بھی گستاخی برداشت کرنے کے روادار نہیں تھے۔ ایکبار کرنیل گنج بذریعہ کانپور کے سالانہ اجلاس کے موقع پر آپ حاجی سیٹھ محمد ابراہیم حشمتی صاحب کانپوری کی دوکان میں کھانا تناول فرما رہے تھے۔ جلسہ شروع ہو چکا تھا۔ پروگرام کے درمیان کسی مقرر نے حضرت بلال کے چہرے کی رنگت کے بارے میں فرمایا وہ اس قدر کالے تھے جیسے "توا" کھانا کھانے کیوقت یہ آواز آپ کے کان میں آئی اور کھانا بند کرکے فوراً اسٹیج جلسہ گاہ تشریف لے گئے اور مقرر سے مائک لیکر فرمایا توبہ کرو! تم نے ابھی کہا ہے کہ حضرت بلال کا رنگ اس قدر کالا تھا جیسے توا (معاذ اللہ عنہ) تمہارا یہ جملہ بہت ہی غلط ہے۔ سنو! میرے آقا حضرت سیدنا بلال کا رنگ اس قدر پیارا تھا، جیسے غلاف کعبہ" (سبحان اللہ) پھر آپ نے مستقل طور پر اسی کو عنوان بنا کر کئی گھنٹے تقریر فرمائی اور بتایا کہ سنو "توے" میں جو رنگ آتا ہے وہ آگ کی تپش سے ہوتا ہے اور حضرت سیدنا بلال حبشی کو آگ سے کیا واسطہ؟

سگِ بارگاہ رسالت

ادری ضلع اعظم گڈھ میں مناظرہ ہو رہا تھا۔ آپ نے دیوبندی مناظر مولوی منظور سنبھلی سے کہا کہ آپ کی درشت کلامی میرے لئے باعث صد افتخار ہے "اس کتے کی خوبی کا کیا کہنا جو اپنے آقا کے ارد گرد پھر پھر کر آقا پر آنے والے پتھروں کو خود اپنے اوپر لے اور اپنے آقا کے لئے سپر بن جائے"۔

مولوی منظور اس جملے کو لے اڑے اور اچک کر بولے "مولانا آپ نے بڑے فخر سے

اپنے آپ کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کتا کہا ہے مگر شاید آپکو نہیں معلوم کہ کتے بڑی بے عزتی کے ساتھ بارگاہ رسالت سے نکالے جاتے ہیں۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام اسوقت تک اندر نہیں داخل ہوتے جب تک کتا نکل نہیں جاتا۔

شیر بیشۂ سنت نے برجستہ فرمایا

مولوی جی! کیا ہر جگہ لفظ کے حقیقی معنی مراد لینے ضروری ہیں میں نے اپنے کو مجازی معنی کے اعتبار سے کتا کہا ہے اور اس کا مطلب ہے آقا کا وفادار غلام جو ان کے دشمنوں پر رد کرے۔

جب اس گفتگو سے مولوی منظور سنبھلی کو تشفی نہ ہوئی تو آپ نے بڑے جرأتمندانہ اور بے باکانہ طور پر فرمایا کہ اگر آپ کو ہر لفظ کا حقیقی معنی لینے کا شوق ہے تو سنیئے آپ لوگ مرتضیٰ احسن دربھنگی کو شیر خدا کہتے ہیں اور آپنے اپنے آپ کو روداد مناظرہ سنبھل میں شیر نیستان مناظرہ لکھا ہے تو کیا آپ اور دربھنگی جی دونوں چاروں ہاتھ پیروں والے ہیں۔ کیا آپ دونوں برہنہ مادرزاد ہیں۔ شیر کے بچے بغیر نکاح کے پیدا ہوتے ہیں تو کیا آپ دونوں اپنی زوجہ کو بغیر نکاح کے تصرف میں لاتے ہیں شیر کے ماں باپ کا بھی باہم نکاح نہیں ہوتا تو کیا آپ دونوں بغیر نکاح کے پیدا ہوئے۔

آنا اور سن لیجئے آپ کے پیشوا بانی مدرسہ دیو بند مولوی محمد قاسم نانوتوی قصائد قاسمی ص ۹ پر لکھتے ہیں

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ

کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار (۱)

یہ دندان شکن جواب سنکر مولوی منظور نعمانی مبہوت ہو کر رہ گئے۔

(۱) محمد طیب : مناظرہ ادری ۱۲۷ مطبوعہ الہ آباد ۱۴۰۳ھ

حاضر جوابی

منظور اور مناظرہ

مناظرہ کے اندر انسان کی حاضر دماغی اور حاضر جوابی کا زیادہ دخل ہوتا ہے۔ مناظرہ کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار سرعت جواب پر ہوتا ہے اور اگر مناظرہ تقریری ہے تو پھر مناظرہ کا میدان جیتنا حاضر جوابی ہی پر موقوف ہوتا ہے۔

حاضر جوابی کی قوت من جانب اللہ ایک عطیہ ہے۔ اللہ تعالے اپنے جس بندے کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے اندر یہ صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ان کی زندگی میں ایسے بے شمار واقعات پیش آئے ہیں جہاں انھوں نے اپنی جودت طبع اور سرعتِ ذہن سے حریف کو لاجواب کر کے ذلیل وخوار کر دیا ہے۔ ذیل میں ایسے چند واقعات کی نشاندہی کی جاتی ہے جس سے اُن کی حاضر جوابی اور برجستہ گوئی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایک بار ادری ضلع اعظم گڈھ میں مولوی منظور سنبھلی سے مناظرہ ہو رہا تھا۔ مولوی منظور نے اظہار تعلی کے طور پر کہا کہ مولانا (شیر بیشۂ سنت) آج ایسے شخص سے آپکا پالا پڑا ہے جسکے نام (منظور) اور "مناظِر" کے عدد برابر ہیں۔ اس سے آپ میری مناظرانہ صلاحیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حضور شیر بیشۂ سنت نے فوراً جوابی تقریر میں فرمایا مجھے خوب معلوم ہے منظورؔ اور مناظِرؔ کے عدد برابر نہیں بلکہ "منظور" اور "مناظِرہ" کے عدد برابر ہیں۔ دیوبندی مناظر کا مقصد یہ تھا کہ منظور میں بھی پانچ حروف ہیں اور مناظر میں بھی پانچ حروف ہیں۔ شیر بیشۂ سنت کے جواب کا مقصد یہ تھا کہ ابجد کے قاعدے سے منظور کے عدد گیارہ سو چھیانوے ہوئے اور مناظر کے پانچ کم البتہ مناظرہ کے بھی گیارہ سو چھیانوے عدد ہیں تو ابجد کے قاعدے سے منظور اور مناظرہ کے عدد برابر ہوئے۔ اور مناظِرہ ظا کے کسرہ کے ساتھ باب مفاعلت سے اسم فاعل کے مؤنث کا صیغہ ہے۔ لہٰذا حضرت شیر بیشۂ سنت نے فرمایا کہ تم مناظرہ تو کر سکتے ہو لیکن مناظِر نہیں

بن سکتے۔ اس لطیف طنز کو سُن کر دیوبندی مناظر منظور سنبھلی جھینپ گیا اور لاجواب ہوگیا۔

خدانخواستہ

برما رنگون کے ایک طویل دورے کے بعد آپ واپس ہندوستان تشریف لارہے تھے۔ راستے میں ساتھیوں میں سے کسی نے کہا حضور! اگر آپ خدانخواستہ وہابی ہوتے تو آپ کی باتوں کا کون جواب دیتا۔ حضرت شیر بیشۂ سنت کو جلال آگیا اور فوراً فرمایا واللہ العظیم خدانخواستہ اگر حشمت علی وہابی ہوتا تو رب قدیر اس کی سرکوبی کیلئے ہزاروں حشمت علی پیدا فرمادیتا۔

اِعراب

حضور سید العلماء مولٰنا آل مصطفٰے علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ بسڈیلہ ضلع بستی کے مناظرے میں حضرت شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ نے "حسام الحرمین" کی ایک عربی عبارت "ادام اللہ برکاتہٖ" پڑھی تو دیوبندی مولوی چیخ اُٹھے کہ مولٰینا آپ کو عربی بھی پڑھنا نہیں آتی "برکاتہٗ" نہیں "برکاتہٗ" پڑھیئے۔

حضرت شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ نے فرمایا سنو!

"برکات" جمع مونث سالم ہے۔ اس کو حالت نصب میں جر ہوتا ہے افسوس! تم لوگوں کی حالت پر نحو میر بھی یاد نہیں اور مناظرہ کرنے چلے آئے۔

خدا کی صفت بندے میں

بھاؤپور ضلع سدھارتھ نگر (بستی) کے تحریری مناظرہ میں دیوبندی مناظر تہیم پرانپوری سے مسئلہ علم غیب پر بحث چل رہی تھی۔ پرانپوری اپنی بات منوانے پر بضد تھا اور بار بار کہہ رہا تھا کہ مولانا آپ لوگ خدا کو بھی عالم الغیب مانتے ہیں اور رسول کے لئے بھی علم غیب تسلیم کرتے ہیں۔ خدا کی صفت بندے میں مان کر آپ لوگ مشرک ہوگئے مظہر اعلیحضرت شیر بیشۂ سنت نے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ و اقوال ائمہ سے ثابت فرما کر وہابی مناظر کو سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ ضد پر اڑا رہا۔ حضرت شیر بیشۂ سنت کو جلال آگیا گرج کر فرمایا

او ظالم بتا! اب میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ تو زندہ ہے یا مردہ؟ وہابی مناظر کہنے لگا زندہ۔ آپ نے فرمایا اور تیرا خدا مردہ ہے یا زندہ۔ کہا زندہ۔ فرمایا یہ کیسے تو بھی زندہ اور تیرا خدا بھی زندہ۔ خدا کی صفت اپنے لئے مان کر تو اپنے ہی قول سے مشرک ہوگیا۔ بدحواسی کے عالم میں وہابی مناظر نے کہا نہیں مولانا سُنیئے! میرا خدا زندہ ہے مگر میں مردہ ہوں۔ یہ سُنتے ہی حضرت شیر بیشۂ سنّت نے برجستہ فرمایا سن! ہمارے یہاں ہندوستان میں مردوں کیلئے دو ہی طریقے ہیں جلادیا جاتا ہے یا دفن کردیا جاتا ہے بول تو کیا چاہتا ہے جلادیا جائے یا دفن کردیا جائے۔ وہابی مناظر مبہوت ہوگیا اور کچھ نہ کہہ سکا۔

میرا دین

دیناج پور بنگال میں مناظرہ ہورہا تھا۔ وہابی مناظر نے وصایا شریف کی عبارت پیش کر کے بڑی تعلّی سے کہا دیکھو مولانا احمد رضا خاں کا دین نیا دین ہے۔ جسے دینِ اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے اسی لئے وہ اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ میرے دین و مذہب پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ پتہ چلا کہ خانصاحب کا دین چودہ سو سال والا پرانا دین، مذہب اسلام نہیں ہے بلکہ یہ ایک نیا دین ہے جو گمراہی اور شرک و بدعت کا مجموعہ ہے۔

دیوبندی مناظر کے چپ ہوتے ہی فوراً حضرت شیر بیشۂ سنّت علیہ الرحمہ نے فرمایا اگر میرا دین اور تیرا دین کہنا گمراہی ہے تو سنو صحیح حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میت کو دفن کر کے جب لوگ واپس لوٹتے ہیں تو دو فرشتے منکر و نکیر قبر میں آکر مردے کو اٹھا کر پوچھتے ہیں ——— تیرا رب کون ہے ——— تیرا دین کیا ہے وہابیو دیوبندیو بولو جلد بولو۔ یہ اللہ کے معصوم فرشتے کیا کہہ رہے ہیں اور یہ خبر دینے والے سید المعصومین صلے اللہ علیہ وسلم ہیں تو ان فرشتوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کہوگے۔ نیز آپ نے وہابی مناظر سے پوچھا کہ بول جب فرشتے تجھ سے پوچھیں گے ——— تو تو کیا کہے گا۔ وہابی مناظر نے مجبور ہو کر کہا ——— میرا دین اسلام ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے گرج کر فرمایا کیوں کیا اسلام تیرا دین ہوگا؟ یا تیرے باپ دادا کا دین ہوگا آخر ایسا کیوں کہے گا جبکہ تیرے دھرم کے اندر میرا دین اور تیرا دین کہنا گمراہی و بدمذہبی کی بات ہے وہابی مناظر آپکے اس الزامی جواب پر

حیران ہو گیا اور بولتی بند ہو گئی۔

نمک حرامی نہیں! سنّت نبوی

بازار باغ دھانے پور ضلع گونڈہ میں مولوی عبد السلام کاکوروی سے مناظرہ ہو رہا تھا۔ وہابی مناظر نے کہا مولانا آپ تو نمک حرام ہیں۔ جس تھالی میں کھایا اسی میں سوراخ کیا (وہابی مناظر کا اشارہ اسطرف تھا کہ ابتداءً آپنے ہمارے یہاں تعلیم حاصل کی اور اب ہماری تکفیر کرتے ہیں) حضرت شیر بیشۂ سنّت نے برجستہ فرمایا! نادان تو سمجھا نہیں۔ یہ میں نے نمک حرامی نہیں کی ہے بلکہ ایک نبی کی سنت پر عمل کیا ہے۔ کیا بھول گئے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی گود میں پلے بڑھے اور اسی کے تخت و تاج کو تاراج فرمایا۔

نحو میر بھی یاد نہیں

ادری ضلع اعظم گڈھ کے مناظرہ میں حدیث نَخْلَہ پہ بحث چل رہی تھی۔ دیوبندی جماعت کے مناظر مولوی منظور سنبھلی تھے۔ مولوی حبیب الرحمٰن مئوی کی تلقین پہ منظور سنبھلی نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار عین صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیادتی پر یوں استدلال کیا کہ انتم اعلم بامور دینا کم میں اعلم اسم تفضیل ہے اور پھر شیر بیشۂ سنّت سے مخاطب ہو کر کہا کہ مولانا اگر آپنے کافیہ پڑھی ہے اور یاد ہے تو معلوم ہونا چاہیئے کہ اسم تفضیل مفضل مفضل علیہ چاہتا ہے اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مفضل اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مفضل علیہ ہیں۔ اس لئے ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا علم حضور سے زیادہ تھا۔

حضور شیر بیشۂ سنّت کی حاضر جوابی پر قربان جایئے۔ مولوی منظور کو للکار کر فرماتے ہیں کہ تم ہمیں کافیہ یاد نہ رہنے اور نہ پڑھنے کا طعنہ دیتے ہو مگر معلوم ہوتا ہے کہ تم اور تمہارے استاد حبیب الرحمٰن مئوی اور اُن کے ڈیڑھ سو مولویوں نے نحو میر بھی نہ پڑھی اور اگر پڑھی بھی ہے تو یاد نہیں ہے۔ اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے لکھے ہیں ۱ اضافت کے ساتھ ۲ مِنْ کے ساتھ ۳ الف لام کے ساتھ۔ یہاں ان تینوں میں سے ایک بھی نہیں۔ پھر یہ اسم تفضیل

کیسے ہوا۔ اس پہ ڈیڑھ سو دیوبندی مولویوں کے چہروں پہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔ پسینہ پر پسینہ آنے لگا۔ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور لمبی لمبی داڑھیاں کھجلانے لگے (۱)

نحو میر اور کافیہ یہ فن نحو میں دو اہم کتابیں ہیں جو مولوی درجہ میں پڑھنے والے طلبہ کو یکے بعد دیگرے عربی مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔

خصم کا معنی شوہر یا مدّ مقابل

گیا (بہار) میں مناظرہ ہو رہا تھا۔ کسی موقع پہ دیوبندی مناظر مولوی منظور سنبھلی کو مخاطب کرتے ہوئے آپنے فرمایا کہ میں تمہارا خصم ہوں۔ خصم عربی زبان میں مدّ مقابل کو کہتے ہیں۔ یہ بات مولوی منظور کو بری لگی اور انہوں نے کہا کہ خصم کے معنی شوہر کے آتے ہیں آپنے اس لفظ سے میری توہین کی ہے۔ اب جب تک آپ یہ لفظ واپس نہ لیں گے میں آپ سے مناظرہ نہیں کروں گا۔ کیوں کہ شرائط میں طے ہو چکا ہے۔ فریقین ایکدوسرے کے خلاف دلخراش باتیں نہیں کہیں گے۔

حضور شیر بیشۂ سنّت نے ہر چند تشریح کی کہ یہاں شوہر کے معنی پر کسی طرح قرینہ نہیں کیوں کہ آپکے چہرے پہ داڑھی موجود ہونے کی نشانی ہے کہ آپ عورت نہیں ہیں کہ آپ سے میرا نکاح ممکن ہو اور آپ بیوی میں شوہر ہو سکوں اور اگر بالفرض داڑھی ہوتے ہوئے بھی آپ عورت ہوتے اور یہ داڑھی مخالف فطرت تھی تو بھی یہ معنی ممکن نہیں۔ اسلئے کہ آپ دیوبندی مرتد ہیں اور میں سنّی ہوں اور سنّی کا دیوبندی مرتد سے نکاح صحیح نہیں۔

پھر آپنے مناظرہ رشیدیہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اس میں خصم مدّ مقابل کے معنی میں مستعمل ہے۔ مناظرہ کے درمیان یہ لفظ بولنا اس بات پر قرینہ ہے کہ اس سے مراد مدّ مقابل ہی ہے۔ پھر بھی مولوی منظور کی سمجھ میں بات نہ آئی اور کہتے رہے کہ جب تک یہ لفظ واپس نہ لیں گے مناظرہ نہ ہو گا۔ (۲)

---

(۱) ماہنامہ اعلیٰحضرت ص ۵۶ جون سنہ ۱۹۹۰ء
(۲) ماہنامہ اعلیٰحضرت ص ۵۹ جون سنہ ۱۹۹۰ء

پشت پناہی کے لئے

جب حضور شیر بیشہ سنّت کی شادی ہوئی تو شہ بالا کے فرائض حضور سید العلماء حضرت مولانا سید آل مصطفےٰ مارہروی رحمۃ اللہ نے انجام دیئے۔ بارات چلتے وقت گھوڑے پر آپ آگے اور شہ بالا کی حیثیت سے سید العلماء آپ کے پیچھے رونق افروز ہوتے بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ بات رہ رہ کے آتی تھی کہ جو شخص سادات کا اس قدر احترام کرتا ہو وہ کیوں کر آج انھیں پیچھے بٹھاتے ہوئے ہے۔ حسب عادت انھیں آگے بٹھانا چاہیئے۔ آج وہ جذبۂ خلوص کہاں چلا گیا۔ بالآخر کسی نے پوچھ ہی لیا کہ حضرت آخر آج ایسا کیوں؟ تو حضور شیر بیشۂ سنّت نے فرمایا "پشت پناہی کیلئے" پشت پناہ پیچھے ہی ہوا کرتا ہے (۲)

جنّتی اور جہنمی کی پہچان

حضور شیر بیشہ سنّت رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت قطب عالم سید علی ہجویری علیہ الرحمۃ والرضوان کے مزار مقدس سے فاتحہ پڑھکر واپس آرہے تھے کہ راستے میں تبلیغیوں کی ایک ٹولی ملی جس میں دوچار گرگ جہاندیدہ تھے وہ پوچھ بیٹھے کہ

تبلیغی: کہیئے مولانا کہاں کا رخت سفر ہے، کیا نام ہے، کہاں سے تشریف لائے ہیں؟

شیر بیشہ سنّت: پیلی بھیت میرا مکان ہے حشمت علی میرا نام ہے حضرت سید علی ہجویری کے مزار مقدس سے فاتحہ پڑھکر اپنے مکان جارہا ہوں۔

تبلیغی: مولانا وہاں تو جنتی دروازہ ہے سُنا ہے جو گذر جاتے ہیں جنتی ہوجاتے ہیں آپ گذرے ہیں یا نہیں!

شیر بیشۂ اہلسنت: ہاں میں گذرا ہوں بے شک میں جنّتی ہوں

تبلیغی: حضرت کے ہاتھ پاؤں سونگھ کر! ہرگز نہیں آپ جنّتی نہیں ہیں اسلئے کہ حضور صلعم[*] فرماتے ہیں کہ جو جنّتی ہوگا اُن کے جسموں سے جنت کی خوشبو آئے گی اگر آپ جنّتی ہوتے تو ضرور خوشبو ملتی؟

(۱) امان الرب: کلکِ رضا ص ۱۸ گلشنِ بغداد ہزاری باغ ۱۹۹۰ء

[*] صلی اللہ علیہ وسلم

شیر بیشہ سنت: فرمان رسول کے مطابق جہنمی پر جنت کی خوشبو حرام ہے تم جہنمی ہو اس لئے تمہیں جنتی کی خوشبو نہیں محسوس ہورہی ہے (۱)

تصلب فی الدین

حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ مذہب کے معاملے میں بہت ہی زیادہ متصلب تھے۔ تصلّب کی اسی زیادتی کو لوگوں نے شدّت کہا ہے۔ اس تصلّب میں وہ کہاں تک حق بجانب تھے اس سلسلے میں تصلّب کی صحیح تعریف وتوصیف جان لینی ضروری ہے۔

حضرت مولانا حافظ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آیۂ کریمہ "وقالوا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ" (۲) کے تحت فرماتے ہیں۔

"ومعنی تصلب حق آنست کہ دین حق رابقوت بگیرد وہرگز بدینے وآئینے نظر نہ کند وبہ تلبیسات شیاطین واستدراجات جوگیہ ورہابین گوش نہ نہند وبسبب ورود مصائب وامتحانات درحسن دین خود شک تردد پیدا نکند وایں امر محمود درجمیع ادیان ومطلوب درہر زمان است ومعنی تعصب باطل آنست کہ بسبب حمیّت اسم خود ونیک غیر خود را بد داند وایں امر مردود ومعیوب ست" (۳)

تصلّب کے حق معنی یہ ہیں کہ دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے اور کسی دوسرے دین یا کسی دوسرے طریقے کیطرف ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور شیطانوں کے فریب سے بھری ہوئی باتوں اور جوگیوں، سادھوؤں کے استدراجی خوارق عادات کیطرف کان نہ لگائے اور مصیبتوں اور آزمائشوں کے آجانے کی وجہ سے اپنے

(۱) امان الرب: کلکِ رضا ص ۲۶ گلشن بغداد ہزاری باغ ۱۹۹۰ء
(۲) البقرہ ۸۸
(۳) عبد العزیز دہلوی تفسیر عزیزی ص ۳۲۷ مطبوعہ محمدی لاہور

سچے دین کی خوبی میں کسی طرح کا شک و تردد ہرگز پیدا نہ ہونے دے اور یہ تصلّبِ حق تمام ادیانِ الٰہیہ میں پسندیدہ و محبوب اور ہر زمانے میں مطلوب و مرغوب ہے۔ اور تعصب باطل کے معنی یہ ہیں کہ اپنی رسم یا اپنے خاندانی اعزاز کی پاسداری کے سبب دوسرے مذہب کو اسکی حقانیت کے دلائل و براہین واضح ہو جانے کے بعد بھی اس سچے مذہب کو نہ مانے اور اس کا انکار نہ کرے اور اپنے برے کو بھلا اور دینِ حق کے ماننے والوں کے بھلے کو برا جانے اور یہ تعصب باطل مردود و معیوب ہے۔"

ایک روایت میں عصبیت کی تعریف اسطرح بیان کی گئی ہے۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں۔ قلت یارسول اللہ ما العصبیۃ میں نے عرض کیا یارسول اللہ عصبیت کیا ہے قال ان تعین قومك علی الظلم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عصبیت (تعصب) کی تعریف یہ ہے کہ تو اپنی قوم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھکر اُس کی امداد و اعانت کرے۔ رواہ ابوداؤد (۱)

اس حدیث مبارک کی روشنی میں واضح ہے کہ ناحق طرفداری ظلم ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ علمائے اہلسنت ناحق کی طرفداری نہیں کرتے ہیں۔ اسلئے وہ ہرگز متعصّب نہیں بلکہ وہ تو دشمنانِ رسول کی سرکوبی اور وفاداران رسول کی حمایت و اعانت کرتے ہیں۔

شیر بیشۂ سنت ابوالفتح مولانا حشمت علیخاں علیہ الرحمہ کی زندگی کا ہر لمحہ اسوۂ رسول کے مطابق تھا اسی لئے دینی امور میں بڑے متصلّب تھے۔ اس معاملے میں ان کا کوئی بھی قدم اسلاف سے ہٹ کر نہیں تھا۔ دین میں رخنہ پیدا کرنے والے یا پیغمبر اور اسکے لائے ہوئے دین سے متعلق اہانت آمیز جملے کہنے والے کو وہ کبھی معاف نہیں کرتے تھے ایسے لوگوں کی وہ شدت سے مخالفت کرتے اور ان کا منہ توڑ جواب دیتے تھے۔ مناظرے، بحث و مباحثے اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

انبیاء اولیا اور دوسرے خدا کے برگزیدہ بندوں کے یہاں دینی تصلب تھا۔ ایسے لوگ

(۱) مجد علی : اربعینِ شدت ص ۲۳ بحوالہ ابوداؤد شریف

حق گو، حق پسند تھے اور حق کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دینے کو حاصل زندگی سمجھتے تھے۔ انھوں نے باطل کی مخالفت کی اور اسے قلع قمع کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ چودھویں صدی ہجری میں جب پاک و ہند کی سرزمین پر شیطان اپنے پرانے ہتھکنڈے کے ساتھ اسلام کے بڑھتے ہوئے وقار کو ٹھیس پہنچانے پر کمر بستہ ہو گیا اور چراغِ مصطفوی سے نبرد آزما ہوا، اس نے حق کو مٹانے کی جتنی چالیں چلیں سب ناکام ثابت ہوئیں الحق یعلوا ولا یعلیٰ حق تو بلند رہتا ہی ہے اسے بلند نہیں کیا جاتا۔

اسی صدی کے اواخر میں جب اس باطل تحریک نے وہابیت کا روپ دھار کر حق کو ملیامیٹ کرنے کی ناپاک سازش کی تو انگریز نوازی کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اس دور کا مجدد امام احمد رضا فاضل بریلوی جیسا عاشق رسول حق کا پرچم بلند کرنے کی دل میں ٹھان لیتا ہے اور اپنے نوکِ قلم اور فیضان نظر سے لوگوں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ایسا عشق جلوہ گر کر دیا جس سے شمع محبت کی لَو صحرائے نجدیت کی کالی آندھیوں میں بھی فروزاں رہی

اِسی مذہب حق کی صداقت کو آشکار کرنے اور باطل مذہب کو مٹانے کیلئے اعلیحضرت فاضلِ بریلوی کے ولد مرافق شیر بیشۂ سنّت میدان میں آئے۔ اور لوگوں کے سامنے انھوں نے اپنی شخصیت کو اشداء علی الکفار رحماء بینھم کی سچی عملی تصویر بنا کر پیش کیا۔ چوں کہ وہ رسول اور ان کے صحابہ کے تبع اور اس آیت کی عملی تصویر تھے۔ اس لئے اگر وہ ایک طرف انتہائی نرم دل تو دوسری طرف حد درجہ متصلب فی الدین تھے۔ شیر بیشۂ سنّت کی اسی دینی تصلب کو بعض لوگوں نے شدت سے تعبیر کیا ہے۔ اگر انہی لوگوں کی زبان میں اسے شدت کہا جائے تو حرج ہی کیا ہے۔ قرآن مقدس میں دشمنانِ رسول اور کافروں پر شدت کرنے کیلئے صحابہ کرام کے اوصاف اسطرح بیان کئے گئے ہیں۔ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین (۱) ایمان والوں پر بہت نرم کافروں پر بہت سخت ہیں۔ اور تفسیر مدارک کی ایک عبارت کے مفہوم کے تحت ان کا تشدد

(۱) مائدہ - ۵۴

تو اس درجہ تھا کہ وہ اپنے کپڑوں کو بھی کافروں کے کپڑوں سے چھو جانے کو بچاتے تھے اور اپنے جسموں کو کافروں کے جسموں سے مس ہونے سے بچاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ گرامی ہے۔ احب الاعمال الی اللہ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ "تمام اعمال میں جو عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے وہ اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں اگر شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ اس سے ہٹ کر نہیں تھا۔ مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ لمحہ اسلاف کی زندگی کا عملی نمونہ تھا۔

مسلم کی ایک روایت ہے ان مرضوا فلا تعودوهم وان ماتوا فلا تشهدوهم وان لقيتموهم فلا تسلموا عليهم ولا تجالسوهم ولا تشاربوهم ولا تواكلوهم ولا تناكحوهم ولا تصلوا عليهم ولا تصلوا معهم۔

اگر بدمذہب بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ اور اگر وہ مر جائیں تو جنازے پر نہ جاؤ اور جب ان سے ملو تو سلام نہ کرو اور نہ اُن کے پاس بیٹھو اور نہ ان کے ساتھ پانی پیو اُن کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ اُن سے شادی بیاہ نہ کرو اُن کے جنازے کی نماز نہ پڑھو اور ان کے ساتھ بھی نماز نہ پڑھو

یہی اُن کے استاد امام احمد رضا فاضل بریلوی کا معمول تھا اور حکم و مشورہ بھی یہی۔ زندگی میں ذرہ برابر بھی مذہبی تصلب میں لوچ نہیں آنے دیا اور اپنے متبعین و معتقدین کو اسی کا درس بھی دے گئے۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے | ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
کیجئے چرچا انھیں کا صبح و شام | جانِ کافر پر قیامت کیجئے
مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں | ذکر آیاتِ ولادت کیجئے
غیظ میں جل جائیں بیدینوں کے دل | یا رسول اللہ کی کثرت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم رسول | اُس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

حیٔ باقی جس کی کرتا ہے ثنا | مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے
جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضاؔ
یاد اُس کی اپنی عادت کیجئے (۱)

امام اہلسنت فاضل بریلوی کا یہ مخلصانہ ایمان افروز مشورہ دیکھئے اور شیر بیشہ سنت علیہ الرحمہ کا عمل۔ صداقت کی بولی یہی ہوگی کہ اگر ان کے مزاج میں شدت تھی تو ایسی جس طرح اعلیحضرت نے فرمایا ہے۔ بعض لوگوں نے اُن کے اس مذہبی تصلب اور شدت کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اُن کے لئے اعلیحضرت کے یہ اشعار غلط فہمی دور کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ہمارے خیال سے ایمان میں پختگی اسی وقت ممکن ہے جب الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی انسان عملی تفسیر بن جائے۔ یقیناً دینی اور مذہبی تصلب کی بنا پر شیر بیشہ سنت کو کلکِ رضا کہا گیا ہے۔ بلا شبہ وہ دشمنانِ رسول کے حق میں کسی خونخوار خنجر سے کم نہیں تھے اعلیحضرت فرماتے ہیں۔

کلکِ رضاؔ ہے خنجر خوں خوار برق بار
اعدا سے کہدو خیر منائیں نہ شر کریں

اعلیحضرت اور مظہر اعلیٰ حضرت دونوں حضرات زندگی بھر ان دونوں مصرعوں کی عملی تصویر رہے۔ وہی کیا جو قرآن وحدیث کے مطابق تھا۔

اس سلسلے میں حکامِ وقت یا کسی عزیز کی محبت ان کے اصول میں بے ضابطگی نہ پیدا کر سکی۔ اپنے اور بیگانے کی پرواہ کئے بغیر وہ تادم زیست اعلان حق و صداقت کرتے رہے۔

کلکِ رضا کی ہیبت چھوٹے تو چھوٹے بڑے لوگوں میں اس درجہ تھی کہ بس ؟ ایک بار کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا ابوالشاہ محمد عبد القادر صاحب رضوی ناظم جامعہ رضویہ لائل پور کے والد محترم کی دعوت پر جب حضرت شیر بیشہ سنت احمد آباد تشریف لے گئے۔ آپکے علاوہ اس

(۱) امام احمد رضا : حدائق بخشش (۱ : ۸۸) مطبوعہ کان پور

پروگرام میں حضرت مولانا سردار احمد محدث لائلپوری بھی شریک تھے۔ واپسی پر ہر دو حضرات جب اسٹیشن تشریف لائے تو احباب اہلسنت کا ایک قافلہ بھی ساتھ ساتھ تھا۔ ٹرین آئی تو پلیٹ فارم پر موجود سیکڑوں مسلمانوں نے عقیدت ومحبت واحترام کے ساتھ اپنے مذہبی پیشواؤں کو الوداع کرنے سے قبل نعرہائے تکبیر و رسالت کی فلک شگاف آوازیں بلند کیں۔ پورا پلیٹ فارم گونج اٹھا۔ ٹرین کے مسافروں نے کھڑکیوں سے جھانکنا شروع کیا۔ اچانک حضرت شیر بیشۂ سنت کی نظر صدر دیوبند مولوی حسین احمد پر پڑ گئی جو اپنے چند کانگریسی لیڈروں کے ساتھ ٹرین کے ایک ڈبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا سردار احمد اور شیر بیشۂ سنت اسی ڈبے میں سوار ہوئے۔ صدر دیوبند نے دیکھا تو مارے ہیبت کے ٹھہر نہ سکا اور اتر کر دوسرے ڈبے میں سوار ہو گیا۔ (۱)

یہ تھی کلکِ رضا کی ہیبت جس کے سبب اعدائے دین کے دن کا چین اور رات کی نیند حرام تھی۔ یہ سب کچھ نتیجہ تھا اسی مذہبی تصلّب کا۔ اس تصلّب کے سلسلے میں لوگوں نے نہ جانے کیا کیا کہا۔ مگر وہ اسلاف کے طور وطریق پر گامزن رہے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے علماء و مشائخ کے جھرمٹ میں حضور شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ سے کہا کہ مولانا آپ تو اس قدر شدت فرماتے ہیں مگر آپ کے استاد حضرت صدر الشریعہ وہابیوں کے ساتھ اتنی شدت نہیں فرماتے تھے۔ تو آپ نے برجستہ فرمایا کہ اولاً آپ کی یہ بات ماننے کو تیار ہی نہیں کہ حضرت سیدی واستادی صدر الشریعہ وہابیوں کے ساتھ شدت کم کرتے تھے اور اگر بفرض محال تسلیم بھی کر لوں تو سُنئے ایک طرف استاد کا عمل اور دوسری طرف پیر ومرشد کا حکم۔

دشمنِ احمد پہ شدت کیجئے　　ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

حضرت شیر بیشۂ سنت نے معترض سے پوچھا کہ جناب اب آپ ہی ارشاد فرمائیں میں استاد کا عمل اپناؤں یا پیر کا حکم مانوں؟ معترض لاجواب ہو گیا اور پھر اُسے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

(۱) نوری کرن ستمبر ۱۹۶۰ء

شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ کے اندر دینی تصلب زیادہ تھا اسلئے کہ اعلیحضرت نے مظہر اعلیحضرت کو اسی طرح کا کام سپرد کیا تھا اور وہ کام تھا رد وہابیہ۔ اعلیحضرت کا یہی محبوب مشغلہ تھا۔ اعلیحضرت قلم سے وہابیت کی تردید کرتے اور مظہر اعلیحضرت زبان سے وہابیت کا رد فرماتے۔ یقین جانئے جس مذہب کے خلاف اعلیحضرت کا قلم اور مظہر اعلیحضرت کی زبان یکجا ہو جائے اس مذہب کی بیخ کنی ضروری ہے چناں چہ ہوا بھی یہی۔ ان دونوں حضرات استاد اور شاگرد نے اپنے زمانے میں وہابیت کو پنپنے نہیں دیا۔ یہ ڈیوٹی انھیں بارگاہِ رضا سے ملی تھی۔ اس کا ثبوت ذیل کے اس واقعے سے ملتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت شیر بیشۂ سنت نے اپنے نسبتی بھائی سعید خانصاحب سے "معمولاتِ عزیزیہ" طلب کی۔ غالباً اس میں کوئی وظیفہ دیکھنا تھا۔ رات میں مطالعہ شروع کیا۔ کتاب دیکھتے ہی دیکھتے سو گئے۔ خواب میں سرکار امام اہلسنت کی زیارت ہوئی۔ فرمایا مولانا آپ سے ہمیں بہت کام لینا ہے۔ آپ ان مصروفیات میں نہ پڑیں۔ صبح ہی آپ نے سعید خانصاحب کو بلایا بے شمار دعاؤں کے بعد فرمایا اگر آپ کے پاس "معمولات عزیزیہ" نہ ہوتی تو شاید میں اس سعادت سے محروم رہ جاتا۔ البتہ اللہ تبارک وتعالےٰ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں آپ کی عمر میں بہتری کے ساتھ برکت عطا فرمائے کیوں کہ آپکی کتاب کے ذریعے مجھے حضور اعلیحضرت قدس سرہ العزیز کی زیارت نصیب ہوگئی۔ (۱)

اعلیحضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان میں چوں کہ دینی و مذہبی تصلب زیادہ تھا۔ اس لئے گستاخانِ رسول تو درکنار خلاف شرع کام کرنے والے ہر شخص کی ملاقات سے احتراز کرتے تھے۔ اسی طرح مذہبی تصلب کا عنصر شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کے اندر بھی کوٹ کوٹ بھرا ہوا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے اعلیحضرت فاضل بریلوی نے انھیں ولد ۹ دانق فرمایا ہے۔ اور یہ اسوقت فرمایا تھا جب وہابیت کا قلع قمع کرکے ہلدوانی سے واپس بریلی لوٹے تھے۔ اس موقع سے ایک سوال ابھرتا ہے کہ اگر مزاج میں دین کے معاملہ میں شدت

(۱) نوری کرن ستمبر ۱۹۶۰ء

نامناسب بات ہوتی تو اعلیٰحضرت خود اسکی نشاندہی فرماتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ شیر بیشۂ سنت میں دینی تصلب نفرت کی حد تک تھا۔

لیکن یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ پھر یہ صفت اعلیٰحضرت سے تمام وابستگان کے یہاں کیوں نہ تھی اس کا جواب حضرت مولانا ابراہیم رضا جیلانی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی تقریر کی روشنی میں یہ دیا جا سکتا ہے کہ دینی تصلب تو اپنے تمام کمالات کے ساتھ ہر ایک شخص کے یہاں تھا مگر حالات و زمانہ سے وہ اس طرح متاثر ہوئے کہ یہ تصلب نسبتاً کمزور ہوتا گیا۔

ذیل میں اس تقریر کا خلاصہ دیا جا رہا ہے جسے نبیرۂ اعلیٰحضرت مولانا ابراہیم رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۲۶ صفر ۱۳۶۹ھ یکشنبہ کی شب میں بعد نماز عشاء آستانہ عالیہ ضیائیہ واقع محلہ بشتیان پیلی بھیت بتقریب عرس ضیائی ہزارہا عوام و خواص اہلسنت کی موجودگی میں کی تھی۔ اس تقریر سے شیر بیشۂ سنت کے دینی تصلب پر بھرپور روشنی پڑتی ہے مکمل تقریر شرح و بسط کے ساتھ ترجمان اہلسنت از پنجم تا دہم کے صفحات پر شائع ہو چکی ہے۔

حضرت اقدس شاہ جیلانی میاں صاحب کا نعرۂ حق

پیارے سنی حنفی قادری رضوی بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اللہ تعالیٰ ایک آیت کریمہ "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ" (۱) میں فرماتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم فرمانے والے ہیں اور اللہ ہر شئی کا جاننے والا ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن ایک حدیث میں ہے من سلك علی طریقتی فهو آلی یعنی جو شخص میرے راستے پر چلے تو وہ میری آل ہے۔ دوسری حدیث شریف میں ہے آلی کل مومن تقی ہر پرہیزگار ایماندار

(۱) الاحزاب ۴۰

میری آل ہے۔

آیت کریمہ اور احادیث طیبہ کے مفہوم کو یکجا کرنے پر یہ مطلب نکلا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا کے مردوں میں کسی کے صلبی و جسمانی باپ نہیں لیکن ہر ایک پرہیزگار ایماندار شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی و ایمانی بیٹا ضرور ہے۔ اور اگر کوئی کسی جسمانی و صلبی بیٹا ہی کیوں نہ ہو لیکن اگر اس کے اعمال و افعال شریعت مطہرہ سے ٹکرا رہے ہوں تو وہ ان کا بیٹا اور اہل نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کے بارے میں کہا گیا "اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ" (۱) کنعان تیرے گھر والوں میں نہیں کیوں کہ اس کے کام برے ہیں۔ اسی طرح علمائے حق کا کوئی صلبی و جسمانی بیٹا بھی اگر ان کے دین و مذہب پر نہ رہے تو وہ اس کا دینی و روحانی بیٹا نہیں ہے۔ اور کسی ربانی عالم دین کا کوئی نام لیوا جو اس کی نسل سے ظاہری طور پر کچھ تعلق نہ رکھتا ہو لیکن اس کے دین و مذہب پر ثابت و مستقیم ہو تو وہ اس کا روحانی و ایمانی بیٹا ضرور ہے۔

اس طرح ہر وہ سنی عالم جو دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح قائم ہو جس طرح کی اعلیٰ حضرت نے قائم رہنے کے لئے فرمایا ہے تو وہ شخص اگرچہ اعلیٰحضرت کا صلبی جسمانی بیٹا نہ سہی مگر ایمانی و روحانی بیٹا ضرور ہے۔ اور اس کے برعکس ان کا کوئی جسمانی و صلبی ہی کیوں نہ ہو مگر دین مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء پر قائم نہیں تو وہ ان کا بیٹا نہیں سمجھا جائیگا۔

پیلی بھیت کے سنی حنفی قادری رضوی بھائیو!

تم کو مبارک ہو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہاری دینی رہنمائی اور ایمانی دستگیری کے لئے ایک ایسی مبارک ہستی عطا فرمائی جو اعلیٰحضرت قبلہ کا مظہر ہے اور اعلیٰحضرت قبلہ کا روحانی نور نظر اور دینی قرۃ البصر ہے وہ حضرت شیر بیشۂ سنت مولانا الشاہ محمد حشمت علی خاں صاحب قبلہ کی ذات گرامی ہے جنہوں نے شدید فتن کے دور میں بھی سخت محن کے وقت میں اعلیٰحضرت قبلہ رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے پڑھائے ہوئے سکھائے ہوئے، سمجھائے ہوئے، اور یاد کرائے ہوئے سبق کو خود بھی پوری طرح یاد رکھا اور اپنے وابستگان اہلسنت کو بھی خود بھی

(۱) ھود : ۴۶

پوری طرح اس پر سخت سے سخت امتحانوں شدید سے شدید ابتلاؤں میں ثابت و مستقیم رہے اور دامن سے لپٹے ہوئے سنی مسلمانوں کو بھی اسی پر مضبوتی کے ساتھ ثابت و مستقیم رکھا اور یہ مظہر اعلیٰ حضرت شیر بیشۂ سنت اور اُن کے ساتھ والوں پر اور ان کے ساتھ مسلمانانِ اہل سنت پر خدا و رسول کا فضل و کرم ہے۔ اعلیٰحضرت قبلہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بیٹے کو جیسا ہونا چاہیئے تھا افسوس کہ ہم بھی ایسے نہیں رہے۔ یار لوگوں نے مختلف سبز باغ دکھا دکھا کر ہم لوگوں کو بھی اعلیٰحضرت قبلہ کا وہ پیارا سبق بھلا دیا۔ آج ہم پھر اعلیٰحضرت قبلہ قدس سرہٗ کے اسی دیئے ہوئے سبق کو یاد کرنے کے لئے اس ہستی (شیر بیشۂ سنت) کے پاس آئے ہیں۔ دعا کیجئے کہ اب ہم کبھی بھی حضور اعلیٰحضرت قبلہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ، کے دیئے ہوئے اس ایمانی سبق (یعنی موالاۃ اولیاء اللہ ورسولہ ومعاداۃ اعداء اللہ ورسولہ جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کو اعتقاداً قولاً فعلاً کسی طرح نہ بھولیں اور مسلمانوں کو وہی سبق یاد کرانے اسی کا عامل بنانے میں اپنی زندگی صرف کر دیں (آمین)

اس پوری تقریر کے لفظ لفظ سے مترشح ہے کہ اولیاء اللہ سے دوستی اور ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا یہی اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا سبق تھا جس پر شیر بیشہ سنت زندگی بھر عمل پیرا رہے۔ زندگی میں نہ جانے کتنے اتار چڑھاؤ آئے مگر شیر بیشہ سنت اس سبق سے ذرہ برابر بھی غافل نہیں ہوئے۔ یہ تھا تصلب فی الدین جسے دوسرے ارباب فکر و نظر نے مزاج میں شدت سے تعبیر کیا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس زبدۃ المشائخ حضرت مولانا سید مختار اشرف کچھوچھوی دام ظلہم النورانی فرماتے ہیں۔

"جو ان سے واقف ہو کر ان کے عقیدے کے موافق ہے وہی صحیح معنی میں سنی ہے، صحیح الایمان ہے اور ان سے واقف ہو کر ان کا بدگو ہو وہ یقیناً بدمذہب ہے بے دین ہے۔" (۱)

ایک دوسرے موقع سے مفسر اعظم ہند حضرت مولانا شاہ محمد ابراہیم رضا خاں صاحب قدس سرہٗ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ آباجی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے

(۱) مناظرہ پنجاب مرتبہ مولانا سید فرزند علی ص ۱۱ مطبوعہ ۱۴۰۶ھ

اللہ تعالےٰ نے مجھے دو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ایک مولانا سردار احمد صاحب اور ایک مولانا حشمت علی خاں صاحب"۔

اور یہ سیدنا امام حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کی نگاہ مبارک کا اثر ہے کہ دونوں ہی ہم ذوق و ہم مزاج سخت متصلب اور جذبۂ تبلیغ سنیت سے سرشار تھے (۱)

اسی تصلب فی الدین کا نتیجہ تھا کہ کبھی کسی معاملے میں انھوں نے منافقانہ رویہ نہیں اختیار کیا۔ حق بات بلا جھجک برملا کہنے کے عادی تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی تعریف؟ تو آپ نے جواب دیا "میرا نام حشمت علی ہے میں پیلی بھیت کا رہنے والا ہوں۔ پھر اس شخص نے پوچھا آپ کا پیشہ کیا ہے؟ تو آپ نے جواباً فرمایا "ردّ وہابیہ" آپ کے اس بے باکانہ جواب سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ عشق رسول میں کس قدر سرشار اور بارگاہ رسالت کے کس درجہ وفادار اور اطاعت شعار تھے (۲)

شعر و سخن

حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ شعر و سخن کے دشوار گذار مراحل سے بھی گذرے ہیں۔ ایک شاعر کیلئے کتنی آسائشیں.. کتنا خوشگوار ماحول درکار ہے یہ اس قسم کا ذوق رکھنے والوں پر مخفی نہیں۔ جس کی زندگی کا ہر لمحہ تردید وہابیت کے لئے تیار رہتا تھا، زندگی کے اکثر لمحات سفر میں گذرے۔ بیل گاڑی کبھی بیدل اور کبھی تیسرے درجے کے ڈبے میں سفر کرتے۔ سفر کی صعوبتیں اپنی جگہ مسلم ہیں پھر بھی نہ جانے کن اوقات میں ان کی طبیعت شعر و شاعری کے لئے موزوں ہوتی۔

آپنے باضابطہ اپنی صلاحیت شاعری میں صرف نہیں کی ہے۔ آپ کی جتنی شاعری میری نظر سے گذری ہے اس میں دل کی بات کو سادے الفاظ کا جامہ پہنا کر عوام کے سامنے

(۱) معرکۂ حق و باطل: مرتبہ محمد یونس، ص ج مطبوعہ ۱۴۰۵ھ (۲) فیض الرسول: مارچ ۱۹۸۵ء ص ۲۷

پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم یہ درست ہے لیکن تشبیہات واستعارات وکنایات بھی شاعری کے اہم عناصر ہیں۔ حضور شیر بیشۂ سنت نے اس سے بھی صرف نظر نہیں کیا ہے۔ آپکے اشعار میں ایسی تلمیحات واستعارات ہیں جس سے ان کی موزوں طبیعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اشعار کو پرکھنے اور اس کی تہہ تک پہونچنے کا جو ملکہ آپ کو اللہ نے عطا فرمایا تھا وہ قابل قدر تھا۔ امام احمد رضا کے اشعار کی توجیہہ وتشریح ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں آپ امام احمد رضا کے اشعار کی تہہ تک پہونچ جاتے تھے ٹھیک اسی طرح جس طرح اقبال کے اشعار کی تقریباً صحیح توجیہہ پروفیسر سلیم چشتی اور متنبی کے اشعار کی صحیح توجیہہ وتصریح ابن جنی اور غالب کے اشعار کی توجیہہ الطاف حسین حالی نے کی ہے۔ اس کی تائید حضرت علامہ سید آل مصطفےٰ برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے کی جاسکتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

"حضرت شیر بیشۂ سنت مظہر اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حضور سیدنا اعلیحضرت تاجدار اہلسنت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا کلام سمجھنے کا اللہ تعالےٰ نے خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔" (۱)

آپ کی شاعرانہ مہارت اور شعر فہمی کی دلیل میں وہ قصیدہ معترض فیہ پیش کیا جاسکتا ہے جو امام احمد رضا نے "عروسان حجاز" کے بارے میں لکھا ہے۔ اسکی پہلی ترتیب مشہور ادیب وشاعر یکتا ہندی نے کی جو ۱۹۵۵ء میں روزنامہ اقبال بمبئی میں چھپی مگر وہ ترتیب کچھ زیادہ صحیح نہ تھی تو آپنے پھر اس قصیدہ کی ترتیب احادیث کی روشنی میں اس طرح کی جس طرح "عروسانِ حجاز" کا ذکر بخاری، ترمذی اور مسلم شریف میں ہے۔ وہ مرتب قصیدہ سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۲۲۴ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

سید العلماء حضرت مولانا سید آل مصطفےٰ رحمۃ اللہ علیہ کا اس سلسلے میں ایک واقعہ درج ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں میں طالب علم تھا اجمیر مقدس میں اعلیحضرت کا

(۱) محبوب علی سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۲۲۳

یہ شعر مطالعہ میں آیا۔

زہا از فلسفی سے امن خرق والتیام اسرا ؛ پناہِ دور رحمت ہائے اک ساعت تسلسل کو

بہت غور کرتا رہا مگر سمجھ میں نہیں آیا اپنے ان ساتھیوں سے بھی دریافت کیا جو معقولات کے منتہی تھے۔ کسی نے تسلی بخش جواب نہ دیا۔ جامعہ معینیہ کے صدر المدرسین حضرت صدر الشریعہ مولانا حکیم امجد علی علیہ الرحمۃ والرضوان سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کلاس کے بعد دریافت کرنا۔ پھر بعد میں اُن سے پوچھنے کا موقع نہ ملا۔ کچھ روز بعد شیر بیشۂ سنت اجمیر مقدس تشریف لائے۔ اس شعر کا مطلب ان سے دریافت کیا تو سنتے ہی آپ نے فرمایا مطلب بالکل صاف ہے۔

فلسفی خرق والتیام افلاک کو محال بتاتے ہیں۔ مگر جب آیت اسریٰ کے معنی پر غور کیا جائے تو فلسفی کے مقولہ استحالہ خرق والتیام سے بالکل امن حاصل ہوجاتا ہے کہ اسرا کے معنی ہیں لے جانا اور لے جانے والا قادر مطلق ہے تو فلسفی کا استحالہ خرق والتیام باطل ہوگیا۔

شیر بیشۂ سنت نے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی نہیں کی ہے۔ صنف شاعری میں نعت گوئی ان کا مخصوص میدان ہے اس کے علاوہ بزرگانِ دین اور اکابر علمائے اہل سنت کی شان میں مدحیہ قصائد بھی لکھے ہیں جس سے اکابر علماء اور بزرگوں سے ان کی بے پناہ محبت وعقیدت کا ثبوت ملتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی لمبی لمبی منقبتیں ملتی ہیں۔ ہم ذیل میں لمبی منقبتوں کا انتخاب اور طویل نعتوں کے اہم اشعار دینے کی کوشش کریں گے۔

حضور شیر بیشۂ سنت شاعری میں اپنا تخلص عبید فرماتے تھے۔ ارباب علم و فضل میں حشمت علی کے نام سے جانے جاتے تھے۔ جبکہ مناظروں کی دنیا میں شیر بیشۂ سنت کے نام سے ڈنکا بجتا تھا۔

سب سے پہلے ذیل میں ہم ان کا وہ استغاثہ درج کررہے ہیں جسے انھوں نے حالات کو پیش نظر رکھکر سید الانبیاء، شہدائے کربلا اور اہم بزرگان دین کی جناب میں پیش کیا ہے۔ استغاثہ کے ہر ایک بند سے عجز وانکسار مترشح ہے اور ساتھ ہی ماحول کی صحیح

ترجمانی بھی ہے۔

استغاثہ

مدد کا وقت ہے اے سیدی خیر الوریٰ اٹھئے　　ہوا اعداء کا نرغہ اے حبیب کبریا اٹھئے
ستاتے ہیں بہت اعدائے دیں تیرے غلاموں کو　　پریشاں حال امت ہے شہِ ہر دوسرا اٹھئے
لگایا آپنے جس پودے کو دستِ مبارک سے　　اسی کو کاٹتے ہیں اشقیاء بہر خدا اٹھئے
وہی گلشن صحابہ نے جسے خونوں سے سینچا تھا　　اجاڑا جا رہا ہے اب تو لے ابر سخا اٹھئے
تمہارے نام لیوا مشرکوں سے تنگ آئے ہیں　　ستم کی تیغ سے کٹتا ہے بندوں کا گلا اٹھئے
رسولِ ہاشمی اٹھئے خبر لیجئے غلاموں کی　　مسلمانانِ عالم ہیں بلا میں مبتلا اٹھئے
کہیں بھی اب مسلمانوں کو آسائش نہیں حاصل　　غرض اسلام کی دنیا میں ہے محشر بپا اٹھئے
بتانِ ہند لوٹے لیتے ہیں ایمان کی دولت　　حضور اب دن دہاڑے لُٹ رہا ہے قافلہ اٹھئے
حسینیوں پہ جمعیت یزیدی حملہ آور ہے　　مدد فرمایئے اے دافع کرب و بلا اٹھئے
وہ دینِ پاک جس پہ کربلا میں تم ہوئے قرباں　　مٹایا جا رہا ہے اے شہیدِ کربلا اٹھئے
مسلماں ہو گئے بے دست و پا مظلوم او ربیکس　　مدد فرمائے اے خالدِ سیفِ خدا اٹھئے
وہی اسلام جسکو آپ نے تھا زندہ فرمایا　　تمہارے سونے سے پھر سو گیا غوث الوریٰ اٹھئے
ہجوم و آشیاں ہے ہر طرف سے اہلسنت پر　　عزوم قاتل سیاف سیفِ کبریا اٹھئے
تمہیں ہو بادشاہِ ہند رحمت ہو غریبوں پر　　مرے اجمیری خواجہ اے معین رہنما اٹھئے

عبیدِ خستہ کی فریاد سن لو قادری دولہا
خدا کے واسطے یا مرشدی احمد رضا اٹھئے

(ماخوذ از مناظرہ پنجاب ص ۲۱)

راندیر کے مناظرے میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد جب فرطِ مسرت سے جھومتے ہوئے اپنے پیرو مرشد حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ عنہ کی جناب میں حاضر ہوئے تو

تیس بند پر مشتمل طویل نذرانۂ عقیدت پیش کیا ذیل میں جسکے چند بند پیش کئے جا رہے ہیں۔

بج رہا ہے چار سو ڈنکا ترا احمد رضا
دو جہاں میں ہے گڑا جھنڈا ترا احمد رضا

رتبہ ہے بالا ترا احمد رضا خاں قادری　　درجہ ہے اعلیٰ ترا احمد رضا خاں قادری
تو ہے عبد مصطفیٰ احمد رضا خاں قادری　　میں ہوں اک بندہ ترا احمد رضا خاں قادری

بج رہا ہے چار سو ڈنکا ترا احمد رضا
دو جہاں میں ہے گڑا جھنڈا ترا احمد رضا

پرتوِ صدیق ہے سچائی و گویائی تری　　تیرے چہرے سے عیاں ہیں ہیبتیں فاروق کی
حلم تیرا یادگار حلمِ عثمان غنی　　اور قلم تیرا ہے ظلِّ ذوالفقار حیدری

بج رہا ہے چار سو ڈنکا تیرا احمد رضا
دو جہاں میں ہے گڑا جھنڈا ترا احمد رضا

خاندانِ پاک برکاتیہ کا چشم و چراغ　　تجھکو نوری نے کہا اِسمیں نہیں شکِ دماغ
سنیوں کے قلب تیرے فیض سے ہیں باغ باغ　　نجدیوں کے سینے تیرے حملوں سے ہیں داغ داغ

بج رہا ہے چار سو ڈنکا ترا احمد رضا
دو جہاں میں ہے گڑا جھنڈا ترا احمد رضا

جب گیا گجرات میں یہ تیرا ناکارہ گدا　　مثلِ فارس قصرِ نجدیت میں آیا زلزلہ
بمبئی کا ہر وہابی اپنے گھر میں چھپ گیا　　بھیمڑی کا دیوبندی بحث سے عاجز رہا

بج رہا ہے چار سو ڈنکا ترا احمد رضا
دو جہاں میں ہے گڑا جھنڈا ترا احمد رضا

یہ عبیدِ پُرخطا اِک سگ ہے ناکارہ ترا　　واعظ اسلام میرے محترم تیرے گدا
صدقہ ہم دونوں کو ہے درکار تیرا مرشدا　　ہو کرم ہم دونوں پہ دنیا و آخرت میں سدا

بج رہا ہے چار سو ڈنکا تیرا احمد رضا
دو جہاں میں ہے گڑا جھنڈا ترا احمد رضا

شیر بیشہ سنت رحمۃ اللہ علیہ باضابطہ شاعر تو نہیں تھے البتہ شاعری کا انھیں اعلیٰ مذاق حاصل تھا انھوں نے جا بجا عقیدت کا اظہار نعت و منقبت کی شکل میں کیا ہے۔ آپ کی اکثر منقبتیں امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ہیں۔

آپنے بہت کم نعتیں لکھی ہیں۔ مگر جتنی ہیں عشق و محبت کی آئینہ دار ہیں۔ تلاش بسیار کے بعد دو نعتوں کا علم ہو سکا ہے اور وہ بھی جناب شمس الحق صاحب قادری کی فرمائش پر لکھی گئی ہیں۔ جس زمانے میں آپ رنگون کا دوسرا سفر فرمانے والے تھے ان دنوں کوئی نعتیہ مشاعرہ ہونے والا تھا۔ لوگوں کی خواہش تھی کہ آپ اس میں شرکت فرمائیں۔ مگر حضرت چونکہ پا بہ رکاب تھے اس لئے معذرت طلب کر لی۔ تو شمس الحق صاحب نے کہا مشاعرہ طرحی ہے اس کے لئے کوئی نعت تحریر فرما دیں مصرع طرح یہ ہے

"دیکھے ترا جلوہ تو تڑپ جائے نظر بھی"

حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے کل آنا۔ دوسرے روز صبح یہ نعت شریف لکھکر جناب شمس الحق صاحب کے حوالے کر دی وہ نعت مبارک یہ ہے

اللہ بھی طالب ہے ترا جن و بشر بھی
ہے عرش ترا خلد بھی اللہ کا گھر بھی

چہرہ ہے ترا آئینۂ حسن الٰہی
دیکھے ترا جلوہ تو تڑپ جائے نظر بھی

بسوقت ہوئی ان کو گواہی کی ضرورت
بت بول اٹھے پڑھنے لگے کلمہ شجر بھی

کیا وصف تیرے چہرۂ انور کا بیاں ہو
تلوے ہیں تیرے غیرتِ خور رشکِ قمر بھی

حق نے تمہیں قادر کیا اور غیب کا عالم
بندوں کی مدد کرتے ہو رکھتے ہو خبر بھی

ہے تیرا تصوّر تو مسلمانوں کا ایماں !
اور قلب میں نجدی کے بسا گاؤ بھی خر بھی

بجتے ہیں تیرے ڈنکے فلک عرشِ بریں پر
معمور تیرے ذکر سے ہے بحر بھی بر بھی

سرداروں کے سر خم ہیں درِ پاک پہ تیرے
ساجد تیری سرکار میں ہیں دل بھی جگر بھی

ذرہ ترے کوچے کا اگر جلوہ نما ہو
ٹل جائیگا سورج بھی مقابل سے قمر بھی

مملوک خدا کا ہے خدائی کا ہے مالک
قبضہ میں ترے ارض و سما خشک بھی تر بھی

بھر دے مری جھولی کو نواسوں کا تصدق
سگ ہوں ترا محتاج ترا دست نگر بھی

سگ ہوں میں عبید رضوی غوث و رضا کا
آگے سے مرے بھاگتے ہیں شیرِ ببر بھی

اسی دوسرے سفر رنگون کے دوران ایک روز پھی شمس الحق صاحب پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور ایک مشاعرہ اور مقرر ہوا ہے لوگوں کی تمنا ہے کہ حضرت بھی اپنے کلام سے نوازیں۔ فرمایا مصرع طرح کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا

"شوق جینے کا کیا کرے کوئی"

دوسرے روز حضرت نے یہ نعت شریف لکھکر انھیں دے دی۔

جب تجلّی کیا کرے کوئی — کیوں نہ بے خود ہوا کرے کوئی
حق نے قاسم بنایا ہے تم کو — چاہے جو التجا کرے کوئی
تم کرم پہ کرم ہی کرتے ہو — گو خطا پر خطا کرے کوئی

زخمِ دل کے بتائیں گے اک روز — کیوں پھر ان کو سیا کرے کوئی
میں مریض ان کا وہ مسیحا ہیں — پھر مری کیوں دوا کرے کوئی
ان کی چوکھٹ ہو اور ہو سر میرا — ایسا دن بھی خدا کرے کوئی
یاد "قالو بلیٰ اقوہ تم" — کچھ تو بہرِ خدا کرے کوئی
آپ رب ہیں نہ ذاتِ رب سے جدا — دعویٰ مدح کیا کرے کوئی
پس مردن ہے وعدۂ دیدار — شوق جینے کا کیا کرے کوئی
دوزخی ہے بغیر حبِ حضور — عمر بھر اتقا کرے کوئی
بول بالا رہے گا آقا کا — نارِ غم میں جلا کرے کوئی
سنیو! ان سے تم مدد مانگو — شرک و بدعت بکا کرے کوئی

نام جیتے رہو عبیدؔ اُن کا
گرچہ جل کر بھنا کرے کوئی

نعتوں کے علاوہ شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے شجرۂ قادریہ معمریہ رضویہ کے زائد اشعار نظم فرمائے ہیں اور وہ اشعار یہ ہیں

سیّدی عبد العزیز حبش کا صدقہ مجھے — دولت دارین دے اپنی رضا کے واسطے
نام میں جسکے محمد اور علی ہیں جلوہ گر — بخش مجھکو اس سنوسی باصفا کے واسطے
عبد رحمٰن سید سرّاج برحق کے طفیل — مغفرت اور عفو دے اِس پُر خطا کے واسطے
کر عطا احمد رضائے احمد مرسل مجھے — میرے مولیٰ حضرت احمد رضا کے واسطے
مذہب اہل سنن پر استقامت کر عطا — شہ ضیاء الدین احمد باخدا کے واسطے

حضرت سید شاہ عبد السبحان قادری رضوی بلہر گھاٹ ضلع فیض آباد کو جب آپ نے خلافت سے نوازا تو اُن کی فرمائش پر شجرہ بھی منظوم فرمایا۔ ان کا شجرہ اور اپنا شجرۂ چشتیہ برکاتیہ رضویہ بھی نظم فرمایا۔ اس میں پہلا شعر اور ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، اور ۲۸ واں شعر حسان الہند حضور امام احمد رضا فاضل بریلوی کے ہیں۔ بقیہ سب آپنے

نظم فرمائے ہیں :۔ (۱)

یا الٰہی رحم فرما مصطفےٰ کے واسطے — یا رسول اللہ کرم کیجئے خدا کے واسطے
مشکلیں حل کر شہ مشکل کشا کے واسطے — فاتحِ خیبر علی مرتضےٰ کے واسطے
شہ حسن بصری کا صدقہ حسن ایماں دے مجھے — ایک کار کھ عبد واحد بے ریا کے واسطے
فضل ہو مجھ پر ترا بہر فضیل ابن عیاض — اور ابراہیم اَدْہَم بادشاہ کے واسطے
شہ سدید الدین حذیفہ مرعشی کا واسطہ — تیری رحمت ہو سدا اس پُر خطا کے واسطے
شہ امین بو ہبیرہ کا تصدق اے خدا — ہو اماں تیری ہمیشہ اس گدا کے واسطے
شہ ابو احمد کا صدقہ حامد و محمود کر — دے ولا اپنی مجھے ان اولیا کے واسطے
لب پہ جاری رکھ مرے حمد محمد مصطفےٰ — بو محمد چشتیؒ مرد خدا کے واسطے
شہ ابو یوسف کا صدقہ نفس و شیطاں سے بچا — حضرت مودود چشتی رہنما کے واسطے
حب للہ بغض للہ کی مجھے دے نعمتیں — خواجۂ عثمان ہارون مقتدا کے واسطے
کر مجھے تو بندۂ سرکار چشت اہل بہشت — شہ معین الدین حسن شاہِ ہدیٰ کے واسطے
یا الٰہی دین و دنیا میں مجھے کر بختیار — بختیار قطب دین باعطا کے واسطے
عشق کے گنج شکر کی دے مجھے تو چاشنی — شہ فرید الحق والدین پیشوا کے واسطے
شہ نظام الدین محبوب الٰہی کے طفیل — حُبِّ محبوب الٰہی دے گدا کے واسطے
دل میں روشن کر مرے اپنی محبت کا چراغ — شہ چراغ دہلی محمود التنار کے واسطے
دو جہاں میں اپنے اس بندے کو رحمت سے نواز — سیدی بندہ نواز باصفا کے واسطے
جو ہیں مخدوم جہانیاں جلال دین حق — رحم کر مجھ پر تو ان کے اعتلا کے واسطے
اپنے اس بندے کے اعداء کو الٰہی زیر کر — سید راجوئے قتال عدیٰ کے واسطے
سیدی سارنگ کے صدقے میں مجھ پر رحم کر — باخدا کر مجھ کو اس مرد خدا کے واسطے
شاہ مینا سعد اسعد اور صفی باصفا — مجھ پہ ہو تیرا کرم ان اولیاء کے واسطے

(۱) محبوب علی : سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۲۴۴

عبدِ واحد، سیدی عبدالجلیل شہ اویس
دے صفائے دل مجھے ان اولیاء کے واسطے

دین و دنیا کی مجھے برکات دے برکات سے
عشقِ حق دے عشقی عشق انتما کے واسطے

حبِ اہلبیت دے آلِ محمد کے لئے
کر شہیدِ عشق حمزہ پیشوا کے واسطے

دل کو اچھا تن کو ستھرا جان کو پر نور کر
اچھے پیارے شمس دیں بدر العلیٰ کے واسطے

دو جہاں میں خادمِ آلِ رسول اللہ کر
حضرت آلِ رسول مقتدیٰ کے واسطے

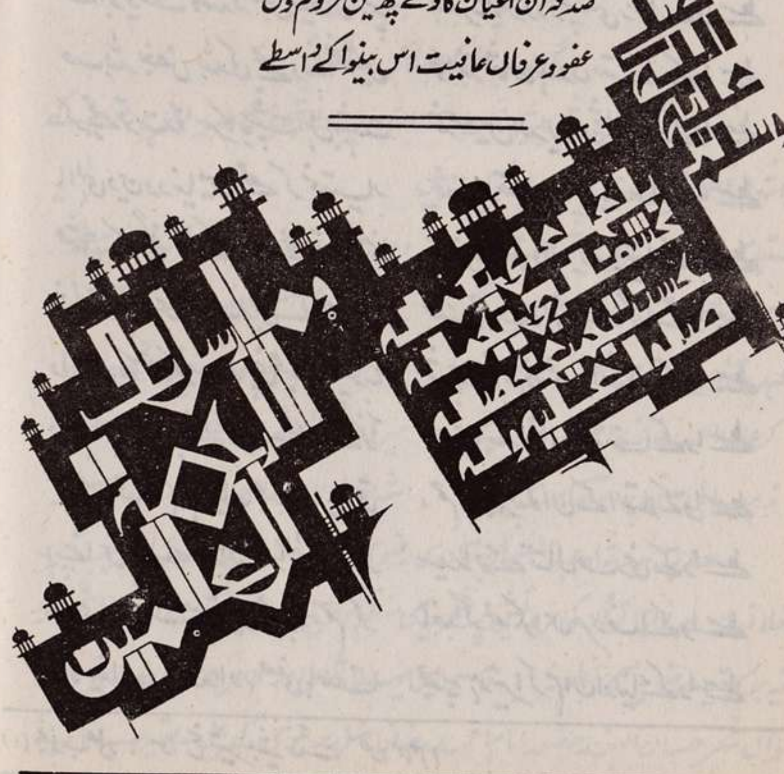
کر عطا احمد رضائے احمد مرسل مجھے
میرے مولیٰ حضرت احمد رضا کے واسطے

مذہب اہل سنن پر استقامت کر عطا
شہ ضیاء الدین احمد باخدا کے واسطے

دشمنانِ اہلسنت پر مجھے منصور رکھ
شیر سنت حشمت شیر رضا کے واسطے

اپنی ہی تسبیح کی دائم مجھے توفیق دے
عبد سبحٰن پیرِ کامل رہنما کے واسطے

صدقہ ان اعیان کا دے چھ عین عزّ و علم و عمل
عفو و عرفاں عافیت اس بینوا کے واسطے



آل انڈیا سنّی جمعیّۃ العلماء

حضور شیر بیشہ سنت رحمۃ اللہ علیہ تنہا اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔ ظاہر میں ایک فرد مگر حقیقت میں ایک ادارہ تھے۔ اکیلے انھوں نے وہ کام کر کے دکھایا جسے کرنے کے لئے ایک جماعت ایک تنظیم اور ایک ادارہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

وہ کام کے آدمی تھے ہمیشہ ان کی زندگی حرکت میں رہی۔ تنظیم کی تشکیل دینے اور پھر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جانے کو ناروا سمجھتے تھے۔ جو تنظیم متحرک اور فعّال تھی آپ کی خصوصی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہوتیں۔ آپنے دوسرے لوگوں کیطرح تنظیموں کی تشکیل کیطرف توجہ نہ دی بلکہ جس مقصد کے لئے تنظیموں کا انعقاد ہوتا ہے وہ انہوں نے خود کر کے دکھا دیا البتہ "جماعت رضائے مصطفےٰ" کے بانیوں میں آپکا شمار ہوتا ہے۔ اس جماعت نے شدھی سنگٹھن اور دوسرے موقعوں پہ جو خدمات انجام دی ہیں اس سے اس زمانے کے اخبارات اور رسائل بھرے پڑے ہیں۔

دوسری تنظیم جسے آپنے تشکیل دے کر تمامی علمائے اہلسنّت کو ایک پلیٹ فارم پر لا کھڑا کر دیا وہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ہے۔ آپنے بمبئی کی سرزمین پر جسکی داغ بیل ڈالی۔ اس سے زیادہ اور کوئی مناسب جگہ بھی نہ تھی ایک تو مالی تعاون کے مواقع وہاں زیادہ تھے اور دوسرے آپکے مریدین و متوسلین کا ایک اچھا خاصہ حلقہ بھی وہاں تھا۔ جس سے اس کی ترقی کے امکانات واضح اور روشن تھے۔

بمبئی کی سرزمین پر سنّیت کی اشاعت صرف آپ اور آپکے برادر اصغر حضرت مولانا مفتی محبوب علی رحمۃ اللہ علیہما کی رہینِ منّت ہے۔ شاید اسی وجہ سے علامہ مشتاق احمد نظامی نے لکھا ہے "بریلوی مسلک کے فروغ و ارتقاء میں اگر سب سے پہلے کسی کا نام لیا جا سکتا ہے تو شیر بیشۂ سنّت اور محبوبِ ملّت کا" (۱)

(۱) محبوب علی سوانح شیر بیشہ سنّت ص ۱۰

چوتھا باب

فضائل و کمالات

اس تنظیم کا انعقاد اسوقت عمل میں آیا جب بمبئی کے وہابیوں اور دیوبندیوں نے سنی بڑی مسجد مدنپورہ سے متعلق مولانا محبوب علی اور اُن کے رفقاء پر مقدمہ دائر کر دیا۔ مقدمہ بازی ہوئی۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا رہا۔ سنیوں کی فتح مبین اور وہابیوں کی شکست مہین۔ اس مقدمہ میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے کے بعد شیر بیشہ سنت نے وہاں کے مذہبی مسائل حل کرنے کے لئے اس کی بنیاد ڈالی (١) شروع میں اس کے بنیادی مقاصد یہی تھے مگر رفتار زمانہ کے سبب اس کے مقاصد میں وسعت ہوتی رہی۔ آج حُسنِ کارکردگی کے سبب ملک کی اہم تنظیموں میں اس کا بھی شمار ہوتا ہے۔

اس کے پرچم کی خصوصیات اور اس کے رنگ تجویز کرنے والے بھی حضرت شیر بیشۂ سنت ہی ہیں۔ اپنے رنگوں کے سبب، یہ پرچم اپنی ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کی اس پرچم سے محبت والفت کا اندازہ حضرت مولانا مشہود رضا فرزند ارجمند حضور شیر بیشۂ سنت کے اس خواب سے لگایا جا سکتا ہے جسے انھوں نے آپ کی وفات سے چند روز قبل دیکھا تھا "ایک میدان میں بڑی عظیم الشان محفل سجائی گئی ہے اور وہاں سے حضرت کے مکان تک دورویہ گھوڑے سوار کھڑے ہیں جنکے ہاتھوں میں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کا پرچم ہے ایک قطار کے سواروں کا لباس سُرخ ہے اور دوسری قطار والوں کا لباس سبز ہے اور ایک شور ہے کہ ہم حضرت کو لینے آئے ہیں"۔

اسطرح ایک طویل خواب ہے جسکی تعبیر میں حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے شہادت کی پیشین گوئی کی تھی۔ مومن کی ہر بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ ہوا وہی جو حضور مفتی اعظم ہند نے فرمایا تھا رسولی ضلع بارہ بنکی کے مناظرہ میں وہابی شکست فاش کے بعد حضور شیر بیشہ سنت کی جان لینے پر تل گئے ایک شخص کے ذریعہ پان میں زہر دیدیا۔ زہر چونکہ زود اثر نہیں تھا اسلئے رفتہ رفتہ اثر کرتا رہا اور بالآخر وہی زہر سببِ مفارقت بنا اسطرح حضور شیر بیشہ سنت نگاہوں سے اوجھل ہو گئے مگر ان کا عظیم الشان تنظیمی کارنامہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء بمبئی کی سرزمین پر اب بھی روشن کردار ادا کر رہا ہے۔

(١) محبوب علی سوانح شیر بیشہ سنت ص ١٢

تصانیف

حضور شیر بیشۂ اہلسنت کشور علوم و معرفت کے تاجدار تھے۔ بڑے سے بڑے مسائل کو چٹکیوں میں حل فرمادیا کرتے تھے چونکہ وہ مناظر تھے اسلئے انھیں تمام علوم و فنون پر یکساں دسترس تھی۔ قرآن و احادیث کی توضیحات و تشریحات میں باریک بینی فرمانے کے ساتھ نحو و صرف و منطق و فلسفہ کے مباحث کو بھی دم زدن میں حل فرما کر سامعین کو مطمئن کر دیتے تھے۔ ان کے رشحات قلم سے ان کی عبقریت کا بھرپور اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہ زبان و قلم دونوں کے دھنی تھے "ترجمان اہلسنت" جو ان کی ادارت میں نکلنے والا رسالہ ہے اس کے علمی موضوعات آپ کی علمی عظمت پر واضح دلیل ہیں۔ بعض علمی مسائل کو انھوں نے کتاب و قلم کا سہارا لئے بغیر سائل کا سوال ختم ہوتے ہی جواب دے دیا۔ اسطرح کے واقعات آئے دن ہوتے رہتے تھے۔

اسی طرح کا ایک حیرت انگیز واقعہ سفر حج کے دوران پیش آیا جسکی تفصیل آپ نے زیارت حرمین شریفین سے واپسی پر اس طرح بیان کی۔

"جس جہاز میں ہم جارہے تھے اس سے دیوبندی مولویوں کا ایک قافلہ بھی جارہا تھا جس میں منظور سنبھلی کے علاوہ اس کے استاد مولوی حبیب الرحمٰن مئوی بھی تھے۔ ہمیں خبر نہ تھی کہ وہ سب لوگ بھی اسی جہاز میں ہیں۔ ایک دن مولوی منظور سنبھلی میرے پاس آئے سلام کیا مگر میں پہچان نہ سکا پوچھا کہاں دولت خانہ ہے تو اس نے کہا کہ اتنی جلدی آپ مجھکو بھول گئے میں منظور سنبھلی ہوں اگر اجازت ہو تو بیٹھ جاؤں وہ میرے بستر پر بیٹھنے کیلئے لپکا میں نے فوراً روک دیا کہ تم گستاخ رسول ہو میرے بستر پر نہیں بیٹھ سکتے۔ اس نے بڑی لجاجت سے کہا کہ آپ کا دل ابھی ہم لوگوں کیطرف سے صاف نہیں ہوا۔ تو میں نے کہا میری اور تمہاری لڑائی کوئی دنیوی نہیں ہے تم لوگ ان کفری عبارتوں سے توبہ

کرلو میں سر آنکھوں پر بٹھانے کو تیار ہوں۔ اس پر اس نے کہا کہ آپ جہاز میں بھی مناظرہ ہی کے موڈ میں ہیں میں اس وقت مناظرہ کرنے نہیں آیا ہوں بلکہ ایک اشکال لے کر آیا ہوں اس کا جواب دیجئے۔

شیر بیشہ سنت فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ تمہاری جماعت میں کوئی مولوی نہیں ہے۔ اس پر اس نے بتایا کہ فلاں فلاں ہیں پھر میں نے کہا کہ یہ اشکال ان سے کیوں نہ حل کرا لیا تو اس نے بڑی سادگی سے کہا کہ ہم لوگ دو دن سے الجھے ہوئے ہیں اور جواب سمجھ میں نہیں آتا۔ مجھے بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ آپ بھی اسی جہاز میں ہیں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ کم از کم اشکال سن لیں جواب آپ دیں یا نہ دیں ہم لوگ آپ کو حکم مان کر آئے ہیں آپ جو بھی فیصلہ فرمائیں گے ہم سب کو تسلیم ہوگا۔

شیر بیشۂ سنت نے فرمایا کہ اگرچہ گستاخ رسول ہونے کیوجہ سے تم اس کے اہل نہیں ہو کہ تمہیں کوئی علمی مسئلہ بتایا جائے مگر بیان کروں گا انشاء اللہ تبارک و تعالیٰ تم شار حبیبہ الاعلیٰ جل و علی وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم جواب دوں گا کہ کہیں تم اس کو عجز نہ جانو۔ اس پر منظور نے مندرجہ ذیل اشکال پیش کیا۔

"فقہ کی تمام کتب میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ دینیات میں کافر کا قول معتبر نہیں اور یہاں جہاز میں جب جہاز محاذات "یلملم" میں پہنچنے والا ہوتا ہے تو کپتان کے حکم سے ہارن بجتا ہے۔ کپتان کافر ہے احرام باندھنا ایک دینی حکم ہے اس دینی امر میں کافر کے اخبار سے کیونکر احرام باندھنا واجب ہوتا ہے۔

حضرت شیر بیشۂ سنت نے جواباً فرمایا کہ بس اتنی سی بات کے لئے تم چھوٹے بڑے سب پریشان تھے۔ یہاں تم لوگوں کو اشتباہ لگا ہے دو باتیں

الگ الگ ہیں ایک دینی بات اور ایک دنیوی۔ یعنی احرام کہاں سے باندھنا ہے یہ دینی بات ہے اور "یلملم" کہاں ہے یہ دنیوی بات ہے۔ پہلی بات یعنی یہ کہ احرام محاذات یلملم سے باندھنا واجب ہے یہ حدیث سے معلوم ہوئی ہے کپتان کے اعلان سے نہیں۔

دوسری بات کہ یلملم کہاں ہے؟ کپتان کے اعلان سے معلوم ہوئی ہے مگر یہ جغرافیائی بات ہے دینی نہیں تو جو بات دینی ہے وہ کپتان کے اعلان سے نہیں حدیث شریف سے معلوم ہوئی ہے اور کپتان کے اعلان سے یلملم کے محاذات میں پہنچنا معلوم ہوا یہ دینی نہیں دنیوی بات ہے۔

منظور اکڑوں بیٹھ کر بڑے غور سے سن رہا تھا۔ بات ختم ہوتے ہی شکریہ ادا کیا اور واپس چلا گیا۔

منظور نعمانی کی شخصیت دنیائے دیوبندیت میں محتاج تعارف نہیں۔ بزعم خویش اپنے علمی بل بوتے پر کسی زمانے میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اس انانیت پسندی کے سبب انہوں نے کئی ایک بار شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ جیسی صاحب علم وفضل شخصیت سے ٹکرائے اور منھ کی کھائی۔

یلملم کا تعین اور احرام کا باندھنا کوئی اتنا مشکل مسئلہ نہیں تھا جتنا کہ علمائے دیوبند سمجھ رہے تھے۔ بلکہ بقول مولوی منظور نعمانی اس مسئلہ میں علمائے دیوبند دو دنوں سے الجھے ہوئے تھے۔ مگر سائل کا سوال سنتے ہی شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو آناً فاناً اس طرح حل کر دیا کہ مولوی منظور نعمانی آپ کی ذہانت اور فقہی مسائل کی جزئیات کے استحضار کو دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔

اس واقعہ کی روشنی میں حضرت شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ کی علمی عبقریت اور علمائے دیوبند کی علمی بے بضاعتی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اسطرح نہ جانے کتنے واقعات ہیں جہاں کہیں تشریف لے گئے کچھ نہ کچھ استفسارات آپ کے سامنے آئے جوابات کے لئے قلم اٹھایا اور آناً فاناً بلاجھجک اسطرح لکھدیا گویا سفر میں انہی سوالات کے جوابات حل کر کے آئے تھے۔

علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

"حضرت شیر بیشۂ سنت نے نہ جانے کتنوں کے جبڑے پھاڑ دیئے اور ان کے بڑوں بڑوں کی بولتی بند کر دی ان کے اکابر کا ناطقہ بند کر دیا محض اپنی جودت طبع و لفاظی سے نہیں بلکہ وہ علم وفن کے ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر تھے انھیں اپنے علم اور اپنی معلومات پر بھروسہ تھا" (۱)

وعظ و تبلیغ، مناظرے اور بحث و مباحثے سے ہی انھیں فرصت نہیں ملتی کہ وہ پرورشِ لوح و قلم کرتے۔ لیکن جتنا اور جس قدر بھی جس موضوع پر قلم اٹھایا حق ادا کر دیا دلائل و براہین کے دریا بہا دیئے۔ چونکہ ذہن مناظرانہ تھا اسلئے جتنی کتابیں ان کے رشحاتِ قلم سے منصۂ شہود پر آئیں وہ بھی مناظرانہ ہی ہیں۔

ان کے جاری کردہ رسالے "ترجمان اہل سنت" میں بھی مناظرانہ موضوعات پر بحثیں ملتی ہیں جو اس زمانے کے لحاظ سے بے حد ضروری تھیں۔ کیوں کہ جس زمانے میں اس کا اجرا ہوا تھا اس دور میں بھولے بھالے سنی مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ہزار ہا کوششیں کی جا رہی تھیں۔ آئے دن نت نئے فرقے اور نئی جماعتیں جنم لے رہی تھیں۔ قلم و پریس کی طاقت کے بل بوتے سنی مسلمانوں کو اپنے جنگل میں پھانسنے کی جدوجہد شروع ہو چکی تھی۔ اس پس منظر میں ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود اور ان کے ایمان کی حفاظت کی خاطر آپ نے پیلی بھیت شریف کی سرزمین سے اس رسالہ کو جاری کیا جس کے ذریعے انہوں نے وہابیت کی بڑھتی ہوئی طاقت کی روک تھام کی اور ان کی پھیلائی ہوئی گمراہی کا منھ توڑ جواب دیا۔ اس رسالے کے ذریعے مسلکِ اعلیحضرت کی بقا و تحفظ اور اس کی ترویج و اشاعت عظیم

(۱) پاسبان ص ۱۰ اگست و ستمبر ۱۹۶۰ء

الشان پیمانے پر ہوئی مخالفینِ اہلسنت کی دسیسہ کاریوں اور مکاریوں کا پردہ چاک کرنے کے علاوہ اعلیحضرت کے کئی رسائل بھی اس کے زیرِ اہتمام چھپ کر منصۂ شہود پر آئے۔ اسکی ادارت آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب کے سپرد کر رکھی تھی۔ جب تک یہ رسالہ شائع ہوتا رہا حُسنِ بیان، موضوعات بحث، شاندار و قیع اداریے کی وجہ سے اپنی مثال آپ تھا۔

(۱) ردّ المہند علی النہیق الانبتہی المفند

حضور شیر بیشہ سنت نے ۱۳۳۰ھ میں زمانہ طالب علمی ہی میں پہلی کتاب ردّ المہند علی النہیق الانبتہی المفند (۱۳۴۵) کے نام سے لکھی۔ یہ کتاب مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کی "المہند" کے رد میں ہے۔

المہند میں اس کے مصنف نے "حسام الحرمین" پر افترا پردازی کی ہے اور اسے دجل و فریب کا پلندہ قرار دیا ہے

"حسام الحرمین" مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے علماء کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ جس کی حقیقت و اہمیت ذیل کی عبارت سے لگائی جا سکتی ہے۔

"مجدد اعظم اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے جب دیکھا کہ ہندوستان کے علمائے اہلسنّت کی افہام و تفہیم کا کوئی اثر اساطین دیوبند نہیں قبول کرتے تو ۱۳۲۴ھ میں علمائے حرمین طیبین کی بارگاہ میں استغاثہ پیش فرمایا جس کے نتیجے میں علمائے حرمین طیبین نے بالاتفاق مکمّل طور پر اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تائید فرمائی یہ کتاب "حسام الحرمین" انھیں علماء کی تائیدات کا مجموعہ ہے"۔ (۱)

جب یہ کتاب مارکیٹ میں آئی اور علمائے دیوبند کی نظروں سے گذری تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے، پاؤں کے نیچے سے زمین سرک گئی۔ اپنے اپنے علم کے اعتبار

(۱) انکشافِ حقیقت (ردّ المہند) مولانا حشمت علی ص ۳ مطبوعہ ۱۹۸۵ء

سے لوگوں نے اپنے اپنے مثبت و منفی خیالات کا اظہار کیا۔ جب کوئی بات نہ بنی تو بالآخر اپنی آبرو بچانے کے لئے پوری برادری نے مل کر ایک سازش کی۔ "تحذیر الناس" "براہین قاطعہ"، "حفظ الایمان" کی کفری عبارتوں اور گنگوہی صاحب کے اصل کفری فتویٰ کے بجائے اپنی طرف سے ایک ایک مضمون لکھکر ان کیطرف منسوب کیا اور اس پر پہلے اپنے گھر کے مولویوں سے لکھوایا پھر حرمین طیبین لے گئے اور وہاں کے ذمہ دار اور معتمد علماء کے بجائے چند آفاقیوں یعنی وہ لوگ جو دوسرے ملکوں سے جاکر وہاں آباد ہو گئے تھے ان سے تصدیق کرائیں۔ پھر اسے مولوی خلیل احمد انبیٹھی کے نام سے شائع کرا دیا اسی کا نام "المہند" ہے۔

ردّ المہند اسی کتاب کی تردید ہے جو تصنیف کے ایک عرصہ بعد زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے طلبہ جماعت سابعہ کے زیرِ اہتمام ۱۹۸۵ء میں "انکشافِ حقیقت" کے نام سے منظرِ عام پر آیا ہے یہ کتاب $\frac{۳۰ \times ۲۰}{۱۶}$ سائز کے ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کے آخر میں مصنف سببِ تالیف اور وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"بالآخر جھوٹ، فریب، تقیہ مکاری عیاری و دغابازی، بیباکی، ناپاکی، چالاکی کے مسالوں سے ایک بوسیدہ ڈھال تیار کی جس کا نام "المہند" رکھا یعنی ہندوستانی کی تلوار، خیال تھا کہ کچھ دنوں تو اس کے ذریعے سے جان بچے گی کچھ تو دم لینے کی مہلت ملے گی مگر حسام الحرمین یعنی مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کی تیغ برق تاب کا مقابلہ بیچاری ہندوستانی تلوار کیا کر سکتی ہے۔ حق کی شمشیروں کی کڑکتی بجلیاں کہیں جھوٹ کی ڈھالوں کی بدلی سے رک سکتی ہے اب وہی المہند ہے جو حسام الحرمین کی دھار کیلئے صیقل بن گئی ہے جو کام حسام الحرمین کرتی تھی اب وہی کام المہند کر رہی ہے خود دیوبندیوں کے منھ سے دیوبندیوں کا کافر مرتد ہونا ثابت کر رہی ہے وللہ الحمد۔ اسی مناسبت سے میں نے اس رسالہ

کا تاریخی نام "رادالمہند علی النہیق الانبتھی المفند" رکھا ہے۔ (۱)

(۲) اجمل انوار الرضا

اجمل انوار الرضا (۱۳۴۶ھ) دراصل ایک مسئلہ کا جواب ہے جسے شیر بیشۂ سنت نے ایک سائل کے استفسار کے جواب میں دیا تھا۔ یہ جواب دلائل وبراہین کی روشنی میں دینے کی وجہ سے ۶۰ صفحات پر پھیل گیا۔ اس فتوی کو بعد میں کتابی شکل دیدی گئی۔

(۳) ستر باادب سوالات دینیہ ایمانیہ

یہ ان سوالات کا مجموعہ ہے جسے شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ نے سیاست ہند سے متعلق مرتب کئے تھے۔

(۴) تقریر منیر قلب

یہ آپ کی ایک تقریر ہے جو اسلام کی حقانیت اور رد آریہ سماج پر تبلیغ واشاعت کے عام اجلاس صدر مقام بریلی میں ہوئی جسے رضوی کتب خانہ بہاری پور نے اپنے اہتمام میں یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ سے ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر شائع کیا تقریر منیر قلب اس کا تاریخی نام ہے اس سے ۱۳۴۲ھ برآمد ہوتا ہے۔ کتاب بڑے سائز کے ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ آخر میں مسلمانوں کو شرور فتن سے محفوظ رہنے کیلئے استدعا ہے۔ تقریر درج ذیل عبارت پر ختم ہوتی ہے۔

"اب میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں آئندہ صحبت میں قرآنی توحید اور ویدک توحید کا مقابلہ انشاء اللہ المولیٰ تعالیٰ دکھاؤں گا وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین وابنہ وحزبہ بیا ارحم الرحمین ویا اکرم الاکرمین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین (۲)

(۱) انکشاف حقیقت (رادالمہند) مولانا حشمت علی ص ۳ مطبوعہ ۱۹۸۵ء
(۲) تقریر منیر قلب ص ۲۳ مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۴۲ھ

(۵) الصوارم الہندیہ علی مکر شیاطین الدیوبندیہ (۱۳۴۵ھ)

۱۳۴۵ھ میں جب ہندوستان کے وہابی دیوبندی مولویوں نے حسام الحرمین کے بارے میں غلط فہمی پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی تو شیر بیشہ سنت نے رسالہ مبارکہ "حسام الحرمین" کے فتاویٰ مبارکہ کا خلاصہ پیش کر کے ہندوستان بھر کے علمائے کرام ومفتیان ذوی الاحترام سے سوال فرمایا کہ علمائے کرام مکہ مکرمہ ومفتیان عظام مدینہ منورہ کے یہ فتاویٰ حق وصحیح ہیں یا نہیں؟ تو غیر منقسم ہندوستان کے تمام اضلاع اور صوبوں سمیت ۲۶۸ علمائے اہلسنت ومفتیان دین وملت نے بالاجماع وبالاتفاق فتوے صادر فرمائے کہ بے شک رسالہ مبارکہ حسام الحرمین بالکل صحیح ودرست ہے اور "حفظ الایمان" ص۸ وعبارت "براہین قاطعہ" ص ۵۱ وعبارت "تحذیر الناس" ص ۱۳، ۱۴، ۲۸ کفری ہیں۔ یہی وہ تصدیقات ہیں جو الصوارم الہندیہ کے نام سے شائع کی گئی ہیں۔

(۶) مظاہر الحق الاجلی

ان شبہات کا ذکر ہے جو مسلم لیگ سے متعلق احکام شرعیہ ظاہر کرنے میں اہل سنت کے علماء کو پیش آتے ہیں

(۷) رد سیرت کمیٹی

سیرت کمیٹی ضلع لاہور میں قائم ہوئی اس کے جنرل سکریٹری عبد المجید قریشی تھے اس کمیٹی کا قیام لوگوں کو محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روکنا اور اس سے باز رکھنا تھا اس کے علاوہ اسلام وسنیت پر جور وظلم اس کے اولین مقاصد سے تھا اس کمیٹی کی متعدد شاخیں ہندوستان بھر میں قائم کی گئیں اس کے در پردہ وہابیہ کا ہاتھ تھا۔ اس کمیٹی کے اراکین نے شان رسالت مآب میں کچھ ایسے نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے جس سے توہین رسالت کا صدور ہو رہا تھا۔ اس کمیٹی کے افراد کے اول فول گفتگو و بکواس پر مولانا حشمت علی خاں نے اٹھائیس کفریات شمار کئے جیسا کہ خود انھوں نے فرمایا ہے

"بے دینی پھیلانے کی یہ کیفیت کہ سیرت کمیٹی کی تحریروں میں صاف صاف

رام چندر، کرشن اور زرتشور و فریدیوں اور ہندوؤں کے جملہ رشیوں منیوں کو رسول و پیغمبر بتایا گیا۔ مسلمانوں پر مذہبی و قرآنی فرض بتایا گیا کہ وہ ہر گرجا، ہر مندر کی اپنے خون بہا کر حفاظت کریں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مزدور، راہنما اور مایوس الحال گڈریا کہا گیا۔" (۱)

اس کمیٹی کے غلط نظریات کی تردید میں مولانا حشمت علی نے ایک بسوط مقالہ لکھا جسے "الفقیہ" امرتسر نے کئی شماروں میں شائع کیا۔ قسطوں میں چھپنے والے یہی مقالے بعد میں کتابی شکل میں "ردّ سیرت کمیٹی" کے نام سے زیور طبع سے آراستہ کئے گئے۔

(۸) القول الاظہر فی عدم جواز الصلوٰۃ باقتداء لاؤڈ اسپیکر

اس کتاب میں کیا ہے کتاب کے نام سے واضح ہے۔ یہ حقیقت نماز کے اندر لاؤڈ اسپیکر کی اقتداء نہ کرنے سے متعلق مبسوط فتویٰ ہے جسے حضور شیر بیشۂ سنّت نے محلہ بھورے خاں پیلی بھیت میں ۱۶ رجب المرجب ۱۳۷۱ھ میں صادر کیا ہے۔ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے عدم جواز سے متعلق وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"جو شی نماز میں داخل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی اس کی اقتداء بھی صحیح و درست نہیں جو شئے نماز میں داخل نہیں اس کی اقتداء مفسد نماز ہے اور آلۂ لاؤڈ اسپیکر نماز میں داخل ہونے کی قطعاً صلاحیت نہیں رکھتا تو اس سے تکبیر تحریمہ کی صدا سُن کر اس کی اقتداء کرنے والا نماز میں قطعاً داخل نہیں ہوا۔"

اس قول کی تائید میں آپنے اکابر علماء اور سلف صالحین کے اقوال کو بطور سند پیش کیا ہے۔

(۹) قہر واجد دیّان برھمشیر لبسط البنان

مولوی اشرف علی تھانوی نے "حفظ الایمان" کی عبارت میں جو تبدیلی کی اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے ایک نئی تحریر شائع کرائی جسکا نام "تغییر العنوان" رکھا اس کی

(۱) الفقیہ امرتسر ۲۸ر اگست ۱۹۳۵ء ص ۱۲

رد میں حضرت شیر بیشۂ سنت نے یہ رسالہ لکھا جس میں ثابت کیا ہے کہ مولوی اشرف علی نے اپنی کفری عبارت کو بدل کر توبہ نہیں کی ایسی صورت میں انھوں نے اپنے کفر کا اقرار کیا ہے کتاب کے صفحات اسی قول کی تائید میں دلائل و براہین سے مملو ہیں۔ کتاب لاجواب ہے۔ دیوبندی مکتبِ فکر کے پلیٹ فارم سے اس کتاب کا کوئی جواب تاہنوز نظر سے نہیں گذرا سنّی مبلغین اور واعظین کیلئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

(۱۰) الصوارم السندیہ

سندھ سے ایک بہت ہی مفصل فتویٰ آیا تھا جسکا حضور شیر بیشۂ سنّت نے بہت تفصیلی جواب دیا تھا۔ اس کے علاوہ اس فتوی کی تائید میں ڈیڑھ سو علمائے اہلسنّت کے فتاویٰ جمع فرمائے تھے چونکہ فتویٰ سندھ کا تھا اس لئے اس رسالہ کا نام اسی کی طرف منسوب کر دیا۔ افسوس! کہ یہ رسالہ شائع نہ ہو سکا اور اصل مسودہ ہی چوری ہو گیا

(۱۱) سیف خداوندی بر دبر وھابی دیوبندی

علمائے دیوبند نے مل کر مسلکِ اہلسنت وجماعت کی تردید میں ایک کتاب "سیف یمانی" کے نام سے لکھی جو منظور سنبھلی کے نام سے شائع ہوئی اس کتاب میں دیوبندیوں اور وہابیوں نے بہت سی باتیں خلاف حقائق لکھی ہیں اور جا بجا انھوں نے اپنی عیاریاں اور چالبازیاں دکھائی ہیں۔ شیر بیشۂ سنّت نے اس کتاب کے رد میں ایک مفصّل و مدلل کتاب لکھی اور اس کا تاریخی نام" سیف خداوندی بر دُبر وہابی دیوبندی" رکھا مگر افسوس ہے کہ یہ کتاب بھی چوری میں چلی گئی اور زمانے نے دوبارہ اسے لکھنے کی مہلت نہ دی۔

(۱۲) راندیر میں سنیوں کی فتح عجیب (۱۳۴۴ھ)

۹ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۴ھ میں مدرسہ محمدیہ مورا بھاگل راندیر ضلع سورت گجرات میں شیر بیشۂ سنت نے مولوی محمد ابراہیم کے بھائی مولوی محمد حسین راندیری سے وہابیوں کی کفری عبارتوں پہ مناظرہ کیا۔ دوران مناظرہ آپنے دیوبندی مناظر پہ ۲۲ سوالات کئے۔ میدانِ مناظرہ میں مولوی محمد ابراہیم و مولوی محمد حسین راندیری کے علاوہ اُن کے کئی حمایتی

تھے مگر کسی سے ان کے ان سوالوں کا جواب نہ بن پڑا۔ پھر آپ نے انھیں سوالوں کو مرتب کر کے رسالہ کی شکل میں دیوبندی مولوی صاحبان کی خدمت میں ارسال کیا۔ یہ سب ہوئے ایک مدت گذر گئی مگر کہیں سے اس رسالہ کا کوئی جواب مطالعہ میں نہیں آیا۔

(۱۳) مبلغ وھابیہ کا گریز

مورانوں ضلع اناؤ میں مولوی عبدالشکور کاکوروی کے ایک شاگرد نے وہابیت کا زہر پھیلایا تو سنیوں نے اس کی بیخ کنی محسوس کی اور اسطرح لوگ حرکت میں آگئے کہ مناظرہ کی نوبت آگئی۔ مناظرہ ۱ر۲ر۳ر ربیع الاول ۱۳۵۹ھ میں ہونا طے پایا۔ دیوبندی مکتبِ فکر کے مناظر مولوی نور محمد ٹانڈوی نامزد کئے گئے۔ مسلکِ اہلسنت وجماعت کے مناظر خود حضور شیر بیشہ سنّت تھے۔ جبکہ صدارت کے فرائض مجاہد ملّت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اڑیسوی رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیئے۔ مناظرہ علمائے دیوبند کی کفری عبارتوں پر تھا۔ یہ کتاب اسی مناظرے کی مختصر روداد ہے جو صرف ایک بار زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔

(۱۴) الجوابات السنیة

یہ رسالہ مسلم لیگ میں شرکت کے عدم جواز سے متعلق ہے۔ ایک بار زیور طبع سے آراستہ ہوچکا ہے۔

(۱۵) القلادة الطیبة المرصّعة

دیوبندیوں نے سات سوال شائع کر کے یہ چیلنج کیا تھا کہ اُن کے سات سوالوں کے جواب دینے والے کو سات ہزار روپے کے انعام دیئے جائیں گے۔ یہ کتاب انھیں سات سوالوں کے مدلل جواب پر مشتمل ہے اور اس کے آخر میں اس رسالے کے جواب پر وہابیہ دیوبندیہ کو سات ہزار کے چوگنے اٹھائیس ہزار کے انعام کا اعلانِ عام ہے۔

(۱۶) الانوار الغیبیة

مسئلہ علم غیب سے متعلق مدلل رسالہ ہے۔ علم غیب کے ثبوت میں انہی اقوال کو پیش کیا گیا ہے جو اہلسنت وہابیہ دونوں مکاتبِ فکر کے نزدیک مستند و مقبول ہیں۔

یہ کتاب ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اور مطبع حمیدیہ پیلی بھیت سے حضرت مولانا محمد فصیح الرحمٰن قادری کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی ہے۔

(۱۷) الصولة الاحدیة !

یہ رسالہ مبارکہ ۱۳۷۱ھ کی تصنیف ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی کی کفری عبارات کی تردید میں ہے۔ ایک بار شائع ہوچکا ہے۔

(۱۸) ردّ کید الخبثاء

حدائقِ بخشش حصہ سوم کے متعلق حضور شیر بیشۂ سنّت نے دیوبندی مکائد و شرور کے رد میں ایک سوال کے جواب میں فتویٰ بنام تاریخی " ردّ کید الخبثار " (۱۳۷۲ھ) تحریر فرمایا جولا جواب ہے۔ ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ میں سارے وہابی دیوبندی مولویوں کی منظم سازش کے تحت دیوبندی انقلابی فتنہ اٹھایا گیا۔ بہت سے سُنّی نما مطلب پرستوں ضمیر فروشوں نے اس آگ کو بھڑکایا۔ الوارث کے ایڈیٹر نے اس آگ پر پٹرول چھڑکا۔ یہ کتاب بھی سنی رسالہ لکھنؤ میں قسطوار شائع ہوئی۔

(۱۹) انقلابی افتراؤں کے جوابات

محرم الحرام ۱۳۷۵ھ میں حضور شیر بیشۂ سنّت کے مبارک بیانات بمبئی میں نل بازار ابا بلڈنگ کے سامنے انجمن خدام چشتیہ کے زیر اہتمام ہورہے تھے۔ ۱۴ر محرم الحرام ۱۳۷۵ھ/ مطابق ۲۳ اگست ۱۹۵۵ء سہ شنبہ کو شب میں دیوبندیوں کیطرف سے ایک وہابی نے سوال کیا کہ آپ کے بھائی محبوب علی خاں نے حضرت ام المؤمنین کی شان میں گستاخی کی ہے ان پر کیا حکم ہے بعد میں دیوبندیوں پر فتوی لگائیں۔ آپنے فرمایا وہ کاتب کی غلطی تھی (۱) جو حدائق بخشش میں سرزد ہوگئی تھی۔ پھر بھی انھوں نے اپنی خطا کا اعتراف کر کے توبہ کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ کاتب کی غلطی تھی کہ اس نے اشعار بے ترتیب لکھدیئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مولوی اشرف علی تھانوی نے ام المؤمنین کی شان میں " الخطوب المذیبة للقلوب المنیبة "

---

(۱) سوانح شیر بیشہ سنّت ص ۲۱۳

نامی کتاب میں گستاخی کی ہے اور پھر ان کے خلیفہ مولوی عبد الماجد دریا آبادی نے اپنی کتاب بنام "حکیم الامت" مطبوعہ معارف اعظم گڈھ کے ص ۵۹ ۵ پہ گستاخی کی ہے۔ اسطرح انھوں نے اور واقعات و دلائل سے اُن کی گستاخیاں ثابت فرمائیں۔ ان کا ان کے پاس تو کوئی جواب تھا نہیں۔ وہابیوں نے مل کر آپ پہ ایک بالکل جھوٹا اور ملعون استغاثہ ایک پرانے اور مشہور دیوبندی وہابی منظور الحق کے نام سے دائر کر دیا کہ حضرت ام المومنین سیدتنا صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو معاذ اللہ اپنی بھابھی جان کہکر توہین کی ہے۔

مجگاؤں کورٹ بمبئی میں وسط محرم سے ۲۰ رجمادی الآخر تک ۱۳۷۵ھ تک پیشیاں پڑتی رہیں۔ اور ۲۰ رجمادی الآخر ۱۳۷۵ھ مطابق ۳ رفروری ۱۹۵۵ء روز جمعہ مبارکہ کو اس مقدمہ کی آخری پیشی ہوئی جس میں آپنے اعلان فرمایا کہ یہ مجھ پر خالص بہتان اور صاف افترا ہے میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا ہے۔ پھر انہوں نے یہ تحریر لکھ کر پیش کر دی

"۷۸۶/۹۲ جو کوئی شخص اس قسم کے الفاظ استعمال کرے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہماری بھاوج یا ہماری بھابھی ہیں اس کو خدا سے معافی مانگنی ضرور ہے میں بقسم کہتا ہوں کہ میں نے ایسے کوئی الفاظ استعمال نہیں کئے جیسا کہ استغاثہ میں دعویٰ دائر کیا گیا ہے پھر بھی میں خدا تعالےٰ سے معافی مانگتا ہوں (۱)

فقیر ابو الفتح عبید الرضا محمد حشمت علیخاں بقلم خود"

اس تحریر پر مستغیث نے حسب ذیل الفاظ لکھ کر دستخط کئے۔

"مجھے منظور ہے منظور الحق بقلم خود"

اور اسی پر مقدمہ ختم ہو گیا۔ اس کی تفصیلی روداد ہے جو شائع ہو چکی ہے اور لاجواب ہے یہ وہابیوں کیطرف سے آپ پر چلایا گیا آخری مقدمہ ہے جس کے تفصیلی حالات اس میں درج ہیں۔

(۱) محبوب علی   سوانح شیر بیشہ سنت   ص ۲۲۰   مطبوعہ بمبئی ۱۹۹۰ء

(۲۰) احمد آباد کے مناظرے کا چپ انجام

احمد آباد میں دیوبندیوں کی کفری عبارات پر مناظرہ ہونا طے پایا جب میدان مناظرہ سنوارا گیا اور آمنے سامنے علماء رونق ممبر ہوئے حضور شیر بیشہ سنت مناظر منتخب ہوئے آپ نے سوالات کی بوچھار شروع کر دی کسے تاب جو آپکے سوالوں کا جواب دے میدانِ مناظرہ سے فرار کی تلاش میں لگ گئے تو آپنے پولیس کمشنر سے کہا کہ میں آپ کے آفس میں اُن کے مولویوں سے مناظرہ کرنے کیلئے تیار ہوں وہاں تو انھیں کوئی خطرہ نہ ہوگا آپ نے لاکھ کوشش کی کہ مناظرہ ہو جائے مگر نہ ہو سکا۔ اس کتاب میں اس مناظرے کی مکمل تفصیل ہے جو شائع ہو چکی ہے۔

(۲۱) قہر القہار

یہ ایک مبسوط فتویٰ ہے جو رسالہ کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس میں لیڈرانِ قوم کی آزاد روش اور اسلام کُش اقوال و افعال کا ردّ بلیغ ہے صرف ایکبار شائع ہوا ہے۔

(۲۲) پشتِ خار در افتخار

نام نہاد صوفی اور پیر کہلانے والے افتخار رہتکی کے اقوال کفر و ضلال میں آپ کا ایک مستقل اور قابل دید رسالہ ہے جو صرف ایک بار شائع ہوا ہے۔

(۲۳) لطمۂ شیر بر نجدی زادہ راندیر

راندیر سے ایک تحریر وہابیت دیوبندیت کی حمایت میں شائع ہوئی حضور شیرِ بیشۂ سنّت نے اس کا جواب تحریر فرمایا اور جناب حاجی ہاشم حاجی جمال قادری صاحب نے حضرت کے اس جواب کو گجراتی ترجمہ کر کے اس کتاب کو دو ہزار چھاپ کر مفت تقسیم کیا یہ کتاب لطمۂ شیر اب تک صرف گجراتی میں شائع ہوئی اردو میں شائع نہ ہو سکی۔ ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جس تحریر کا یہ جواب ہے وہ بھی گجراتی زبان میں تھی۔ لہٰذا گجراتی اشاعت کو کافی سمجھا گیا۔

(۲۴) مصحح دماغ مجنوں

اس رسالہ میں نان کو آپریشن کے دور میں حکم شرعی کا بیان ہے۔

(۲۵) **الفراح والتاج لمحب محفل المعراج**

معراج جسمانی پر ایک لاجواب رسالہ ہے جو ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا ہے۔

(۲۶) **جمال الایمان**

تقویۃ الایمان کے اقوالِ کفریہ کا شاندار رد ہے جو طبع ہو کر مقبول خاص و عام ہو چکا ہے

(۲۷) **رانا سیرت کمیٹی**

اس رسالہ میں سیرت کمیٹی لاہور کے اقوال کفریہ کا شرعی رد ہے۔

(۲۸) **مخزنِ ہدایت**

بعض فتاوے پر شکوک و شبہات کے جوابات پر مشتمل یہ رسالہ ہے زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

(۲۹) **کہر المعبود**

ابوالاعلیٰ مودودی کے اقوال کفریہ کا رد ہے ایک بار چھپ چکا ہے۔

(۳۰) **شمامۃ العنبر**

اذان خطبہ کس جگہ کہنا مناسب ہے اس سلسلہ میں قرآن و احادیث کی روشنی میں مدلل گفتگو ہے ایک بار اسکی طباعت ہوئی ہے

(۳۱) **ہیبت قہاریہ**

غیر مقلدوں اور آریوں سے مناظرہ کی روداد ہے جو شائع ہو چکی ہے

(۳۲) **عطر الصندل**

مزارات اولیاء کرام پر صندل چڑھانا جائز ہے اس کے ثبوت میں حضرت کا لاجواب رسالہ ہے ایک بار چھپا ہے

(۳۳) **سل الصوارم الصمدیۃ**

عقائد وہابیہ نجدیہ پر ایک مبسوط فتویٰ ہے جو شائع ہو چکا ہے۔

(۳۴) **عرضِ منیر** حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ایک حضور محدث اعظم ہند

علیہ الرحمہ کی خدمت میں معروضہ ہے جسے مرکزی انجمن تبلیغ صداقت نے کتابچہ کی شکل میں شائع کر دیا تھا

(۳۵) **تفسیر امداد السبحان**

شیر بیشہ سنت نے ایک زمانے میں قرآن مجید کی تفسیر تحریر فرمانا شروع کی مگر حالات نے مساعدت نہیں کی اور صرف پاؤ پارہ کی تفسیر سے زائد نہ لکھ سکے۔ جسکی کچھ قسطیں "ترجمانِ اہلسنت" (پیلی بھیت) میں شائع ہو چکی ہیں۔

(۳۶) **فتاوی شیر بیشۂ سنّت**

آپ کے بے شمار فتاویٰ ہیں جو ملک کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ بڑے اہم اور علمی مباحث پر مشتمل ہیں۔ اسکی پہلی جلد مرتب ہو کر کتابت و طباعت کے مراحل سے گذرنے والی ہے انشاء اللہ جلد ہی ارباب ذوق و شوق کے لئے سکونِ قلب و نظر کا ساماں فراہم کرے گی۔

(۳۷) **حکم جبّار بر خاکسار** (۳۸) **دردِ دل کا علاج** (۳۹) **الصوارم المحمدیہ علی کفرۃ المرزائیۃ والدیوبندیہ** (۴۰) **ذوالافہام علی حکم التبلیغ خلف الامام** (۴۱) **کشف ضلال دیوبندی** (۱۳۳۸ھ)

اسکے علاوہ بعض تصانیف ایسی ہیں جنکا تعلق آپ سے براہ راست نہیں بلکہ بالواسطہ ہیں ایسی کتابیں دراصل ان مناظروں کی روداد ہیں جنمیں آپ بحیثیت مناظر شریک رہے جسے کسی اہل قلم نے ترتیب دیکر اپنے نام سے شائع کی ہیں ایسی کتابوں میں "مناظرہ ملتان" مرتبہ قاضی علی محمد تبلیغی۔ "مناظرہ پنجاب" مرتبہ سید فرزند علی اور "معرکۂ حق و باطل" مرتبہ مولانا محمد یونس نعیمی اور مناظرہ ادری مرتبہ حضرت مولٰنا محمد طیب صاحب دانا پوری کا نام قابل ذکر ہے۔ بہت سے مناظروں کی روداد کے مسودے یا تو مرورِ ایام کا شکار ہو گئے یا طباعت کے لئے کسی اہل خیر کے دستِ نگر ہیں۔

فتویٰ نویسی

جن دنوں آپ دار العلوم منظر اسلام میں مدرسی کے فرائض انجام دے رہے تھے ان دنوں طلبہ آپ کے اندازِ تفہیم سے بے حد خوش تھے۔ اظہار ما فی الضمیر کا بہترین ملکہ آپ کو حاصل تھا۔ ساتھ ہی رضوی دار الافتار کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کی گئی۔ اس زمانے میں ہند و بیرونِ ہند سے آنے والے مسائل کی بھرمار تھی۔ ایک مفتی اس کام کو بحسن وخوبی انجام نہیں دے سکتا تھا۔ اس شدید ضرورت کے پیش نظر آپ کا تقرر عمل میں آیا اور آپ نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ مشکل سے مشکل مسائل کا سلیس لب ولہجہ میں قرآن واحادیث سے مدلل کر کے جواب دیا۔ اگرچہ بحیثیت مفتی آپ وہاں ایک ہی سال رہے لیکن فتویٰ نویسی کرتے رہے اور عوام وخواص کے ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات دور فرماتے رہے۔ ذیل میں رسول کے حاضر و ناظر ہونے سے متعلق ایک علمی استفتار درج کر رہے ہیں جسے مفتی عبد المنان اعظمی قاری محمد یحیٰی دام ظلہم علینا نے غالباً اس وقت دریافت کیا تھا جن دنوں وہ مولوی عبد الرؤف رحمانی کی کتاب "تردید حاضر و ناظر" کا رد "الشاہد" کے نام سے لکھ رہے تھے۔ شیر بیشۂ سنت نے اس استفتار کا جواب جس طرح قرآن واحادیث سے مزین فرما کر دیا تھا اس سے انکی علمی بصیرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مسئلہ حاضر وناظر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ علمائے اہلسنت کثرہم اللہ تعالے کے نزدیک حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں اس کے کیا معنی ہیں۔ محض حضور بعلم قدرت یا اس کے ساتھ مشاہدۂ عینی بھی جیسا کہ "انا انظر الیہا والی ما ھو کائن فیہا" سے متبادر ہوتا ہے یا کیا ہے؟ تفصیل ووضاحت کے ساتھ بیان فرمایا جاوے اور اس سلسلے میں علمائے ربانیین کی وہ کون سی دلیل ہے جس سے مخالفین کے

منہ میں پتھر دیا جا سکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تک کیلئے حاضر و ناظر ہیں۔ اگر اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز کی کوئی تصنیف اس مسئلہ پہ ہو تو اس سے بھی مطلع فرمائیں

والسلام

المستفتی عبد المنان ومحمد یحیٰی

دار العلوم اشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڈھ

۸ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ

الجواب۔ اللھم ھدایۃ الحق والصواب! حضرت رب العزت شہید وبصیر جل جلالہٗ نے اپنے فضل وکرم سے جو اپنے محبوب اکرم ومظہر اتم وخلیفۂ اعظم صلی اللہ تعالے علیہ وعلی آلہ وسلم کو حاضر و ناظر بنایا۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو جو علم عظیم ووسیع ان کے رب علیم جل جلالہ نے عطا فرمایا وہ جملہ کائنات وحادثات ومخلوقات کو محیط ہے قال اللہ تعالیٰ ما کان حدیثا یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل کل شیئ وقال اللہ تعالیٰ نزلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شی وقال اللہ تعالیٰ ان علینا جمعہ وقرانہ وقال اللہ تعالیٰ ثم ان علینا بیانہ۔ یہ بھی معنی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو جو قدرت قاہرہ باہرہ ان کے رب قدیر جل جلالہٗ نے عطا فرمائی وہ جملہ کوائن وحوادث وخلائق کو محیط ہے فی الحدیث عن النبی صلی اللہ تعالے علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی جس طرح قاسم کے دونوں مفعول مقسوم ومقسوم الیہ محذوف ہیں اسی طرح "یعطی" کے دونوں مفعول مُعطیٰ ومُعطیٰ لہٗ بھی محذوف ہیں۔ اور قاسم ویعطی دونوں باہم متقابل ہیں۔ اسی تقابل سے ثابت ہوا کہ جو نعمتیں ودولتیں برکتیں فرحتیں نصرتیں عزتیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی معطی ہیں، وہ سب حضور صلی اللہ تعالے علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ہی کی تقسیم فرمودہ ہیں اور جو لوگ اللہ تبارک وتعالے کے معطی لہم ہیں وہ سب بارگاہِ مصطفے صلی اللہ تعالے علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے مقسوم علیہم ہیں وللہ الحمد

یہ بھی معنی ہیں کہ حضورِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو جو سمع و بصر ان کے رب سمیع و بصیر جل جلالہٗ نے عطا فرمایا وہ ہر ہر کائن ہر ہر حادث ہر ہر مخلوق کو محیط ہے۔ فی الحدیث عن النبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اسمع مالا تسمعون واریٰ مالا ترون وفی الحدیث عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیہا والیٰ ماھو کائن فیہا الیٰ یوم القیٰمۃ کانما انظر الی کفی ھذہ جلیانا من اللہ تعالیٰ جلاہ لنبیّہ کما جلاہ لنبیّین من قبلہ یہ بھی معنی ہیں کہ جسطرح اللہ رب العٰلمین جل جلالہٗ کی صفت ربوبیت تمام عالمین کو محیط ہے۔ اسی طرح اسی کے حکم سے رحمٰن و رحیم جل جلالہٗ کے حکم سے اس کے محبوب رؤف و رحیم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی صفتِ رحمت بھی تمام عالمین کو محیط ہے قال تعالیٰ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین یہ بھی معنی ہیں کہ جسطرح زمان و مکان و جہت سے قطعًا وجوبًا ہر طرح پاک و منزہ ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالےٰ ہر شے کو محیط ہے۔ اس کا یہ احاطہ ذاتیہ عقول و اوہام سے ماوریٰ ہے قال اللہ تعالیٰ وکان اللہ بکل شیئٍ محیطا ۝ اسی طرح اسکی عطا سے اسکا محبوب صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ہر ہر ایماندار کے ساتھ اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔ حضور محبوب خدا صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ہر ہر ایمان والے کے ساتھ یہ قرب بھی زمان و مکان و جہت سے پاک اور اوہام و عقول سے بالا ہے قال اللہ تعالیٰ "النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم" حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا ہر ہر ایمان والے کے ساتھ یہ قرب اللہ تبارک وتعالےٰ کی اسی صفت احاطہ لکل شیئ ہی کا پرتو ہے وقال کبیر الدیوبندیہ المرتد قاسم النانوتوی علیہ مایستحقہ فی رسالۃ المسماۃ بتحذیر الناس علی الصفحۃ الحادیۃ عشر "رسول اللہ صلعم کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ اُن کی جانوں کو ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اولےٰ بمعنی اقرب ہے اور اگر بمعنی احب یا اولیٰ یا بالتصرف ہو تب بھی یہی بات لازم آئے گی کیونکہ اَحَبِّیَّتْ اور اَوْلَوِیَّتْ بِالتَّصرف کے لئے اَقْرَبِیَّتْ تو وجہ ہوسکتی ہے پر بالعکس

نہیں ہوسکتا حضور پر نور مرشد برحق امام اہلسنت مولانا الشاہ عبد المصطفےٰ احمد رضا خاں صاحب قبلہ فاضل بریلوی قادری برکاتی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کا اس مسئلے میں کوئی مستقل رسالہ مبارکہ اسوقت فقیر کے علم میں نہیں البتہ مدّت ہوئی اس مسئلے پر حضور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے ایک فتوائے مبارکہ کی زیارت سے لاہو میں مشرف ہوا تھا۔ جس کا خلاصہ و مفہوم تقریبًا یہی ہے جو فقیر عرض کرچکا۔

برادر عزیز مولانا مولوی ابو الطاہر محمد طیب صاحب قادری رضوی دانا پوری سلمہٗ ربہٗ کا ایک مختصر رسالہ مبارکہ مسمیٰ بنام تاریخی "اقوم البیان بان الحبیب لا یخلو منہ زمان ولا مکان"، اس فتوے کے ساتھ روانہ کیا جارہا ہے۔ اس فتوے کے دلائل کی تقریر اس میں ملاحظہ ہو۔

یہ عقیدہ مبارکہ ضروریات دینیہ یا ضروریات مذہب اہلسنت میں سے نہیں کہ محض اس کے انکار ہی کی وجہ سے کسی کی تکفیر یا تضلیل کی جاسکے البتہ حضور اقدس سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل رفیعہ و فواضل جلیلہ سے جلن کی بنا پر جو شخص اس عقیدہ حقہ مقدسہ کا انکار کرے وہ بحکم شریعتِ مطہرہ ضرور کافر مرتد اور بے توبہ مرا تو مستحق نارِ ابد ہے۔ اس عقیدہ منورہ کے مخالف وہابیہ علیہم رب البریہ کے مونہوں میں قہر الٰہی کے "حجارۃ من سجیل" ٹھونسنے کے لئے اتنا ہی کہدینا بس ہے کہ امام الوہابیہ علیہ ما علیہ نے اپنی تقویۃ الایمان مطبوعہ مرکنٹائل پرنٹنگ دہلی کے صفحہ ۱۰ پر اس عقیدہ حسنہ کو شرک و کفر بتایا تو مرتد قاسم نانوتوی بھی اس کے فتوے سے کافر مشرک مرتد ہوئے یا نہیں" وللّٰہ الحجۃ السامیۃ" واللہ ورسولہٗ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔

فقیر ابو الفتح عبید الرضا محمد حشمت علی خاں غفرلہٗ ساکن محلہ بھورے خاں پیلی بھیت روز ایمان افروز شیطان سوز دوشنبہ مبارکہ سوم محرم الحرام سنہ ۱۳۷۰ھ ۱۶ اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء (۱)

(۱) احکام دینیہ ضروریہ مرتب ملک نیاز احمد ص ۲۶ کانپور ؎ تقویۃ الایمان

اس فتوے پر مولانا محمد طیب دانا پوری، ابوالظفر مفتی محمد محبوب علیخاں، مولانا محمد غیاث الدین قادری، مولانا مفتی وجیہہ الدین غازی پوری علیہم الرحمۃ وغیرہم کی تصدیقات وتائیدات ہیں۔

نمازِ جمعہ

حضرت مولانا حشمت علی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیہات میں جمعہ کے جواز وعدم جواز کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں فتویٰ صادر کیا جس پر جناب مولوی قاضی محمد رفعت اللہ صاحب اچولوی ضلع بارہ بنکی نے اعتراض کیا۔ ذیل میں شیر بیشۂ سنّت کا فتویٰ اور معترض کا اعتراض بطور اختصار سپرد قلم کیا جارہا ہے۔ جس سے دونوں حضرات کے مبلغ علم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی اس کا بھی ثبوت ملے گا کہ شیر بیشۂ سنّت کے جوابات کس قدر مبرہن اور مدلل ہوا کرتے تھے۔

شیر بیشۂ سنّت کے فتوے پر جب قاضی رفعت اللہ صاحب کا اعتراض نظر سے گذرا تو آپ نے اس اعتراض کے جواب میں ایک خط لکھا جسے "الفقیہہ" امرتسر نے جلی حرفوں میں شائع کیا۔ اس جواب میں آپنے تحریر فرمایا تھا۔

"فاقول وباللہ التوفیق۔ موضع بسوہ ضلع ریاست پالن پور میں نماز جمعہ ہونے نہ ہونے کی بابت جو مجھ سے دریافت کیا گیا تھا اس کا جواب میں نے صرف یہ دیا تھا" نماز جمعہ وعیدین کے لئے مصر یعنی شہر ہونا شرط ہے اور شہر وہ ہے جسمیں متعدد گلی کوچے راستے اور دائمی بازار ہوں اور اس میں کوئی حاکم ایسا ہو جو مظلوم کا ظالم سے بدلہ دلا سکے جرم کی سزا دے سکے مقدمات رعایا کا فیصلہ کر سکے پس اگر یہ باتیں مذکورہ میں پائی جاتی ہوں تو وہاں نماز جمعہ وعیدین جائز ہے ورنہ نہیں"۔ (۱)

(۱) الفقیہہ امرتسر ہفتہ وار ۲۸ راگست ۱۹۳۶ء ص ۱۱

یہی وہ فتویٰ ہے جسے شیر بیشۂ سنّت نے سائل کے جواب میں دیا تھا۔ اس میں انھوں نے از خود کوئی فیصلہ نہیں صادر فرمایا ہے۔ انھوں نے آخر میں کھلے لفظوں میں یہ لکھدیا تھا کہ۔

"اگر یہ باتیں مذکورہ میں پائی جاتی ہوں تو وہاں نماز جمعہ وعیدین جائز ہے ورنہ نہیں" گویا انہوں نے سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اس سلسلہ میں مذہب ظاہر کرکے فیصلہ وہیں کے مسلمانوں پر چھوڑ دیا تھا۔

قاضی رفعت اللہ نے اس فتوی پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"شرعی انداز میں ایسا حاکم (شرع) کہاں ہے بس ہر جگہ حد یہ ہے کہ بمبئی وکلکتہ، کراچی اور احمد آباد تک میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے کیونکہ قاضی اسلامی یا بادشاہ اسلامی وہاں بھی مقدمات وغیرہ کا فیصلہ نہیں کرتا ہے بلکہ ظہر کی نماز فرض ہے اس کا فاتر العقل اور مجنوں بھی قائل نہیں ہے نہ کہ عالم وفاضل اگر جرم کی سزا دینے سے مراد سزا دینا بہ قانون ریاست یا تعزیرات ہند کی دفعات سے ہے تو پھر کیا کہنا سبحان اللہ مفتی صاحب کی عبارت دونوں امروں کو متحمل ہے"۔ (۱)

شیر بیشۂ سنت۔ نے اپنی تحریر میں حاکم کا لفظ مطلق فرمایا تھا معترض نے اسے (شرع) سے مقید کرکے اعتراض کیا تو آپنے اپنے خط میں اس کا بڑی سنجیدگی سے جواب دیا فرماتے ہیں۔

"آپنے مطلق کو مقید بنا کر یعنی حاکم کے آگے بریکٹ میں لفظ "شرع" بڑھا کر اس سے حاکم شرع مراد لیکر یہ تصریح فرمائی ...... یہ خرابی آپ کے بڑھائے ہوئے لفظ سے پیدا ہوئی یا میرے الفاظ منقولہ سے؟

میں پوچھتا ہوں کہ تعریف مصر منقولہ میں جو لفظ حاکم آیا ہے اسے آپ نے کسی کتاب میں مقید بہ شرع دیکھا ہے یا از خود اضافہ فرمایا ہے اگر کسی کتاب میں دیکھا ہو تو پیش فرمائیے اور خود اضافہ کیا ہے تو آپ کو کسی کی تحریر میں اضافہ

(۱) الفقیہہ امرتسر ہفتہ وار ۲۸ راگست ۱۹۳۶ء ص ۱۱

کرنے کا مطلق کو مقید بنانے کا کیا منصب تھا نیز خود ہی مطلق کو مقید کرنا اور خود ہی اس پر اعتراض کرنا کون سی عقلمندی تھی۔ بلکہ آپ کا تعریف مصر میں بادشاہ ومفتی وقاضی کو بواسطہ واؤ جمع کرنا بھی تعجب خیز ہے کیوں کہ اس سے متبادر ہوتا ہے کہ جس شہر میں یہ تینوں ہوں گے وہ مصر ہے اور جس میں یہ نہ ہوں وہ مصر نہیں ہے" (۱)

پھر اس کے بعد شیر بیشۂ سنّت نے خود ہی کتب شرع سے اسکی وضاحت فرمائی ہے کہ دیگر فقہ کی کتابوں میں لفظ حاکم کے ساتھ اسلام کی کوئی قید نہیں ہے۔ لکھتے ہیں۔

"لفظ حاکم جو تعریف مصر میں وارد ہوا ہے شراح نے اس کے تحت یہ تصریح فرمائی ہے" والاطلاق مشعر بان الاسلام لیس بشرط " جامع الرموز وغیرہ اٹھا کر دیکھئے اگر واقعی سلطان یا حاکم سے سلطان اسلام یا حاکم شرعی مراد ہوتا تو ضرور کوئی نہ کوئی اس کی تصریح کرتا اور "والاطلاق مشعر بان الاسلام لیس بشرط" نہ لکھتا بلکہ صاحب درمختار نے تو صاف طور سے اس کے آگے "ولو کافرا" اسی لئے اضافہ فرمایا ہے کہ اس سے ہر بادشاہ مراد ہے، اسلامی ہو یا غیر اسلامی قال و یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ اور اس کے تحت صاحب ردالمحتار نے تاتارخانیہ سے نقل فرمایا ہے "الاسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان" یوں ہی فتاویٰ عالمگیری میں نقل کیا گیا ہے" (۲)

یہ طویل عبارت نقل کرنے کے بعد معترض کو تنبیہاً لکھتے ہیں۔

" کیا آپ کی پیش کردہ خرابی ان حضرات کی نظروں میں نہ تھی جنھوں نے اس تعریف کو وضع فرمایا، ضرور تھی اور آپ سے وہ زیادہ دانا بینا و محقق و مدقق تھے وہ یہ جانتے

(۱) الفقیہ امرتسر ۲۸/ اگست ۱۹۳۶ء ص ۱۲
(۲) الفقیہ امرتسر ۲۰/ اگست ۱۹۳۶ء ص ۱۲

تھے کہ آئندہ یہ خرابی درپیش ہوگی اس لئے انہوں نے پہلے ہی سے اس کا انتظام فرمادیا کہ حاکم وسلطان کے لفظ کو مطلق رکھا کہ یہ خرابی واقع نہ ہو اور ہمیشہ مصر پر صادق آئے"۔ (۱)

عمامہ باندھکر نماز پڑھنا اور پڑھانا افضل ہے

نماز میں پگڑی باندھکر پڑھنے اور پڑھانے سے متعلق شیر بیشۂ سنّت رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے استفتا کیا تھا جس کا جواب آپ نے ۱۸/ صفر ۱۳۴۹ھ کے الفقیہ امرتسر میں شائع کیا تھا۔ جس میں آپنے تحریر فرمایا تھا کہ۔

" پگڑی باندھکر نماز پڑھنا اور پڑھانا افضل ہے اور ٹوپی اوڑھکر بھی جائز ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کبھی ٹوپی پر عمامہ باندھتے تھے اور کبھی ٹوپی عمامہ کے اوپر اوڑھتے تھے اور اس کے ثبوت میں جامع الصغیر کی یہ حدیث نقل کی تھی " کان یلبس القلانس تحت العمائم و بغیر العمائم" (۲)

آپ کے اس جواب پر مولانا قاضی فضل احمد صاحب نے ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے یکم ربیع الاول ۱۳۴۹ھ کے الفقیہ امرتسر کے شمارہ میں اعتراض کیا اور اسے غیر صحیح بتایا۔ قاضی صاحب کا کہنا یہ تھا کہ۔

"بغیر عمامہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا پڑھانا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ کہ عمامہ باندھکر نماز پڑھانا سنّت موکدہ بلکہ لازم و واجب ہے اس کا ترک موجب کراہت ہے"۔ (۳)

جب کہ شیر بیشۂ سنّت کا اس مسئلے سے متعلق مدعا یہ تھا۔

" عمامہ باندھکر نماز پڑھنا پڑھانا افضل ہے اور صرف ٹوپی اوڑھکر بھی جائز بلا کراہت ہے کہ عمامہ سنّت زوائد ہے اور سنّت زوائد بمنزلہ مستحب کے ہے اُس

(۱) الفقیہ امرتسر ۱۴/ استمبر ۱۹۳۵ھ ص ۱۱
(۲) الفقیہ امرتسر ۱۴/ استمبر ۱۹۳۵ھ ص ۱۱
(۳) الفقیہ امرتسر ۱۴/ استمبر ۱۹۳۵ھ ص ۱۱

کا ترک موجب کراہت و اسائت نہیں ہے۔" (۱)

قاضی فضل احمد صاحب نے اعتراض کئی حصوں میں کیا تھا۔ اسلئے شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا جواب ابواب و فصول میں دیا تفصیل تو اپنے مقام پر دیکھی جاسکتی ہے مختصراً اتنا عرض ہے کہ "علمی تصویر کا پہلا رُخ" عنوان قائم کر کے اسکے ضمن میں آٹھ فصلوں میں بحث کی ہے۔ اور پھر "علمی تصویر کا دوسرا رُخ" کے تحت فصل نہم سے فصل چہاردہم تک کا۔ "علمی تصویر کا تیسرا رخ" سرخی کے تحت فصل پانزدہم سے شانزدہم تک بحث کی ہے۔ اس جواب کے مطالعہ سے آپکی علمی جلالتِ قدر اور تبحر فکر و فن کا اندازہ ہوتا ہے۔ شیر بیشۂ سنت نے اپنے مسئلے کی تائید میں دلائل و براہین کے انبار لگا دیئے تھے۔ آپ کا جواب شریعتِ مطہرہ کے بالکل عین مطابق تھا۔ جس کی تائید امام اہلسنت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے قول و عمل سے بھی ہو جاتی ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں، مولانا محمد رضا خاں اور مولانا حکیم امجد علی علیہم الرحمۃ والرضوان کے بیان کے مطابق امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے "نماز صرف ٹوپی کے ساتھ کبھی پڑھی اور کبھی پڑھائی ہے"۔ (۲)

یہ تو رہا امام احمد رضا کا عمل لیکن جب اس سلسلے میں آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے اس مسئلہ سے متعلق راحت اللہ امام مسجد سرائے چھبیلہ ضلع بلند شہر کے جواب میں فرمایا۔

سوال :۔ "مسجد میں پختہ فرش پر جانماز دری وغیرہ بچھانا اور امام کو عمامہ باندھنا سنّتِ موکدہ ہے یا نہیں اگر فرش نہ بچھایا جائے یا گرمی کی وجہ سے امام عمامہ نہ باندھے تو نماز میں کوئی نقص رہے گا یا نہیں ؟

جواب :۔ فرش بچھانا اصلاً سنت نہیں عمامہ باندھنا سنّت ہے تارک فضل ہے محروم ہے مگر

(۱) الفقیہہ امرتسر ۱۴ ستمبر ۱۹۳۵ء ص ۱۱
(۲) الفقیہہ امرتسر ۱۴ ستمبر ۱۹۳۵ء ص ۱۲

گنہ گار نہیں نماز میں خلل نہ آئے گا۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔ (۱)

اسی مسئلہ سے متعلق امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے "الملفوظ" میں بھی ہے۔

عرض :۔ اگر نماز کے وقت عمامہ باندھ لے اور سنتوں کے وقت آتار لے کہ دردِ سر کا گمان ہے تو جائز ہے یا نہیں ؟

ارشاد :۔ خیر! مگر اولےٰ یہ ہے کہ نہ آتارے۔ (۲)

شیر بیشۂ سنت نے بڑا تفصیلی جواب سپرد قلم فرمایا۔ الفقیہہ امرتسر نے جسے متعدد شماروں میں قسطوار شائع کیا آپ کا جواب پڑھنے کے قابل ہے۔ جواب دینے میں آپ نے جس دقتِ نظر اور باریک بینی سے کام لیا ہے اس سے آپ کی تبحر علمی اور کثرتِ مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کے اس جواب کو اس دور کے جیّد اور جلیل القدر علماء نے سراہا ہے اور اپنے آرا اور دستخط سے جواب کو مزید موثق اور مؤیّد کر دیا ہے کچھ علمائے کرام کے اسمار اسطرح ہیں۔

مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، مولانا عبد العزیز دار العلوم منظر اسلام، مولانا سردار احمد گورداسپوری، مولانا احسان علی مظفر پوری (بریلی) مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی، مولانا عبد الحق (پیلی بھیت) مولانا عزیز احمد، مولانا عبد الواحد (بدایونی)، مولانا محمد رکن الدین نقشبندی، مولانا محمد محمود (الور راجپوتانہ)، ملک العلماء ظفر الدین قادری، مولانا سید رفاقت حسین، مولانا محمد اصغر حسین (پٹنہ)، مولانا ابو محمد الیاس امام الدین، مولانا محمد الیاس، مولانا ابو یوسف محمد شریف، مولانا ابو النور محمد بشیر (سیالکوٹ) مولانا سید احمد، مولانا دیدار علی، مولانا محمد فضل الرحمٰن، مولانا محمد (لاہور) مولانا امتیاز احمد، مولانا محمد رفیع اللہ، مولانا عبد الحیٔ (اجمیر شریف) مولانا عبد الباقی برہان الحق، مولانا محمد عبد السلام، مولانا عبد الغفور (جبلپور) مولانا صاحبداد مولانا محمد علی، مولانا عبد العزیز (سلطان کوٹ) (۳)

شیر بیشۂ سنت نے اپنے اس جواب کا نام "اظہارِ حق و حقیقت بر اہل سنت و جماعت" رکھا ہے جو الفقیہہ امرتسر کے شمارے میں تقریباً ۱۲ قسطوں میں شائع ہوا ہے تفصیلی معلومات کیلئے ان قسطوں کا مطالعہ ضروری ہے۔

(۱) الفقیہہ ص ۱۸ (۲) الملفوظ اول ص ۶۳ (۳) الفقیہہ ص ۱۲

خطیبانہ شوکت

خطابت ایک اہم فن ہے یہ فن ہر ایک کو میسّر نہیں ہوتا۔ اس فن کا علم سے کوئی جوڑ نہیں ہے بہت سے اہل علم ایسے گذرے ہیں جو سامعین کے مجمع میں ایک نفظ ادا کرنا کسی مُشکل مرحلہ کو طے کرنے سے کم نہ تصوّر کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ کا اس شخص پر فضل عظیم ہوتا ہے جسے وہ علمی صلاحیتوں کے ساتھ خطیبانہ شوکت سے نوازتا ہے۔ ایسے لوگوں کی یقیناً بہت کمی ہے جو میدانِ خطابت کے شہ سوار ہونے کے ساتھ ساتھ علم وفن کے دریائے ناپیدا کنار بھی ہیں۔ شیر بیشۂ سنّت علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت ہر فن مولیٰ تھی۔ وہ تقریر و تحریر میں اپنی مثال آپ ہونے کے ساتھ زینتِ مسند درس بھی تھے۔ ہر میدان میں ان کی بالا دستی اور عبقریت تسلیم کی گئی ہے۔ ایسی بیشتر مثالیں اور واقعات ہیں جہاں انھوں نے اپنی خطابت اور تقریر کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ دیگر خوبیوں کا بھی لوہا منوایا ہے

حضور حافظ ملت مولانا عبد العزیز مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان شیر بیشۂ سنّت کی خطیبانہ شوکت کا اعتراف کھلے دل سے کرتے تھے۔ ایک بار تقریر کرتے ہوئے انھوں نے ارشاد فرمایا۔

"حضرت مولانا ایک جلسے میں تقریر فرمارہے تھے کئی ہزار کا مجمع تھا جب جلسہ ختم ہوا تو ایک ضعیف شخص آکر حضرت مولانا سے بغلگیر ہوگیا اور کہنے لگا کہ مولانا اپنی پوری زندگی میں میں نے صرف دو تقریریں سنی ہیں ایک تقریر مولٰینا ہدایت رسول علیہ الرحمہ کی (جو میرے دادا ہیں) اور دوسری آج آپکی زبان سے۔" (۱)

زبان میں سلاست اس درجہ تھی کہ بس تقریر میں فصاحت و بلاغت کا سمندر موجیں مارتا سلیس سے سلیس زبان بولنے پر بفضلہ تعالےٰ وہ قادر تھے۔ محاورے کی خاص آمد ہوتی عوام و خواص یکساں لطف اندوز ہوتے۔ تقریر کتنی پُر مغز ہوتی تھی ہم سے نہیں دوسروں

(۱) استقامت کان پور اولیاء نمبر ۱۹۷۶ء

سے پوچھ لیجئے۔ آیات قرانی، احادیث کریمہ، تفسیر و معانی اور تصوّف کی اصطلاحات پر کتنا عبور تھا۔ بس اس سے اندازہ کرلیجئے کہ جس موضوع پر بولنا شروع فرمایا تشنہ نہ رکھا سیر حاصل بحث کی کوئی گوشہ مخفی نہ رہا۔ بیسیوں آیات کی تلاوت اس کے ترجمے بیسیوں احادیث کریمہ بلا تکلّف پڑھتے۔ اُن کے معانی و مطالب پھر اُن کی شرحیں تفسیروں میں نکات اور ہر حدیثِ پاک کی روشنی میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے نعتیہ کلام اپنے دلکش انداز میں موزوں کرتے ہوئے اس حسن اسلوب سے تقریر فرماتے کہ عوام و خواص سبھی مست و بےخود و یکساں محظوظ ہوتے۔ دلائل اتنے پختہ کہ ذہن فوراً قبول کرلے۔ یقین جانئے کہ ان کے بیان میں جتنی درد کسک اور لذت محسوس ہوتی تھی اب کہیں نہیں ملتی۔ بلاشبہ وہ جادو بیان مقرر تھے۔ ان کی زبان میں سحر طرازی دیکھتے دیکھتے اپنے شیریں لب و لہجہ سے سامعین کے دل و دماغ پر جلد ہی تسلّط فرما لیتے تھے۔ انداز بیان بڑا انوکھا تھا۔ آواز ساحرانہ ہونے کے ساتھ گرجدار بھی تھی۔ بارہا دیوبندی حضرات نے تقریر کو ناکام بنانے کے لئے الیکٹرک غائب کردی یا پولیس انتظامیہ سے اس کی اجازت نہیں لینے دی۔ پھر بھی بغیر کسی "مکبّر صوت" اور بغیر کسی لاؤڈ اسپیکر کے اپنی آواز ہزاروں کے مجمع میں یکساں پہنچانے پر قادر تھے۔ کئی ہزار کا مجمع ہوتا مگر آواز نہ پہنچنے کی شکایت کبھی نہیں ہوئی۔ لوگ ہمہ تن گوش ہوکر تقریریں سُنتے اور پھر اس پر سر دھنتے تھے۔ اسطرح کا ایک واقعہ "مہونا" ضلع سلطان پور میں ۱۲ فروری ۱۹۵۶ء کو پیش آیا دیوبندیوں نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کرادیا۔ لاؤڈ اسپیکر پر پابندی لگوادی تاکہ احقاق حق و ابطال باطل نہ ہوسکے۔ مگر ہوا وہی جسے وہ نہیں چاہتے تھے۔

اسی طرح الہ آباد گلاب واڑی کا ایک واقعہ ہے۔ وہابیوں کے نرغے میں وہ جلسہ تھا۔ جلسہ کا انعقاد "حسن منزل" میں ہوا تھا۔ اس جلسے کے بارے میں پاسبان ملّت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

ن منزل کے جلسے میں شہر کے شر پسند وہابیوں نے اینٹ پتھر برسائے مگر

اللہ اکبر! یہ انھیں کا دل و گردہ تھا کہ بادل کیطرح گرجتے رہے اور شمشیر کیطرح للکارتے رہے۔ سلام و قیام پر جلسہ ختم ہوا"۔ (۱)

حضرت مولانا مفتی شریف الحق نے آپ کی خطیبانہ شوکت کا اعتراف ان لفظوں میں کیا ہے۔

"مقررین سے جوش کے وقت تذکیر و تانیث اور جملوں کی ترتیب میں غلطی ہو جاتی ہے مگر تین تین چار چار گھنٹوں کی سیکڑوں تقریریں میں نے سنی ہیں باوجود پوری توجہ کے کبھی کوئی غلطی نہ ملی۔ کلام میں شیرینی کا یہ عالم تھا کہ خطبہ پڑھتے تو لوگوں کی یہ خواہش ہوتی کہ یہ رات بھر خطبہ پڑھتے رہیں۔ نعت شروع فرماتے تو ہر شخص یہی چاہتا کہ یونہی پڑھتے رہیں اور جب تقریر شروع فرماتے تو خطبہ و نعت کی لذت بھول کر تقریر کی حلاوت مجمع پر ایسی غالب ہوتی کہ انھیں ہوش نہ رہتا کہ اس سے پہلے کیا سنا کیا دیکھا تھا۔ جب تقریر میں فضائل و مناقب بیان فرماتے تو بلا مبالغہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تقریر نہیں مدینہ طیبہ کی تازہ کھجوروں کا رس کانوں کے ذریعہ روح میں گھولے جا رہے ہیں"

ذیل کے چند واقعات سے ان کی خطیبانہ شوکت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

برما رنگون

برما رنگون آپ کی والہانہ خطابت اور شعلہ بار تقریر کا میدان رہا ہے۔ جو آپنے جوہر خطابت وہاں دکھائے ہیں اسکی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔ آپ نے اپنی تقریروں سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کے دلوں کو مسخر کر لیا ہے۔ جہاں بھی بیان ہوتا کم از کم ایک لاکھ کا مجمع ہوتا۔ برما رنگون کے وہابی ہزاروں جتن کرتے کہ تقریر نہ ہو مگر اُن کی ساری تدبیریں فیل ہو جاتیں اور شیر بیشۂ سنّت کی دھواں دھار تقریر سے متاثر ہو کر لوگ مذہب حق سے

(۱) پاسبان ص ۹ اگست و ستمبر ۱۹۶۰ء

وابستہ ہو جاتے۔ اس لئے تقریر کو روکنے اور اسے ناکام بنانے کی انھوں نے مختلف سازشیں کیں۔ بارہا ایسا بھی کیا کہ جب تقریر عین شباب پر پہنچی اسی وقت انہوں نے الیکٹرک غائب کروادی۔ منشا یہ تھا کہ انتشار ہو۔ مگر ہوا یہ کہ لوگ اپنی پرائیوٹ کار، جیپ، گاڑیوں کی لائٹیں جلا کر تقریر سننے میں ہمہ تن گوش ہو گئے اسطرح روشنی بھرپور پھیل گئی۔

کبھی کبھی تقریر کو ناکام بنانے کیلئے ایسا بھی کرتے کہ بند ڈبوں میں چھپکلی مینڈک چوہا وغیرہ کر کے لے جاتے۔ اور عین مجمع میں جب تقریر شباب پر ہوتی ڈبہ کھول دیتے۔ مگر وہ زندہ دل مسلمان فوراً اُسے وہیں مار کر خاموش ہو جاتے اور تقریر سنتے۔

حضرت شیر بیشۂ سنّت ۱۹۳۴ء میں رنگون تشریف لے گئے۔ تقریباً دو سال قیام کے بعد ۱۹۳۶ء میں واپس تشریف لائے۔ ۱۹۳۶ء میں آپنے حکم فرمایا کہ پورے شہر میں اعلان کر دو کہ ہماری نماز عید "پوٹ رس" کے میدان میں ہوگی۔ حکم پاتے ہی زندہ دل مجاہدین کی ایک جماعت تیار ہو گئی۔ اور جھنڈے ہاتھوں میں لے کر چوراہے ہر نگر محلہ محلہ موٹر گاڑیوں پر مائک باندھکر اعلان شروع کر دیا کہ اہل سنّت کی نمازِ عید پوٹ رس کے میدان میں اور وہابیوں کی نماز عید گاہ میں ہوگی حضرت شیر بیشہ سنّت کا فرمان ہے کہ سٹی پوٹ رس کے میدان میں نمازِ عید ادا کریں۔ اس اعلان کا یہ اثر ہوا کہ وہابیوں کی عیدگاہ جہاں ہر سال لاکھوں کا مجمع ہوتا تھا۔ اس سال مشکل سے پانچ چھ ہزار افراد نے نماز پڑھی اور "پوٹ رس" کے میدان میں لاکھوں کا عظیم مجمع ہوا۔ حضرت شیر بیشہ سنّت قدس سرہ العزیز نے نماز پڑھائی۔ سلام پھیرنے کے بعد اعلان فرمایا کہ عید کی نماز پھر سے ہوگی۔

اتنے میں کئی ہزار فوجیوں کا ایک وفد بھی پہنچ گیا۔ انہوں نے بھی شامل ہو کر نماز ادا کی اور نماز کے بعد عرض کیا کہ حضرت ہم سب کو مرید کر لیں۔ حضرت نے مرید کیا اس کے بعد فوجیوں نے اپنے پیر حضور مرشدی شیر بیشۂ سنّت کو ایک شاندار سجے سجائے گھوڑے پر بٹھایا اور خود پیچھے پیچھے مارچ کرتے ہوئے انتہائی شان و شوکت اور بڑے اہتمام کے ساتھ پورے شہر کا گشت کرایا۔

بنگلور

یوں تو ہندوستان کا کوئی ایسا چپہ نہیں ہوگا جہاں شیر بیشۂ سنّت رحمۃ اللہ علیہ کے نورانی بیانات نہ ہوئے ہوں۔ مگر جن تقریروں نے ایک خاص اثر ڈال کر لوگوں کو اپنا ہم نوا بنالیا ہے ان میں بنگلور کی سرزمین پر ہونے والی تقریروں کا بڑا اہم رول رہا ہے

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حق کے مقابلے میں باطل ہمیشہ آتا رہا اور منھ کی کھاتا رہا۔ بنگلور کی تاریخ ۲۴ر ۲۵ر جون ۱۹۵۴ء کی تاریخیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان تاریخوں میں پہلی بار شیر بیشۂ سنّت نے بنگلور میں قدم رنجہ فرما کر مسلمانانِ اہلسنّت کو اپنے نورانی، ایمانی، عرفانی، حقانی بیانات سے مستفیض ہونے کا موقع بخشا۔ اس ایمان افروز بیان سے مسلمانان بنگلور کے قلوب جگمگا اٹھے ایمان میں تازگی پیدا ہوگئی۔ اور حق و باطل کے پہچاننے والے ہوگئے۔ مگر

دُکھتی ہوئی آنکھوں کو برا لگتا ہے سورج
بیمار زبانوں کو برا لگتا ہے پانی

شیر بیشۂ سنّت کی دو شب تقریر کیا ہوئی حق و باطل میں خط امتیاز کھینچ کر رکھ دیا۔ دیوبندی حضرات کو یہ احقاق حق و ابطال باطل والے بیانات نہ بھائے۔ انہوں نے مشترکہ طور پر کوشش کی کہ ان کے بیانات کو یا تو رکوا یا جائے یا ان کی تقریروں کا جواب دیا جائے تقریروں پر پابندی لگانا ان کے بس میں نہ تھا لہٰذا وہ لوگ ایسا نہ کر سکے البتہ اُن کی تقریروں کا جواب دینے کے لئے انھوں نے اپنی جماعت کے جید اور اکابر علماء کو لکھا۔ دیوبندی مولویوں میں سے مولوی منظور سنبھلی، مولوی وکیل تھانوی، مولوی طیب دیوبندی، مولوی ارشاد احمد مبلغ دیوبند، مولوی حفظ الرحمٰن سیوہاروی وغیرہ آئے اور اپنی اپنی خطابت کے جوہر دکھائے مگر کوئی خاص اثر نہ ہو سکا۔ ان لوگوں کی تقریریں کیا ہوتی ہیں بالکل مرثیہ خوانی۔ جب اُن کی تقریروں کا سلسلہ ختم ہو چکا تو شیر بیشۂ سنت مسلمانان

اہلسنت کی دعوت پر ۵ر فروری ۱۹۵۵ء کو بنگلور پھر تشریف لے گئے۔ اور دیوبندی حضرات کے اکابر مولویوں نے جتنا کچھ مل جل کر کیا تھا وہ شیر بیشۂ سنّت کی صرف ایک تقریر سے برسات کے پانی کیطرح دُھل گیا۔ مسلسل بیانات ہوئے۔ اُن بیانات کا کیا اثر ہوا، ۱۲ر فروری ۱۹۵۵ء کی اس تقریر سے لگایا جا سکتا ہے جو ابراہیم اسٹریٹ میں ہوئی۔ کئی ہزار کا مجمع تھا۔ ایک بجے شب میں تقریر ہوئی۔ پھر کئی روز تک مسلسل بیانات ہوتے رہے ان تقاریر کا اثر یہ ہوا کہ کئی لوگ اپنے باطل مذہب سے تائب ہو گئے۔ اور مذہب اہلسنت اختیار کر لیا۔ اور یہ بھی دیکھا گیا کہ مولوی حسین احمد اور مولوی قاری طیّب دیوبندی کے مریدوں نے ان سے بیعت ختم کر کے حضرت شیر بیشۂ سُنّت کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہو گئے تقریروں میں کئی کئی ہزار کا مجمع ہوتا تھا۔ سامعین کا بیان ہے ۱۳ر فروری کی تقریر میں ۲۵ر ہزار کا مجمع تھا جس میں سید شاہ امیر الحق سجادہ نشین خانقاہ مرصادیہ، مولانا سید محمد اسمٰعیل صدالمدرسین مدرسہ حقانیہ، مولانا بشیر الدین امام مسجد اعظم وغیرہم جیسی اہم ہستیاں تھیں۔

بھیمڑی

حضور شیر بیشۂ سُنّت علیہ الرحمۃ والرضوان نے بمبئی اور اس کے اطراف و نواحی میں نہ جانیں کتنی تقریریں کیں۔ تقریروں کا یہ سلسلہ شمار سے بالاتر ہے۔ ایک مرتبہ آپ حضرت مولانا سید محمد امین قادری اشرفی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت فیض درجت مولانا الشاہ سید ابو محمد علی حسین اشرفی الجیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی دعوت پر بھیمڑی تشریف لے گئے۔ وہاں جو نورانی بیانات کا سلسلہ شروع ہوا تو اس سے کافی لوگوں کے قلوب نورِ ایمان سے جگمگا اُٹھے۔ ایوانِ وہابیت میں زلزلہ پیدا ہوا ان لوگوں نے فساد کی ٹھان لی مگر جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ آج دشمنانِ رسول محفل میلاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں رخنہ ڈال کر فساد برپا کرنا چاہتے ہیں تو شیر بیشۂ سنّت نے فرمایا حسبنا اللہ ونعم الوکیل جب بیان کا وقت آیا تو آپ ممبر پر رونق افروز ہوئے اور پَرتَوِ جلالت سیدنا فاروقِ اعظم رضی

اللہ تعالیٰ عنہ، وعکس شجاعت مولائے کائنات سیدنا شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اللہ رب العزت جل مجدہ کی حمد و ثنا اور اسکے پیارے محبوب طالب و مطلوب دانائے کل غیوب شافع خطایا و ذنوب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت پاک کے بعد بیان شروع فرمایا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت سید صاحب قبلہ موصوف الصدر علیہ الرحمہ کی نظر مبارک حضرت شیر بیشۂ سنّت کیطرف اٹھی تو یک بیک مؤدّب کھڑے ہوگئے اور پھر اخیر تک شیر بیشۂ سنّت کیطرف منھ کئے ہوئے کھڑے رہ گئے۔ اگرچہ دوران تقریر حضرت شیر بیشۂ سنّت نے سید صاحب قبلہ کو کئی بار بیٹھنے کی فرمائش کی۔ مگر آپ بدستور کھڑے ہی رہے۔

اختتام تقریر کے بعد جب اس قیام کی وجہ دریافت کی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ جیسے ہی آپنے ردّ وہابیہ بیان کرنا شروع کیا اسی وقت قطب عالم مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ رونق افروز ہوکر آپ پر سایہ فگن ہوگئے اور اپنا دست اقدس آپ کی پشتِ انور پر رکھے ہوئے تا اختتامِ جلسہ جلوہ فرما رہے۔ اسی لئے میں اعلیٰحضرت کے احترام میں مؤدب کھڑا رہا۔ (۱)

نوساری

گجرات کے علاقہ میں نوساری ایک مشہور شہر ہے۔ یہ علاقہ سند الاتقیاء حضرت شیخ امیر الدین جیلانی (متوفی ۱۹۳۰ء) کے فیوض و برکات کا مرکز رہا ہے۔ اس علاقہ میں دین حق کی اشاعت کا سہرا غالباً انھیں کے سر ہے۔ ان کی دعوت پر حضور شیر بیشۂ سنّت علیہ الرحمہ نے وہاں اپنے فنِ خطابت کے جوہر دکھا کر لوگوں کے دلوں میں اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتیں پیدا کی ہیں۔

لیکن بطور خاص نوساری کی سرزمین پر ۱۹۲۶ء میں رونما ہونے والا وہ واقعہ ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا جب حضرت مولانا سید مفتی امیر الدین جیلانی کی دعوت پر نوساری ضلع بلساڑ تشریف لائے اور وہاں آپکے روشن بیانات کا سلسلہ شروع ہوا آپنے حسب معمول دورانِ تقریر

(۱) پاسبان الہ آباد فروری ۱۹۶۰ء

وہابی دیوبندی علماء کی لکھی ہوئی کتابیں تقویۃ الایمان۔ فتاویٰ رشیدیہ۔ صراط مستقیم۔ تحذیر الناس وغیرہ کی کفری عبارتوں کو مسلمانانِ اہلسنت کے سامنے پیش کیا اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت کر دیا کہ صرف اہلسنت و جماعت ہی وہ جماعت ہے جو سیدھے راستے پر قائم ہے۔ اس جلسہ کے بعد ڈابھیل قصبہ کے ایک بوہراجی نے شہر نوساری کی عدالت میں مولانا حشمت علی خاں اور مولانا سید امیر الدین بابا اور سید محمد میاں کے خلاف فوجداری کا مقدمہ دائر کر دیا۔ یہ مقدمہ نو ماہ تک چلتا رہا آخر میں تینوں بزرگوں کو کچہری نے باعزّت رہا کر دیا۔ ظاہر ہے کہ حق کی فتح ہمیشہ ہوئی ہے وہاں بھی ہوئی سرخرو ہوکر وہ لوگ گھر واپس تشریف لائے۔

اس مقدمہ کی مکمّل روداد گجراتی زبان میں شائع ہوئی تھی جس کی نقل اب بھی سید امیر الدین کے جانشین جناب سید عظیم الدین بابا خطیب جامع مسجد بلڈنگ بڑودہ کے پاس محفوظ ہے (۱)

گجرات کے علاقہ میں مسلکِ اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی اشاعت انھیں کی رہینِ منّت ہے۔ مولانا الحاج علی محمد دھوراجی کا بیان ہے۔

"۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد جب وہابیہ اور دیابنہ نے یہ سمجھ لیا کہ اب ہمارا وقت آگیا تو سرزمینِ گجرات پر انھوں نے سر اٹھایا اور مختلف طریقوں سے اہلسنّت کو دبانے کی کوشش کی اور ہر علاقے سے میرے پاس خطوط آنے لگے چنانچہ میں نے گجرات کی صورتِ حال سے حضرت شیر بیشۂ سنّت کو مطلع کیا اور حضرت نے میری آواز پر لبیک فرما کر گجرات کی دعوت منظور فرمائی "راج پیلا" تشریف لائے سہ روزہ اجلاس بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوا۔ اس کے بعد نبی پور، بڑودہ، بیلا داور، سورت وغیرہ میں جلسے ہوئے جسمیں شیر بیشۂ سنّت نے عقائد باطلہ کی دھجیاں اڑادیں اسکے بعد گجرات کے سُنّی مسلمانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور خوف و ہراس جاتا رہا۔" (۲)

(۱) سنی دنیا بریلی ص ۷، ۳ ستمبر ۱۹۸۹ء (۲) پاسبان الہ آباد ص ۱۹ اگست و ستمبر ۱۹۶۰ء

دیناجپور

دیناجپور صوبہ بنگال کا ایک شہر ہے۔ ایک زمانے میں وہاں وہابیوں کی کثرت تھی اب اُن کی کیا تعداد ہے خدا جانے۔ یہ علاقہ بھی حضور شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ کے حقانی بیانات سے مستنیر رہا ہے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ وہاں کے وہابیوں نے مناظرہ کے لئے چیلنج کر دیا ظاہر ہے کہ چیلنج کرنا بہت آسان مگر نپٹنا اس سے کہیں زیادہ مشکل۔ حضور شیر بیشۂ سنت نے دعوت منظور فرمالی۔ آپ کے کچھ احباب نے آپ کو وہاں جانے سے منع کیا کہ وہ خالص وہابیہ کا علاقہ ہے آپ کو اذیت پہنچنے کا امکان ہے۔ مگر وہ بھلا شیرِ حق کہاں رُکنے والا۔ فرمایا۔

"رسول کونین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی عزت ووقار کی حفاظت میں اگر ہمیں زندگی تج دینی پڑے تو یہ ہماری زندگی کی معراج ہوگی"۔

احباب میں قاضی احسان الحق نعیمی جو خود علم وفضل کے پیکر تھے انھیں ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ انھوں نے فرمایا اچھا حضرت اگر آپ بضد ہیں مجھے لے جانا ہی چاہتے ہیں تو وعدہ کیجئے کہ زیادہ شدید رد نہیں فرمائیں گے۔ حضرت شیر بیشۂ سنت نے فرمایا اچھا احتیاط کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے بعد ہم لوگ دیناج پور پہنچ گئے۔ چند غریب مفلس سنی مسلمانوں نے قدرے انتظام کیا اور شب میں بعد نماز عشاء تقریر کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ہزاروں کا مجمع، عجیب عالم تھا۔ ہر طرف سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی اور لوگ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ مگر جب شیر بیشۂ سنت نے بیان فرمانا شروع کیا تو سارے مجمع پر ایک سناٹا چھا گیا، شہر خموشاں کیطرح پورا مجمع پُرسکون ہوگیا۔ حضرت شیر بیشۂ سنت نے کچھ دیر احتیاط کرنے کی کوشش کی مگر تاب نہ لا سکے! جب گستاخانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخیاں ان کی کتابوں سے ثابت فرمانے لگے تو مجمع حیرت واستعجاب میں ڈوبا ہوا تھا۔ کسی قسم کی کوئی حرکت نہیں۔ قاضی صاحب کہتے ہیں کہ مجمع کی خاموشی دیکھ کر میں دل ہی دل میں لرز رہا تھا کہ خدانخواستہ

یہ طویل خاموشی کسی عظیم حادثے کا پیش خیمہ نہ ثابت ہو اور میں نے حضرت کے پَیر کو دبا کر وعدہ یاد دلانے کی کوشش کی۔ پھر کیا تھا ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے پٹرول میں آگ لگا دی ہو آپ بھڑک اٹھے اور مخصوص انداز میں رد فرمانا شروع کر دیا۔ کچھ دیر تک میں سنتا رہا آخر خوف سے پریشان ہو کر اسٹیج سے جانے لگا۔ حضرت نے پکڑ کر بٹھا لیا اور پھر تھوڑی دیر میں تقریر ختم کر دی۔ تقریر کیا تھی علوم ومعرفت کا خزانہ، دلائل وبراہین کا بحرِ بیکراں، حقائق ومعارف کا سیلِ رواں، کسی دیوبندی وہابی کی لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی۔ حاضرین نے صلاۃ وسلام پڑھا اور پھر اسی پر جلسہ کا اختتام ہوگیا۔

گونڈہ

آپ کی تقریر کا عالم یہ تھا جس نے بھی سنا جہاں بھی سنا پروانہ وار نثار ہو کر گیا قدموں سے لپٹ گیا، احقاقِ حق وابطالِ باطل اسطرح کر دیا کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دیا سُنّیت سنور گئی نجدیت پژمردہ ہوگئی۔

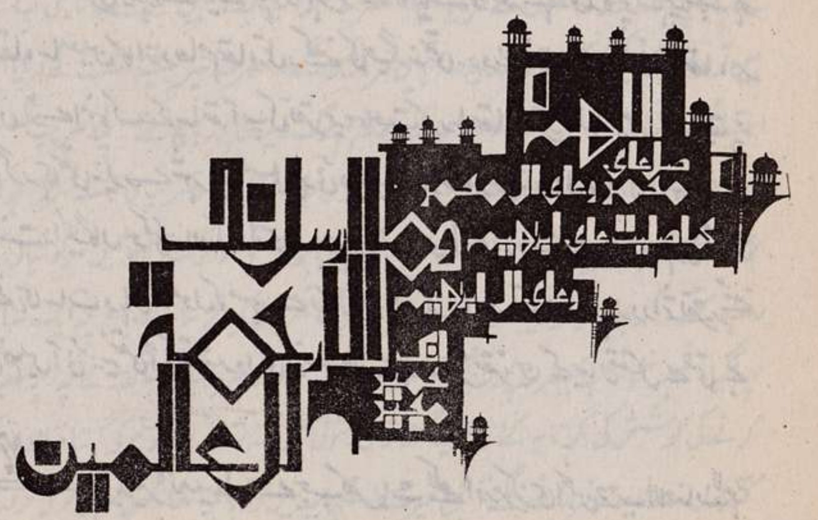
مشرقی یوپی کے ایک مشہور شہر گونڈہ کا ایک واقعہ ہے۔ گونڈہ چوک پر جلسہ ہو رہا تھا، سامعین کا اژدھام تھا، تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ دوران تقریر مجمع پر سناٹا تھا، ہر شخص بڑے انہماک کے ساتھ آپ کی تقریر سماعت کر رہا تھا۔ تقریر کیا خرمنِ نجدیت پر بجلی گر رہی تھی۔ پورے شہر میں پھیلی ہوئی وہابیت کو ننگا کر دیا۔ وہابی علماء کی برسہا برس کی محنت رائیگاں ہوگئی۔ ان کی ساری جد وجہد خاک میں مل گئی۔ رات میں تقریر ہوئی اور صبح ہوتے ہی سات وہابی اماموں کو مسجد سے نکال کر باہر کر دیا گیا۔ اتنی موثر اور زود اثر تقریر سننے میں نہیں آئی۔ یہ تھی آپکی تقریروں کی وہ خصوصیت جو دوسرے مقررین کے یہاں مشکل سے ملتی ہے

لاہور

ایڈیٹر "زمیندار" نے جب کفریات لکھے اور مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور کا عظیم الشان سہ روزہ اجلاس "زمیندار" کے دفتر کے سامنے باغ میں بیرونِ دہلی گیٹ منعقد

ہوا حضرت شیر بیشہ سنت، حضرت حجۃ الاسلام کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس اجلاس میں حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تقریر کا اعلان فرمایا۔ تو حضرت خطیب الملت علامہ قاری حکیم ابو الحسنات سید محمد احمد قادری رضوی الوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ۔

"یہ اعلان سُنکر میں حیران ہوا کہ مولانا حشمت علی خانصاحب ابھی تک آئے نہیں اور ان کے بیان کا حضرت نے اعلان فرمادیا فرماتے ہیں کہ میں جلسہ گاہ میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا کہ اب تقریر کون کرے گا، اعلان تو مولانا حشمت علی صاحب کا ہوا ہے اور وہ موجود نہیں۔ کہ حضرت حجۃ الاسلام کی پشت کی جانب جو لوگ بیٹھے تھے ان میں سے ایک صاحب سادہ لباس میں بغیر عمامہ و عبا کے کھڑے ہوئے اور حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لیکر تشریف لائے اور بیان شروع کیا تو علم وعرفان کے دریا بہا دیئے خواص وعوام سب محظوظ ہو رہے تھے سبحٰن اللہ و مرحبا کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔" (۱)



(۱) محبوب علی: سوانح شیر بیشہ سنت ص ،،

مناظرانہ صلاحیت

حق و باطل کی جنگ ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک جاری ہے۔ البتہ زمانے کے ساتھ ساتھ جنگ کے موضوعات بدلتے رہے۔ یہ جنگ کبھی خدا و ابلیس، کبھی ابراہیم و نمرود، کبھی فرعون و موسیٰ اور کبھی پیغمبر اسلام حضرت رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو جہل کے درمیان اسلام و کفر کی شکل میں ہوتی رہی۔ سرزمین عرب سے نکل کر رفتہ رفتہ جب اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا جب بھی یہ جنگ نہ ختم ہوئی۔ کبھی مسئلہ زکوٰۃ، کبھی مسئلہ خلق قرآن، کبھی مسئلہ ختم نبوت اور کبھی مسئلہ مسجد و مندر کو لیکر ہنگامہ آرائی رہی۔ بعد کے ادوار میں مسلک کی بنیاد پر لوگ ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوتے رہے۔ سنی شیعہ اختلاف، سُنی وہابی اختلاف، سُنی قادیانی اختلاف اسی سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں۔

تیرہویں صدی ہجری کا نصفِ آخر اور چودھویں صدی کا نصفِ اول اسوجہ سے انتہائی اہم اور قابل ذکر ہے کہ اس صدی میں جتنے مناظرے اور بحث و مباحثے ہوئے شاید ہی کسی اور صدی میں ہوئے ہوں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی، علامہ فضل حق خیر آبادی، محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا خاں، محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی اور صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی جیسی اہل علم عبا قرروز گار شخصیتیں قابل ذکر ہیں۔

وہابی دیوبندی مکتبِ فکر کے علماء میں مولوی شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور مولوی محمد قاسم نانوتوی جیسی شخصیات تھیں۔

ان علماء میں کوئی اپنے کو کسی معاملے میں کسی سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ جس کا لازمی نتیجہ بحث و مباحثہ اور مناظرے کی ترقی تھی۔ آئے دن مناظرے، قلمی جنگیں اور بحث و مباحثے کیلئے میدان

سنوارے جاتے ۔ تمام علماء کا ذہن تو مناظرانہ نہیں تھا البتہ دونوں مکاتب فکر کے کچھ علماء ضرور ایسے تھے جو اپنے کو میدانِ مناظرہ کا شہسوار سمجھتے تھے ۔ ان میں ہر ایک کی مناظرانہ صلاحیت پر گفتگو کے لئے ایک دفتر درکار ہے ۔ یہاں موضوع کی مناسبت سے صرف اور صرف مناظرِ اعظم ہند مظہرِ اعلیٰحضرت حضور شیر بیشۂ سنّت مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کی مناظرانہ صلاحیت پر گفتگو کی جارہی ہے

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مناظرے کیلئے ان تمام علوم پر گہری نظر رکھنی ضروری ہے جنکی آئے دن مناظرے میں ضرورت پڑتی رہتی ہے ۔ علوم نقلیہ، عقلیہ اور ادبیہ کے علاوہ حالات حاضرہ سے بھرپور واقفیت ہر مناظر کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ مناظرے کے اصول وضوابط اور شرائط ۔ حضور شیر بیشۂ سنّت کو تمام علوم میں کسقدر دسترس تھی اور حالات حاضرہ سے کتنے باخبر تھے اس کا اندازہ ان کے کسی مناظرے کی روداد یا ہر اس شخص سے دریافت کر کے لگایا جا سکتا ہے جس نے اُن کے مناظرے میں شرکت کی ہو ۔ استناد کے طور پر آپ کی علمی عبقریت کے اعتراف میں لاہور کے اس قطعی فیصلہ کن مناظرانہ کا حوالہ دیا جاسکتا ہے جسمیں حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اس عظیم الشان مجمع علماء وفضلاء میں ان کو کیسا عقیل وفہیم ، ذہین وذکی اور معتبر ومستند سمجھا کہ تمام حضرات اجلّہ علمائے کرام کی موجودگی میں اُن کو اپنا وکیل مناظرہ بنایا اور صاف تحریر فرمایا کہ ان کا قبول وعدول میرا قبول وعدول اور ان کا اقرار وانکار میرا اقرار وانکار ہوگا ۔ یہ حضرت شیر بیشہ سنّت کی علمیت ، قابلیت اور دین ودیانت کا روشن اظہار ہے ۔

حضور شیر بیشۂ سنت کی مکمل زندگی احقاقِ حق اور ابطال باطل کی مکمل آئینہ دار ہے ۔ زندگی کا ہر لمحہ دشمنانِ رسول اور گستاخانِ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف تھا ۔ وہابی ، دیوبندی ، نجدی ، رافضی ، قادیانی چکڑالوی ، نیچری ، آریہ ہر ایک باطل طاقت سے ٹکرائے اور اپنے شیرانہ پنجوں سے انھیں انھیں پاش پاش کر دیا ۔ اس سے پہلے کہ ہم اُن کے کسی مناظرے کا تفصیلی ذکر کریں ذیل میں ان موضوعات کی وضاحت کی جارہی ہے جن پر آئے دن علمائے حق اور علمائے باطل کے درمیان معرکہ آرائی ہوتی تھی ۔

(۱) مسئلہ امکان کذب باری تعالےٰ (۲) مسئلہ علم غیب وعالم الغیب
(۳) مسئلہ امتناع نظیر (۴) مسئلہ اختیارات رسول (۵) تصرفات اولیاء
(۶) استمداد اولیاء (۷) مسئلہ علم رسول اور علم شیطان (۸) مسئلہ ختم نبوّت
(۹) نماز میں تصوّر رسول اور تصوّر گاؤ خر وغیرہ ۔

شیر بیشہ سنت نے دوران تعلیم ہی سے بحث ومباحثہ اور مناظرے میں حصّہ لینا شروع کر دیا تھا اور تا دمِ حیات ان کا ردّ بدعات ومنکرات ہی محبوب مشغلہ بنا رہا ۔ اشاعتِ دینِ حق کے لئے زندگی کا ہر لمحہ وقف تھا ۔ اس سلسلے میں انھوں نے نہ جانے کتنے باطل مذاہب کے رہنماؤں سے ٹکر لی ۔ اور انھیں اسطرح لاجواب کیا کہ میدان مناظرہ سے چوری چھپے بھاگتے ہی بن پڑی ۔ ایسے لوگوں میں مولوی منظور سنبھلی ، مولوی لیٰسین خام سرائی ، مولوی عبد الشکور کاکوروی ، مولوی شبّیر احمد دیوبندی ، مولوی انور شاہ کشمیری ، مولوی محمد حسین راندیری ، مولوی مرتضیٰ احسن دربھنگی ، مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کا نام لیا جاسکتا ہے ، یہ سب کے سب اپنی صلاحیت کا لوہا منوانے والے آپکے بالمقابل فرار کی ذلت اٹھائے ہوئے اور شمشیرِ ردّ وابطال کے زخم خوردہ ہیں

شیر بیشہ سنت علیہ الرحمہ نے یوں تو کئی مناظرے کئے اور بے شمار مناظروں میں اپنے اکابر کی معاونت کی ۔ مگر جن مناظروں میں یکہ وتنہا میدانِ مناظرہ میں شیر بیشۂ سنّت بن کر دہاڑتے رہے ایسے مناظروں کی تعداد بھی کم نہیں ۔ ایسے مناظروں میں مناظرہ ادری ، مناظرہ پنجاب ، مناظرہ ملتان ، مناظرہ گیا ، مناظرہ راندیر ، مناظرہ پادرہ کا نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے ۔ ہر مناظرے کا تفصیلی ذکر یقیناً ایک تفصیلی کتاب کا متقضی ہے ۔ مگر تفصیل میں نہ جاتے ہوئے ان تمام مناظروں کا اجمال پیش کرنا ضروری سمجھوں گا ۔ جسمیں علمائے اہلسنت نے باتفاقِ رائے آپ کو مناظر منتخب کیا ہے ۔ تاکہ قارئین انکی مناظرانہ صلاحیت کا بھرپور اندازہ لگا سکیں

فن مناظرہ میں انھیں کس قدر مہارت تھی اس کے ثبوت میں حضرت مفتی شریف الحق امجدی کا قول برمحل ہوگا ۔ موصوف آپ کی مناظرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

"حضرت شیر بیشۂ سنّت قدس سرہٗ کو اللہ عزّوجل نے ایسی جامعیت تامہ عطا فرمائی تھی جو دیکھی تو کیا جائے گی، سُنی بھی کم جائے گی۔ لیکن آپ کو جس وصف میں عالمگیر شہرت حاصل ہے وہ وصفِ مناظرہ ہے"۔ (۱)

مفتی صاحب دوسری جگہ رقمطراز ہیں۔

"شیر بیشۂ سنّت کی خصوصیات میں مناظرہ کا ملکہ وہ ممتاز صفت ہے جس میں اُن کا کوئی شریک وسہیم نہیں، مناظرہ کے لئے جو خصوصیات ضروری ہیں وہ سب حضرت علیہ الرحمہ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ کلام میں روانی، افہام وتفہیم، ذکاوت ذہن حاضر جوابی، علم مستحضر، آواز میں قوت ان سب صفات میں یگانۂ وقت تھے۔ کلام میں روانی کا یہ عالم تھا کہ جو بات متوسط لہجے میں بات کرنے والے پندرہ منٹ میں ادا کرتے تھے حضرت اُسے بلامبالغہ دو منٹ میں اس عمدگی سے ادا فرماتے کہ ایک ایک کلمہ کا حرف حرف موتی کیطرح مرصّع پوری صحت کے ساتھ بغیر کسی التباس کے سُننے میں آتا یہی وجہ ہے کہ مناظروں کی روداد میں اگر حریف کی تقریر ایک صفحہ ہے تو حضرت کی تقریر ڈھائی ڈھائی تین تین صفحے کی ہے۔ جبکہ اصولاً وقت دونوں کا مساوی ہوتا تھا"۔

میدان مناظرہ سے بھاگنا انھوں نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ شیر تھے شیر! میدان مناظرہ کے علمی سوالوں کے بدلے وہابی مناظرین اور معتقدین کی جانب سے اینٹ وپتھر کے جواب آئے مگر پھر بھی آپ میدانِ مناظرہ سے نہیں ہٹے۔ لہٰذا جبل مستقیم بنے رہے اس ہمت مردانہ کا اعتراف علامہ مشتاق احمد نظامی نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

"میدان مناظرانہ میں گالیوں کی بوچھار ہے اینٹ پتھر کی بارش ہے دشمنوں کی یلغار ہے مگر علم وفن اور صبر واستقلال کا وہ مرد مجاہد گرج گرج کر شانِ رسول کو اُلکا رہا ہے۔ کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول ؛ پھر بھی کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے (۲)

(۱) ماہنامہ نوری کرن بریلی ۱۹۶۰ء (۲) پاسبان ص ۱۰ اگست وستمبر ۱۹۶۰ء

حضور شیر بیشۂ سنّت کی ان تمام مناظرانہ صلاحیتوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے آیئے اُن اہم اور بڑے مناظروں کی تفصیل پڑھیں جہاں آپنے درجنوں علمائے دیوبند کے بالمقابل تنہا مناظرہ کیا اور فتح وکامرانی سے ہمکنار ہوئے لیکن اس ترتیب میں ابتدا اس مناظرے سے کی جارہی ہے جہاں سے آپ کی مناظرانہ زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔

مناظرہ ہلدوانی

یہ کوئی ۱۳۳۰ھ کی بات ہے قصبہ ہلدوانی ضلع نینی تال میں مولوی لیٰسین خام سرائی جو مولوی اشرف علی تھانوی کے اجلہ خلفاء میں سے تھے پہنچ کر اس عقیدے کی نشر واشاعت کرنے لگے جس عقیدے میں رسول کو دیوار کے پیچھے کے علم سے بے خبر اور جاہل بتایا گیا ہے اور مزید یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا علم تو ہر صبی ومجنوں کو حاصل ہے اس عقیدے کے بانی مولوی اشرف علی تھانوی تھے اسی طرح اور دوسرے مکتبِ فکر کے رہنماؤں کی تعلیمات سے اُن سیدھے سادھے مسلمانوں کو بھڑکا کر اپنے دامنِ تزویر میں پھنسانے لگے مگر تابکے! وہاں کے مسلمانوں کو یہ بات بری لگی اور اس کے باطل خیالات کی تردید کرنے لگے۔ مولوی خام سرائی اس تردید پر برہم ہوئے اور کہا اپنے مولویوں کو بلاؤ اور خاص طور سے جو تم سب کا سردار ہو میں مناظرہ کروں گا۔ یہ اطلاع امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کو ہوئی۔ وہ بھلا خام سرائی کو اپنے منہ کیا لگاتے یقیناً وہ آپ کے علم بحر ذخار کے سامنے کیا ٹکتا سیلِ رواں کی نذر ہو جاتا۔ امام احمد رضا خود نہ جاکر مدرسہ کے ایک طالب علم جس کا نام حشمت علی تھا، اس بڑے مہم کو سر کرنے کے لئے سر پر دستِ شفقت پھیر کر روانہ کر دیا۔ مولانا حشمت علی کی عمر اس وقت ۱۹ر برس کی تھی۔ جبکہ مقابل کا مناظر زندگی کی اسّی بہاریں دیکھ چکا تھا۔ زمانہ کے سرد وگرم حالات سے اچھی طرح نبرد آزما تھا۔ مولوی حشمت علی جب ہلدوانی پہنچے اور وہاں کے باشندوں کو اس کی خبر ہوئی کہ امام احمد رضا خود نہ آکر مدرسے کے ایک طالب علم کو اس عظیم معرکہ کو سر کرنے کیلئے بھیجا ہے سُنتے ہی اُن کے پاؤں کے نیچے سے زمین سرک گئی۔

وہاں کے سارے سُنی مسلمان محوِ حیرت و استعجاب تھے۔ جب شام کو جلسہ ہوا اور جو بصیرت افروز تقریر آپ نے بیان فرمائی اس سے ان کے چہروں پہ فرحت و انبساط کی لہر دوڑنے لگی۔ اب ان کے دل کو اطمینان ہو چلا مگر پھر بھی کم کم! دوسرے دن جب میدانِ مناظرہ میں آمنے سامنے اسٹیج سجائے گئے۔ ایک طرف ۸۰ سال کا سن رسیدہ مناظر یاسین خام سراجی اور دوسری طرف ۱۹ سالہ نوجوان طالبِ علم مولوی حشمت علی، مجمع ششدر پنج میں تھا۔ آخر یہ کیسا مقابلہ ہے کسی معاملے میں کوئی تطابق نہیں لیکن جلد ہی یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ مناظرہ جسمانی قوت و طاقت کا نہیں، علمی طاقت کا ہے۔ مناظرہ عمر کا نہیں مبلغ علم کا ہے مناظرہ جہاں بینی و دور اندیشی کا نہیں حق و باطل کا ہے۔ سامعین کا کہنا ہے نوعمر مناظر نے سن رسیدہ تجربہ کار مناظر کو ناکوں چنے چبوا دیئے۔ حفظ الایمان کی کفری عبارتوں پہ مناظرہ تھا۔ مسئلہ علم غیب پہ وہ مبہوت ہو گیا اور آپ کے سوالوں کی تاب نہ لا کر میدانِ مناظرہ سے فرار اختیار کرتے ہی بنی۔

فتح و کامرانی کے بعد آپ بریلی واپس تشریف لائے اور مناظرہ کی روداد من و عن بیان فرمائی تو آپ کے پیر و مرشد امام احمد رضا بہت خوش ہوئے اور یہ فرمایا کہ ماشاء اللہ آپ "ابوالفتح" ہیں اور پھر سینے سے لگا کر بے شمار دعاؤں سے نوازا اور ساتھ ہی اپنا عمامہ اور انگرکھا تعریف بطورِ انعام دیا اور پھر پانچ روپیہ نقد عطا فرما کر مدرسہ کے رجسٹر میں قلم سے یہ تحریر فرمایا

"حشمت علی میرا روحانی بیٹا ہے آج سے میں اُن کا پانچ روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کرتا ہوں"

سرکار امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی وہی ہمت افزائی اور دعا نوازی تھی کہ جس مناظرے میں بھی آپ نے شرکت کی وہاں غیر مقلدوں اور دیوبندیوں کو منہ کی کھانی پڑی۔

مناظرۂ پادرہ

پادرہ علاقہ ریاست بڑودہ گجرات میں ایک شہر ہے۔ وہاں کے سنی مسلمانوں کے اصرار پہ دعوت و تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کی تقریر اگر ایک طرف

سنی مسلمانوں کے ایمان کو تازگی عطا کرتی تھی تو دوسری طرف وہابیوں کے سینے پہ سانپ لوٹنے لگتا تھا۔ غیر مقلدین کے پیشوا مولوی ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر "اہلحدیث" کو جب اپنی قوم اور ذریت کی بے بسی کی خبر ملی تو اس نے شیر بیشۂ سنت کو مناظرہ کی دعوت دے دی اور چیلنج مناظرہ کر کے مناظرہ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ شیر بیشہ سنت مناظرہ کے سلسلے میں ہمیشہ سے ہی شیر رہتے۔ آپ نے فوراً چیلنج قبول کر لیا۔ مناظرہ تحریری شکل میں شروع ہو گیا۔ کچھ ہی دیر تحریری بحث و مباحثے کا سلسلہ چلا تھا کہ غیر مقلدوں کا شیر پنجاب شیر بیشہ سنت کے سامنے بکری نظر آنے لگا، دانتوں سے پسینے چھوٹنے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے سوالوں کے جوابوں کی تاب نہ لا کر میدانِ مناظرہ سے شکست خوردہ فرار اختیار کر لی۔ اہلسنت و جماعت نے اس شاندار کامیابی پہ جشن فتح منایا، ملک و ملت کے مشاہیر علماء نے اس میں شرکت کر کے ابوالفتح شیر بیشۂ سنت کی جناب میں خراج عقیدت پیش کیا۔ نیر بڑودوی کا یہ خراجِ عقیدت یقیناً برمحل ہوگا۔

دکھایا آپ کی امداد سے میدان میں نیچا
ثناء اللہ کو حشمت علی نے یارسول اللہ
عقیدہ ہے یہ نیرؔ کا بحمداللہ دشمن کو
کیا نادم تمہاری دشمنی نے یارسول اللہ

مناظرۂ راندیر

شیر بیشہ سنت رحمۃ اللہ علیہ گجرات کے کسی علاقے میں تبلیغِ دین کی خاطر تشریف لے گئے تھے۔ لیکن جب راندیر ضلع سورت کے سُنی مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے شیر بیشہ سنت کی بارگاہ میں حاضری دی اور اپنے ان تمام مظالم کا ذکر کیا جو دیوبندی علماء نے اُن پہ ڈھائے تھے ساتھ ہی منشی محمد عمر خاں (اردو ٹیچر) کے نام شائع ہونے والی اس تحریر کا بھی ذکر کیا جس کا عنوان "فضل رب خبیر" تھا اور دیوبندیوں نے شائع کرایا

تھا۔ یوں تو اس تحریر کا حرف حرف توہینِ رسالت کا غماز تھا لیکن اس کے صفحہ ۱۱ کی عبارت جو مناظرہ کا سبب بنی یہ تھی۔

"حرمین شریفین سے دیوبندیوں کے کفر پر جو فتوے لئے گئے تھے جب علمائے حرمین پر اصل عبارت ظاہر ہوئی تو انھوں نے دیوبندیوں کو کفر کے فتوے سے بری کر دیا اور انھیں مسلمان لکھ دیا۔"

شیر بیشہ سنت کے سامنے جب یہ تحریر نظر سے گذری تو انھوں نے اوّلاً اس کا مطالبہ کیا کہ وہ تحریر جس میں انھیں مسلمان لکھا گیا ہے دکھائی جائے۔ جس مذہب کی بنیاد ہی توہم اور دروغ گوئی پر ہو اس میں صداقت کے عناصر کہاں ملیں گے بات مناظرے تک پہنچی اور ، رجمادی الاخری ۱۳۴۴ھ روز پنجشنبہ دس بجے دن محبوب مسجد چنار واڑہ میں مناظرہ ہونا طے ہو گیا اور دیوبندیوں کی طرف سے مناظر مولوی عبدالشکور کاکوروی اور مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی منتخب ہوئے۔

میدان مناظرہ سے فرار دیوبندی علمار کی وراثت میں ہے۔ جب دیوبندی مناظرین کو یہ معلوم ہوا کہ شیر بیشہ سنت مولانا حشمت علی سنّیوں کے مناظر ہیں تو ان کے مقابل نہ آنا ہی پسند کیا لیکن عزت و آبرو خطرے میں پڑنے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے آ تو گئے مگر تھانہ والوں کی جیب گرم کر کے مناظرہ رکوانے کی کوشش میں لگ گئے جسمیں انھیں کامیابی بھی ملی۔ جب متعینہ تاریخ پر شیر بیشۂ سنت مقام مناظرہ پر پہونچے اور یہ صورت حال دیکھی تو برہم ہوگئے اور تھانہ میں داروغہ کے پاس گئے۔ ہزار گفت و شنید کے بعد مناظرہ کی اجازت دے دی لیکن ادھر دیوبندیوں نے محبوب مسجد (مقام مناظرہ) کو اپنا نجی گھر بتا کر اس میں داخلے کی پابندی لگا دی تھی۔ مناظر اعظم شیر بیشہ سنت دیوبندی مناظرین کو للکارتے رہے اور بغرض مناظرہ حضرت تبع تابعین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے آستانے کی مسجد "نابت پاڑہ" تشریف لے گئے۔ جب دیوبندی سیٹھوں نے اپنے علمار کا فرار دیکھا تو کہنے لگے اگر آج مناظرہ نہیں ہوگا تو چندہ بند کر دیا جائے گا۔ اصل مناظرین تو فرار ہو ہی چکے تھے۔ بادل ناخواستہ مولوی محمد

حسین راندیری اور این قدر و آں قدر ان کے ساتھی اس لوہے کے چنے کو انجام کی پروا کئے بغیر چبانے کیلئے تیار ہو گئے۔ مناظرہ حفظ الایمان کی کفری عبارتوں پر تھا۔

دیوبندی مناظر لفظ "ایسا" پر زور دیکر بحث کر رہے تھے۔ حفظ الایمان کی اصل عبارت یہ ہے۔

"آپ کی ذات مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے"۔ (۱)

دیوبندی مناظر کا کہنا تھا کہ لفظ "ایسا" ہمیشہ تشبیہ کے لئے ہی نہیں آتا اور اگر تشبیہ کے لئے بھی ہو تو من کل الوجوہ نہیں بلکہ من بعض الوجوہ ہے۔ حضرت شیر بیشۂ سنت نے فرمایا اگر میں کہوں کہ آپ کی صورت کی کیا تخصیص ہے ایسی صورت تو گدھے کی بھی ہے اور آپ کی ناک کی کیا تخصیص ایسی ناک تو سور اور کتے کی ہے۔ ناظرین آپ تو یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ مولانا شیر بیشہ سنت گالی دے رہے ہیں تو یہ گالی نہیں اس کا اصل جواب تھا چنانچہ انھوں نے اسکی صراحت بھی کی آپ برا نہ مانئے کیونکہ ابھی آپ ہی نے فرمایا ہے کہ لفظ "ایسا" ہمیشہ تشبیہ کے لئے نہیں آتا ہے اور اگر تشبیہ بھی ہو تو من کُلِ الوُجوہ نہیں بلکہ من بعض الوجوہ ہے سور (خنزیر) کتے کی ناک بھی خدا کی مخلوق ہے اور آپ کی ناک و صورت بھی خدا کی مخلوق وہ بھی گوشت و پوست سے بنی ہے اور آپ کی ناک اور شکل و صورت بھی گوشت و پوست سے بنی ہے۔ اس بات پر دیوبندی عوام اور علمار دونوں چیخ پڑے کہ یہ گالیاں ہیں اس میں ہماری توہین ہے۔ شیر بیشہ سنت نے فرمایا اگر یہاں لفظ "ایسا" سے آپ کی توہین ہو سکتی ہے تو حفظ الایمان کی عبارت میں لفظ "ایسا" سے کیونکر رسول کی توہین نہ ہوگی یہ سن کر دیوبندی مناظر مبہوت ہو گیا۔

(۱) حفظ الایمان : مولوی اشرف علی تھانوی ص ۸

اس مناظرے کا انجام بھی ظاہر تھا، ہوا وہی جو اُن کا موروثی حق ہے۔ شکستِ فاش ہوئی منہ کی کھائی اور لاجواب ہو گئے۔ اس عظیم الشان کامیابی پر سورت میں خراجِ تحسین کے جلسے منعقد ہوئے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے شیر بیشہ سنت کی جناب میں دادِ تحسین کی سوغات پیش کی۔ اس موقع پر شیر بیشہ سنت نے امام اہلسنت کی جناب میں اپنی طرف سے خوشی و مسرت کے کچھ کلمات منظوم شکل میں پیش فرمائے جسکا پہلا بند یہ ہے

بج رہا ہے چار سو ڈنکا ترا احمد رضا

دو جہاں میں ہے گڑا جھنڈا ترا احمد رضا

تہنیت کا ایک جلسہ سورت میں مناظرے کے دوسرے دن حضرت خواجہ دانا شاہ رضی اللہ عنہ کے آستانے پر اس فتحِ مبین کی خوشی میں ہوا۔ اس اجلاس میں علمار مشائخ واعیانِ گجرات وعوام خواص کے اتفاق سے آپ کو شیرِ بیشہ سنّت کا خطاب دیا گیا (۱)

یہ خطاب عوام وخواص کے حلقے میں اسقدر مقبول ہوا کہ یہی عَلَم بن گیا اور لوگ اصل نام سے بے پرواہ ہو گئے اور انشاء اللہ تا قیامِ قیامت دنیائے سنیت میں آپ اسی نام سے جانے پہچانے جاتے رہیں گے



(۱) محبوب علی : سوانح شیر بیشہ سنت ص ۶۴

مناظرۂ فیض آباد

کورٹ اور اس کا تاریخی مقدمہ

شیر بیشہ سنت رحمۃ اللہ علیہ سے دیوبندیوں کے جتنے مناظرے ہوئے سب میں ان لوگوں نے انتظامیہ پولیس کی مدد سے مناظرہ یا تو رکوا دیا یا شیر بیشہ سنّت پر کوئی جعلی الزام لگا کر انھیں کچہری کے حوالے کر دیا یا مناظرے کی متعینہ تاریخ پر وہابی دیوبندی مناظر خود میدانِ مناظرہ سے ڈھکے چھپے فرار ہو گئے یا وہ مقام مناظرہ پر پہنچے ہی نہیں۔ اس طرح کی نہ جانے کتنی وارداتیں ہیں جو شیر بیشۂ سنّت کی زندگی میں آئے دن ہوتی رہتی تھیں۔ مگر فیض آباد کا مناظرہ اور وہاں کا تاریخی مقدمہ اس وجہ سے انتہائی اہم اور قابل ذکر ہے کہ اس قسم کے مواقع شیر بیشۂ سنّت کو کم میسّر آئے کہ انھوں نے کورٹ میں مناظرہ کیا ہو۔

ذیل میں فیض آباد کے تاریخی مقدمے اور مناظرے کی مختصر رپورٹ "شمع منوّرِ رہِ نجات" اور "سوانح اعلیٰحضرت" مصنفہ مولانا بدرالدین احمد رضوی سے اخذ کر کے پیش کر رہے ہیں۔

اس مناظرے کی روداد تبلیغ دینِ حق یعنی اُن کی خطیبانہ شوکت سے شروع ہوتی ہے اور اختتام مناظرہ، مقدمہ اور پھر فتح و کامرانی پر ہوتا ہے۔ ہوا یوں کہ حضرت شیر بیشہ سنّت مولانا حشمت علی علیہ الرحمہ نے قصبہ بھدرسہ ضلع فیض آباد اور اس کے اطراف و نواحی میں ۲۲ مئی ۱۹۴۶ء تا ۶ جون ۱۹۴۶ء مسلسل تقریریں فرمائیں جس میں آپ نے مذہب اہلسنّت وجماعت کی تبلیغ اور سُنّی مسلمانوں نیز دیگر حاضرین کی نصیحت وہدایت اور مذہب حق کی شناخت کے لئے حسام الحرمین، الصوارم الہندیہ کے مضامین پڑھکر سناتے رہے اور وہابیوں کے عقائد کفریہ سے آگاہ کرنے کے لئے تحذیر الناس، براہینِ

قاطعہ، حفظ الایمان اور مختصر سیرت نبویہ کی کفری عبارتیں کھول کھول کر لوگوں کو دکھلاتے رہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے وہابی دیوبندی عوام جو بیچارے اپنے پیشواؤں کے عقائد کفریہ سے آگاہ نہ تھے توبہ کرکے سُنی مسلمان ہو گئے۔ جب دیوبندیوں کے سربراہوں کو اس کی خبر ہوئی کہ امام احمد رضا کے شیر کے ہاتھوں وہابیت کی مٹی پلید ہوتی جا رہی ہے تو انھوں نے اپنے علماء سے سازش کرکے حضور شیر بیشہ سنت کے خلاف مہابیر پرشاد اگروال مجسٹریٹ درجہ اول شہر فیض آباد کے اجلاس میں استغاثہ دائر کر دیا جس میں یہ الزام قائم کیا

ملزم (شیر بیشہ سنت) نے بتاریخ ۸؍ جون ۱۹۴۶ء بوقت ۹ بجے شب تا نہایت ۱۲ بجے شب ایک تقریر کی جس کے دوران میں ملزم نے مدعیان کے مذہبی عقائد مجروح کرنے نیز فرقہ وارانہ فساد برپا کرنے کی غرض سے مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی رشید احمد گنگوہی مولوی عبد الشکور کاکوروی لکھنوی کافر مرتد بے دین ہیں۔ ملزم کی تقریر مذکور سے مدعیان اور ان کے علمائے دین کی سخت توہین اور دلآزاری ہوئی

عالیجاہا! ملزم نہایت ہی مفسد آدمی ہے اور جرم دفعات ۲۹۸، اور ۵۰۰ و ۱۵۳ الف کا مرتکب ہے لہٰذا تدارک ملزم حسب دفعات بالا فرمایا جائے۔

عرضی: فدویان عبد الحمید خاں و سراج الحق خاں و حبیب اللہ
مدعیان ساکن قصبہ بھدرسہ ضلع فیض آباد
مورخہ ۱۲؍ جون ۱۹۴۶ء

کارروائی استغاثہ کے بموجب شیر بیشہ سنت جب کورٹ میں پہنچے تو مجسٹریٹ نے استغاثہ کے متعلق جواب طلب کیا آپ نے اجلاس میں تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان، فوٹو فتاویٰ مہری دستخطی گنگوہی اور مختصر سیرت نبویہ مصنفہ مولوی عبد الشکور کاکوروی پیش کیا اور ان کی عبارت کفریہ سے مجسٹریٹ کو آگاہ کیا اور اس کے ساتھ ہی آپ

نے مجسٹریٹ پر یہ بھی واضح کر دیا کہ دنیائے سنیت کے عظیم و جلیل پیشوا شیخ الاسلام اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے مولوی تھانوی، مولوی نانوتوی، مولوی گنگوہی مولوی انبیٹھوی پر اُن کے عقائد کفریہ کے سبب بحکم شریعتِ اسلامیہ کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا ہے جو انہی کی مصنفہ کتاب "حسام الحرمین" میں چھپ کر پورے ہندوستان میں شائع ہو چکا ہے اور اس فتوے کی تصدیق عرب شریف کے اکابر پیشوائے عظیم اور ہندوستان کے دو سو اڑسٹھ ۲۶۸ علمائے اسلام اپنے مہری دستخط کے ساتھ کر چکے ہیں "حسام الحرمین" کے فتاویٰ میں ایک حکمِ شرعی یہ بھی ہے کہ جو شخص مولویان مذکورین بالا کے عقائد کفریہ پر مطلع ہو کر ان کو کافر نہ کہے یا کافر ہونے میں شک کرے تو بحکم قانون شریعت وہ بھی کافر ہے یہی وجہ ہے مبلغ وہابیہ کی زاری میں ہندوستان کے چورانوے ۹۴ علمائے اسلام نے شرعی فتویٰ دیا کہ مولوی عبد الشکور کاکوروی نے اپنی کتاب "نصرت آسمانی" صہ ۱۵ صہ ۲۷ صہ ۴۸ میں مولوی تھانوی و انبیٹھوی کی کفری عبارتوں کی حمایت و طرفداری کی ہے لہٰذا مولوی عبد الشکور کاکوروی بھی بحکم شریعتِ اسلامیہ کافر و مرتد و بے دین ہیں۔ پھر شیر بیشہ سنت نے اپنے دعویٰ کی تصدیق نیز مجسٹریٹ کے اطمینان کے لئے اجلاس میں "حسام الحرمین" اور "الصوارم الہندیہ" وغیرہ کتابیں پیش کیں اور ان کے ساتھ اپنا ایک طویل تحریری بیان بھی پیش کیا جسمیں آپ نے عبارات "حفظ الایمان" ص ۸ "براہین قاطعہ" ص ۵۱ "فوٹو فتاویٰ گنگوہی" وغیرہ کی ہندی کی چندی کر کے ان کو اتنا عام فہم بنا دیا کہ انگریزی داں غیر مسلم مجسٹریٹ بھی پوری طرح سمجھ گیا کہ مولوی تھانوی مولوی گنگوہی وغیرہ نے ضرور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی و بے ادبی کی ہے اور یہ لوگ یقینی طور پر "حسام الحرمین" کے فتاویٰ کے مطابق کافر و مرتد ہو چکے ہیں۔

اس مقام پر وہابی حضرات ہرگز یہ خیال نہ کریں گے کہ کسی نے مجسٹریٹ کے سامنے "المہند" کا مضمون نہیں سنایا اور نہ کسی نے اجلاس میں پیشوایانِ وہابیہ تھانوی وغیرہ کا مسلمان ہونا ثابت کیا کیونکہ اس تاریخی مقدمہ میں مولوی ابو الوفا شاہجہاں پوری وہابیت

کے اکسپرٹ عالم کی حیثیت سے پیش کئے گئے اور بر سر اجلاس مجسٹریٹ کے سامنے حضرت شیر بیشہ سنت قدس سرہٗ العزیز اور مولوی ابوالوفا شاہجہاں پوری کے درمیان ایک طویل و عریض مناظرہ ہوا۔ جس میں پیشوایانِ وہابیہ کو مسلمان ثابت کرنے کیلئے دیوبندی میگزین کے نئے اور پرانے جتنے بھی ہتھیار تھے وہابیت کے اس اکسپرٹ عالم نے سب استعمال کر ڈالے مگر احمد رضا کے شیر مولانا حشمت علی نے حرمین کی حسام براں سے کفر و ارتداد کے قلب و جگر کو کاٹ کر پھینک دیا اور بارگاہ رسالت کے گستاخ باغیوں کے طرفدار مولویوں کو لوہے کے چنے چبوا دئے اور دلائل شرعیہ کی کسوٹی پر پیشوایانِ وہابیہ مولوی تھانوی، گنگوہی وغیرہ کا کافر و مرتد ہونا ایسا بے نقاب فرمایا کہ مولوی ابوالوفا جیسا ہوشیار ماہر علم بھی مجسٹریٹ کے سامنے دیوبندی کفریات پر پردہ ڈالنے میں بری طرح ناکام رہا اور پیشوایانِ وہابیہ کا مسلمان ہونا ثابت نہ کر سکا۔ اب ہم مجسٹریٹ کی طویل بحث کا اختصار جو اس نے استغاثہ کا فیصلہ کرتے ہوئے کی ہے اس کا ترجمہ نقل کر رہے ہیں۔

مجسٹریٹ کا فیصلہ

ملزم کہتا ہے کہ اس نے ۸ رجون ۱۹۴۶ء کو کوئی تقریر بعدؔ میں نہیں کی اور نہ اس نے کبھی بھی ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو مستغیثان نے حلفاً بیان کئے ہیں نہ کبھی وہ اس طرح ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے وہ قطعی طور پر کہتا ہے کہ اس نے ۷ رجون کے پہلے کچھ تقریریں کی تھیں جن میں اس نے مختلف کتابوں (یعنی حسام الحرمین، الصوارم الہندیہ، مبلغ وہابیہ کی زاری) سے کچھ عبارتیں پڑھی تھیں ان کتابوں میں یہ مولویان (اشرف علی تھانوی، رشید احمد گنگوہی، قاسم نانوتوی، خلیل انبیٹھی اور عبد الشکور کاکوروی) اسلامی فتوی سے بے دین، کافر، مرتد اور دیو کے بندے کہے گئے ہیں۔

اب ہم دیکھیں گے کہ تقریر میں کیا کہا گیا۔ مستغیثان نے تحریر میں کچھ بھی نہیں دیا کہ ملزم نے کیا کہا۔ صرف مستغیثان اور دو گواہوں کا بیان ہے کہ ملزم نے اوپر کے لکھے ہوئے الفاظ (یعنی مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی

مولوی عبد الشکور کاکوروی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کافر و مرتد اور بیدین ہیں) استعمال کئے ہیں ملزم یہ مانتا ہے کہ اس نے ان مولویوں کے حق میں اوپر لکھے ہوئے الفاظ استعمال کئے ہیں مگر وہ عبارت دوسری تھی

گواہ ۱ کہتا ہے کہ (ملزم) کی تقریر کو کسی نے بھی نوٹ نہیں کیا اور نہ خود اس (گواہ) نے نوٹ کیا ملزم نے جو الفاظ کہے ہیں وہ اسکو زبانی یاد ہیں اور کچھ مختصر مفہوم تقریر کا بھی یاد ہے اس گواہ ۱ کے بیان کے مطابق ملزم تقریر کے وقت کتابیں اپنے ہاتھ میں لیتا تھا اس بیان سے ملزم کی بات کو تقویت ملتی ہے

ملزم اقرار کرتا ہے کہ اس نے ان مولویوں کے حق میں اوپر کے لکھے ہوئے الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن عبارت دوسری ہے اور اس نے وہ الفاظ چند کتابوں کی تحریر کی مدد سے لئے تھے میرا خیال ہے ملزم کا فعل بالکل درست تھا کہ وہ کتاب سے پڑھ رہا تھا اور ملزم یہ بات نیک نیتی سے پبلک کی آگاہی کے لئے کر رہا تھا تاکہ وہ مذہبی بات سمجھ لیں۔ اسلئے ملزم کا فعل دفعہ ۰۰۵ تعزیرات ہند میں نہیں آتا ملزم کی تقریر سے پبلک کے اشتعال، جھگڑے کے احتمال کے متعلق کچھ گواہوں نے یہ بیان کیا کہ ملزم کی تقریر سن کر بہت سے (وہابی) لوگ اسکی باتیں سمجھ کر ملزم کے ہم مذہب (سنی) ہو گئے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ملزم کا وعظ بہت دلچسپ تھا۔

اس مقدمہ میں ایک اکسپرٹ مولانا ابوالوفا کی گواہی کو مقدمہ کی گواہی کہنے کے بجائے مذہبی مناظرہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔

میرا خیال ہے جیسا کہ میں نے اوپر بحث کی ہے کہ ۸ رجون ۱۹۴۶ء کا واقعہ سراسر گڑھی ہوئی بات ہے اور ایسا کوئی واقعہ نہ ہونے پایا ملزم کی وہ اگلی تقریریں تھیں جن سے (وہابی) مستغیثوں کو دلآزاری ہوئی کیونکہ فریق ثانی (سنی مسلمانوں) کے عقائد پر قبضہ جما رہے تھے اس لئے مستغیثوں نے بغیر سیاق و سباق کا تعلق دیکھتے ہوئے تقریر کے چند الفاظ لے کر ملزم کے خلاف جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا۔ میرے خیال میں ملزم کو اسکی جماعت

میں صرف بدنام کرنے کیلئے یہ مقدمہ دائر کیا گیا ہے کیونکہ وہ مذہبی مبلغ ہے اور اچھی تعداد میں مریدین رکھتا ہے جیسا کہ دورانِ مقدمہ میں دیکھا گیا۔

میں ملزم (مولانا حشمت علی) کو تعزیرات ہند کی دفعات ۵۰۰، ۱۵۳، ۲۹۸ سے جن کا الزام اس پر لگایا گیا ہے اور اس پر یہ مقدمہ چلایا گیا ہے بے قصور قرار دیتا ہوں اور اس کو زیر دفعہ ۲۵۸ ضابطہ فوجداری آزاد کرتا ہوں۔

دستخط مہابیر پرشاد اگروال مجسٹریٹ درجہ اول
فیض آباد
۲۵ رستمبر ۱۹۴۷ء

سیشن جج کا فیصلہ

۲۱ رذی قعدہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۵ رستمبر ۱۹۴۷ء کے اس تاریخی فیصلہ نے دنیائے وہابیت میں تہلکہ مچادیا۔ دیوبندیوں کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی ان کے سارے فتنہ پرور منصوبے خاک میں مل گئے حق و باطل کے اس معرکہ میں میدان "حسام الحرمین" کے ہاتھ رہا اور بارگاہ رسالت کے باغیوں کے گلے میں شکست و ذلت کا طوق پڑا۔ پھر وہابیوں نے سوچا کہ اس فیصلے نے تو غضب ہی ڈھادیا کہ مجسٹریٹ نے شیر رضا کو جیل خانے کے پنجرے میں بند کرنے کے بجائے اسکو باعزت طور پر آزاد کر دیا اور "حسام الحرمین" کی حقانیت و صداقت کا لوہا بھی مان لیا اس لئے مجسٹریٹ کے اس فیصلے کو توڑ دینا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ اپنی ناکامی کو کامیابی سے بدلنے کے لئے ایک بار پھر انہوں نے زور باندھا اور مجسٹریٹ کے فیصلے کے خلاف سشن جج یعقوب علی کے اجلاس میں اپیل دائر کر دی سشن کورٹ کے فاضل جج نے اپیل پر بحث کرتے ہوئے فیصلہ لکھا جس کا اقتباس ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں

• ـــ ملزم نے بیان کیا کہ ۷ رجون ۱۹۴۶ء کے قبل اس نے چند تقریریں بمدرسہ میں کیں جن میں اس نے (حسام الحرمین، الصوارم الہندیہ وغیرہ) کتابوں سے چند عبارتیں پیش کیں اور

ان عبارتوں میں (مولوی تھانوی، مولوی گنگوہی، مولوی نانوتوی وغیرہ) علماء جو کہ استغاثہ میں درج ہیں بذریعہ فتوی کافر، مرتد، بیدین دیو کے بندے اور وہابی قرار دیئے گئے تھے ۷ رجون ۱۹۴۶ء سے قبل تقریریں جو کہ ملزم نے بمدرسہ میں کی تھیں ان کا مضمون کچہری میں خود ملزم نے پیش کیا جس پر E × DZ پڑا ہے۔

فریقین کیطرف سے ثبوت پہنچنے کے بعد لائق مجسٹریٹ نے اوّلاً یہ فیصلہ کیا کہ ملزم نے ۸ رجون ۱۹۴۶ء کو کوئی تقریر نہیں کی جس کی مستغیثان شکایت کرتے ہیں اور یہ صرف ایک بنایا ہوا قصہ تھا دوسرا فیصلہ مجسٹریٹ نے یہ کیا کہ یہ الفاظ ملزم نے گذشتہ دوسری تقریروں میں استعمال کئے تھے جن سے ان کے جذبات کو صدمہ پہنچا تھا کیونکہ انھوں نے ان الفاظ کا سیاق و سباق سے تعلق دیکھے بغیر مطلب نکال لیا اور یہ غلط مقدمہ ملزم کے خلاف دائر کیا اس پر لائق مجسٹریٹ نے مقدمہ خارج کر دیا اور یہ اعتراض کیا کہ ملزم چونکہ مذہبی مبلغ ہے اور اس کے پاس بہت کافی مرید اور معتقد ہیں اس لئے پبلک میں اس کی بے عزتی کرنے کو یہ مقدمہ دائر کیا گیا ہے ملزم اس وجہ سے بری کر دیا گیا تھا۔

اور اسی بریت کے خلاف مستغیثان نے نگرانی کی درخواست دی ہے اور وہ اس حکم کے خلاف ہیں فریقین کے پیش کردہ زبانی اور تحریری ثبوت کو بہت غور سے پڑھنے اور سننے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ درخواست نگرانی کچھ دم نہیں رکھتی۔

لائق مجسٹریٹ کی تجویز سے مجھ کو پتہ چلتا ہے کہ لائق مجسٹریٹ نے ثبوت زبانی و تحریری کو بغور دھیان دیا اور ملاحظہ کیا اور صحیح فیصلہ کیا کہ ملزم نیک نیتی کے ساتھ کتابوں کی عبارتیں پڑھنے میں صحیح راستے پر تھا۔

لائق مجسٹریٹ کا فیصلہ جس میں اس نے ملزم کو بری کر دیا فریقین کے پیش کردہ ثبوتوں کی بنا پر بالکل صحیح اور درست ہے۔ مستغیثان میرے سامنے لائق مجسٹریٹ کے فیصلے میں کوئی قانونی غلطی یا اور کوئی غلطی نہ بتا سکے درحقیقت اس اپیل میں کوئی جان نہیں اس لئے میں اسکو خارج کرتا ہوں

دستخط یعقوب علی سشن جج فیض آباد

۲۸ اپریل ۱۹۴۹ء

واضح ہو کہ وہابیوں کا دائر کردہ مقدمہ دو برس تین ماہ تیرہ دن جاری رہ کر ۲۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ختم ہوا۔ پھر ان کی اپیل کا فیصلہ ۲۸ اپریل ۱۹۴۹ء کو ہوا۔ "فرحت افزا فتح مبین" میں وہابیوں کے استغاثے کا پورا مضمون مستغیثان وبعض گواہوں کا بیان ظہری پھر برسر اجلاس حضرت مولانا حشمت علی علیہ الرحمہ کا زبانی مختصر بیان اور تحریری طویل بیان پھر مجسٹریٹ اور جج کا انگریزی میں فیصلہ اور اس کا اردو ترجمہ چھپ کر ہندوستان بھر میں شائع ہو چکا ہے جو صاحب اس تاریخی مقدمہ کی کارروائی اور حضرت شیر بیشۂ سنت کا کامل تحریری بیان اور مجسٹریٹ و جج کا مکمل فیصلہ دیکھنا چاہیں وہ "فرحت افزا فتح مبین" کا مطالعہ فرمائیں۔ میں نے مجسٹریٹ کا فیصلہ اسی کتاب فرحت افزا کے صفحہ ۲۳ تا صفحہ ۳۷ سے اور جج کا فیصلہ صفحہ ۵۱ تا صفحہ ۵۸ سے نقل کیا ہے۔

مناظرہ ادری

شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ نے جتنے مناظرے کئے ان میں ادری ضلع اعظم گڑھ کے مناظرے کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہ مناظرہ ۲۴، ۲۵، ۲۶ جمادی الآخر ۱۳۵۲ھ بروز یکشنبہ دوشنبہ، سہ شنبہ مسلسل ہوتا رہا۔ اس مناظرے کے دیوبندی مناظر مولوی منظور سنبھلی کے علاوہ دوسرے چھوٹے بڑے ڈیڑھ سو علماء تھے۔ ادھر صرف اور صرف شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی علیہ الرحمہ تنہا تھے۔ خدائے برحق کے علاوہ بظاہر کوئی مدد کرنے والا نہیں تھا۔ اس وجہ سے مولانا عبدالاحد خاں نے یہ خیال فرماتے ہوئے ایک عریضہ محدث اعظم ہند کی جناب میں ارسال کیا۔ جس میں ادری کی صورت حال کا ذکر اور پھر مناظرے میں شرکت کی دعوت تھی۔ مگر محدث اعظم ہند پہلے سے تقریباً پورے ماہ دوسروں کے پابند ہو چکے تھے۔ وہ تو تشریف نہیں لائے البتہ حامل رقعہ کے بدست جو خط لکھا تھا اس میں اس مناظرے کی کامیابی کی یقین دہانی ضرور تھی۔

"جہاں تک منظور کی علمی استعداد کا حال ہے اس کی سرکوبی کے لئے اعز الاخوان فاضل جلیل الشان مولانا مولوی حشمت علی خاں صاحب نہ صرف یہ کہ کافی سے زیادہ ہیں بلکہ سچ پوچھئے تو اس مناظرے کو منظور کر کے ہضماً لنفسہ تنزل سے کام لیا ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ حشمت علی کے جلو میں فتح و نصرت رہی اور منظور مغرور کا تو قافیہ ہی ایک ہے .... میں اپنے آنے کی ادنیٰ ضرورت بھی محسوس نہیں کرتا۔" (۱)

اس مناظرے کا موضوع مسئلہ "علم غیب اور عالم الغیب" تھا چنانچہ یہ موضوع دیوبندی مناظر ہی کا منتخب کردہ تھا۔ وہ (سنی) مناظر کے پاس بھیجنے والے پہلے عریضہ میں لکھتے ہیں۔

"ہمارے یہاں آپ کے عقائد سے متعلق بہت زیادہ غلط فہمی پھیل گئی ہے۔ بالخصوص مسئلہ علم غیب کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ پر میرے اور آپ کے مابین مباحثہ ہو جائے۔" (۲)

(۱) مناظرہ ادری : مولانا محمد طیب دانا پوری ص ۲۸ مطبوعہ ثانی الہ آباد ۱۴۰۳ھ

(۲) مناظرہ ادری : مولانا محمد طیب دانا پوری ص ۲۶ مطبوعہ ثانی الہ آباد ۱۴۰۳ھ

استکتبہ احقر عباد اللہ محمد منظور النعمانی

۱۳ر اکتوبر ۳۳ء ۹ ربجکر ۱۰ رمنٹ

باضابطہ مناظرہ ۲۴ رجمادی الآخر سے شروع ہوا اور تین یوم لگاتار چلتا رہا۔ مناظرہ کی ابتدا تو تحریری ہوئی تھی مگر پھر تقریری میں مناظرہ تبدیل ہوگیا۔ جو انجام ہر مناظرے کا ہوتا ہے وہی انجام اس مناظرے کا بھی ہوا۔ جب دیوبندی مناظر کو شکست کا احساس ہوا تو اس نے تھانہ داروں اور وظائف کی مدد سے مناظرہ کو بند کر کے ہی دم لیا۔ مولانا حشمت علی علیہ الرحمہ نے اس موقع سے ڈیڑھ سو سوالات قاہرہ علم غیب سے متعلق وار کئے جسکا مولوی محمد منظور نعمانی سنبھلی اور ان کے ڈیڑھ سو معاون مولوی مل کر نہ جواب دے سکے۔

جن ڈیڑھ سو علماء نے مولوی منظور نعمانی کی پشت پناہی کی ان میں چند کے نام درج ذیل ہیں

مولوی عبد اللطیف مئوی، مولوی حبیب الرحمٰن مئوی، مولوی منیر الدین، مولوی محمد صدیق مولوی سعد اللہ، مولوی عبد الصمد کوپا گنجی، مولوی محمد امین ادری اور مولوی یار محمد گھوسی وغیرہ وغیرہ

مناظرے کی تفصیلی روداد شائع ہو چکی ہے جس کے مرتب مولانا محمد طیب دانا پوری ہیں ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۲۱۲ صفحات پر مشتمل ہے چہ جائیکہ میں اس مناظرے کے بارے میں لکھوں۔ ارباب ذوق سے گذارش ہے کہ خود اصل روداد کا مطالعہ معیار اور حق و انصاف کی کسوٹی پر رکھ کر فرمائیں۔ تاکہ حق و باطل دودھ اور پانی کیطرح نکھر کر سامنے آجائے اس روداد کا نام تو "مناظرۂ ادری" ہے۔ مگر تاریخی نام "روداد مباحثہ اہلسنت و وہابیہ" (۱۳۵۲ھ) ہے اسکی دوسری بار طباعت الہ آباد سے صفر المظفر ۱۴۰۳ھ میں طلبہ جماعت رابعہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے زیر اہتمام ہوئی ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ مناظرے کی اس مختصر سی روداد سے لگایا جاسکتا ہے۔

"اس مناظرے میں دیوبندی مناظر نے تابیر نخلہ والی حدیث پیش کر کے ثابت کرنا چاہا کہ صحابہ کرام کو دنیوی علم حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے زائد تھا۔ اس نے اسی تقریر میں یہ کہا کہ

حدیث میں "انتم اعلم باموردنیاکم" ہے "اعلم" اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل مفضل ومفضل منہ چاہتا ہے۔ مفضل منہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور مفضل صحابہ۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ صحابہ کو حضور سے یہ علم زائد تھا۔ اس نے طنز کرتے ہوئے کہا کہ مولانا آپ کو ہدایۃ النحو بھی یاد نہیں اس میں یہ لکھا ہے۔

حضرت شیر بیشہ سنت نے جوابی تقریر میں اسی وقت اپنے حریف سے مخاطب ہوکر یہ فرمایا مجھے ہدایۃ النحو یاد نہ ہونے کا طنز دینے والے تمہیں پنج گنج اور نحو میر بھی یاد نہیں۔ پنج گنج میں ہے افعل کا وزن تین معنوں کیلئے آتا ہے۔ ایک اسم صریح جیسے اکمل دوسرے صفت جیسے احمر تیسرے اسم تفضیل جیسے افضل نحو میر میں مذکور ہے کہ اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں ایک مِن کے ساتھ ایک الف لام کے ساتھ ایک اضافت کے ساتھ۔ یہاں ان تینوں میں سے ایک بھی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعلم اسم تفضیل کے لئے نہیں بلکہ صفت محض کے لئے ہے۔ اب صحابہ کرام کے لئے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے زائد علم ثابت نہیں ہوا۔ (۱)

مناظرہ گیا

گیا کا مناظرہ بھی تاریخی لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ مناظرہ تحریری اور تحذیر الناس کی اس عبارت پر تھا۔ جس میں مولانا قاسم نانوتوی نے رسول کے خاتم النبیین ہونے پر شک کیا ہے لکھتے ہیں۔

"عوام کے خیال میں خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہے مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ زمانہ کے تقدم یا تاخر میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔" (۲)

دوسری جگہ یہ عبارت ہے۔

"اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بھی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت

(۱) مناظرہ ادری ص ۶۳
(۲) تحذیر الناس ص ۲۴

محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔" (۱)

یہ مناظرہ محلہ معروف گنج کے وسیع میدان میں ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ ۲۳ فروری ۱۹۳۶ء میں منعقد ہوا تھا۔ مناظرہ حفظ الایمان کی عبارت پر ہونا طے پایا تھا مگر دیوبندی مناظر اس پر راضی نہیں ہوئے۔ اس لئے تحذیر الناس ہی کی عبارت کو موضوعِ بحث بنایا گیا۔ (۲)

عام طور پر مناظرے حفظ الایمان کی کفر عبارتوں پر ہوتے ہیں۔ مناظروں کی دنیا میں یہ اچھوتا موضوع تھا۔ مگر مولانا حشمت علی تو علم کے بحرِ بیکراں تھے ہی ہر قسم کے موضوعات پر مناظرہ کرنے لئے ہمہ دم تیار رہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے حریف مناظر کے ارادے اور چیلنج کا خیر مقدم کیا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے موضوعات سے وہ شیر بیشۂ سنت کو رعب میں لینا چاہتا تھا۔ مگر ایسا نہ ہوسکا۔ اس مناظرے میں اُن کے حریف مناظر مولوی منظور سنبھلی تھے۔ مناظرہ حالاں کہ اصول وضوابط کے مطابق طے ہوچکا اس سے مفر ممکن نہیں تھا۔ مناظرہ شروع ہوتے ہی مولانا منظور سنبھلی نے بجائے اصل موضوع پر گفتگو کرنے کے مدعی اور مدعی علیہ کی بحث چھیڑ دی۔ ظاہر ہے کہ اس کا موضوع سے کسی طرح کوئی مناسبت نہیں تھی۔ مگر کیا کہا جائے حریف مناظر کو۔ انھوں نے کہا کہ مولانا! یہ بتائیے کہ مدعی کون ہے اور مدعیٰ علیہ کون ہے؟ اپنے کو مدعیٔ ثابت کرنے کے لئے دیوبندی نے کہا کہ مدعی کسی چیز کو ثابت کرنے والے کو کہتے ہیں اور مدعی علیہ انکار کرنے والے کو۔ اسی بنا پر مدعی علیہ کو منکر بھی کہا جاتا ہے۔ ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور آپ لوگ اسکا انکار کرتے ہیں لہٰذا ہم مدعی ہوئے اور آپ لوگ مدعی علیہ ــــ اور اس کے علاوہ اگر ایک شخص چند مختلف اعتبارات سے مختلف صفت سے موصوف ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔ مشہور مقولہ ہے

لولا الاعتبارات لبطل الحکمة

(۱) تحذیر الناس ص ۲۴

(۲) دیکھئے تفصیل کے لئے الفقیہہ امرتسر ۲۸ مارچ ۱۹۳۶ء جلد ۱۹

حضرت شیر بیشۂ سنت نے فرمایا مولوی لولا الاعتبارات لبطل الحکمة نہ تو فرمانِ خدا ہے اور نہ ہی قولِ رسول اور یہ اصولِ فقہ کا کوئی قاعدہ کلیہ بھی نہیں۔ موضوعِ بحث اسوقت فلسفہ کے خرافات نہیں۔ اور پھر فلاسفہ کے نزدیک بھی مختلف اعتبارات سے وہی چیزیں مختلف ہوتی ہیں جو اعتباری ہوں۔ شئی واقعی اعتبارات کے بدلنے سے نہیں بدلتی۔ مدعی اور مدعی علیہ ہونا اعتباری نہیں کہ اعتبارات کے اختلاف سے مختلف ہوجائے یہ واقعی چیز ہے۔ مدعی کے احکام الگ ہیں مدعی علیہ کے احکام الگ۔ ایک شخص کو آپ کی بتائی ہوئی تعریف پر مدعی اور مدعی علیہ دونوں مان لیا جائے تو حدیث مشہور البینة علی المدعی والیمین علی من انکر کے مطابق قضاۃ اسلام کو فیصلہ کرنا دشوار ہوجائیگا۔ مثلاً آپ میرے اس عصا کو اپنے ہاتھ میں لیکر قاضیٔ اسلام کے سامنے جائیں اور کہیں کہ یہ عصا میرا ہے اور میں وہاں آپ کا خصم ہوکر یہ کہوں کہ یہ عصا جو مولوی منظور کے ہاتھ میں کھڑا ہے میرا۔ آپ بتائیے! کہ آپ کی بتائی ہوئی تعریف کی بنا پر آپ بھی مدعی اور میں بھی مدعی اور اس حیثیت سے کہ آپ میرا عصا ہونے سے انکار کرتے ہیں آپ منکر اور مدعی! اور میں آپ کا عصا ہونے سے انکار کرتا ہوں میں بھی منکر اور مدعی علیہ اب آپ بتائیے کہ قاضی اسلام کس سے بیّنہ طلب کرے گا اور کس سے قسم لے گا۔

اگر میرے اس سوال کے جواب میں یہ کہیں کہ دونوں سے بینہ لے گا دونوں سے قسم لے گا تو چوں کہ واقع میں عصا میرا ہے لہٰذا میں قسم کھالوں گا کہ یہ عصا جو مولوی منظور کے ہاتھ میں کھڑا ہے میرا ہے جسے انہوں نے زبردستی اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور آپ کے اعتقاد کے مطابق چونکہ خدا جھوٹا ہے لہٰذا آپ کو جھوٹی قسم کھانے میں کہاں باک ہوگا۔ اب بتائیے قاضی اسلام کس کے حق میں فیصلہ کرے گا۔ آپ یہ کہتے ہیں کہ کتابوں میں مدعی اور مدعی علیہ کی یہی تعریف لکھی ہے۔

شیر بیشۂ سنت کی اس تقریر سے دیوبندی مناظر کی بولتی بند ہوگئی اور اپنی خفت مٹانے کے لئے سٹی مجسٹریٹ سے جو مناظرہ کے انتظام کیلئے موجود تھا فریاد کی حضور سٹی ڈی ایم

صاحب! میری مدد کو پہنچیں مولوی حشمت علی صاحب نے مجھے گالی دی ہے اور اپنے آپ کو میرا خصم کہا ہے خصم کے معنی شوہر کے ہیں۔ آپ خود شوہر بنے ہیں اور مجھے بیوی بنایا ہے اسی بنا پر ڈنڈا ہاتھ میں ہے اور ڈنڈا کھڑا کرنے کا بار بار ذکر کرتے ہیں ان کو تنبیہ کیجائے کہ وہ ایسے الفاظ نہ استعمال کریں۔ یہ دیکھئے یہ لغاتِ کشوری ہے اس میں دیکھئے خصم کے معنی شوہر لکھے ہیں۔

حضرت شیر بیشہ سنّت کو اس فرار سے حیرت ہوئی۔ آپ نے سٹی مجسٹریٹ سے فرمایا کہ نہ معلوم میرے مخاطب کو کیوں دھوکا ہو گیا کہ میں ان کا شوہر اور وہ میری بیوی ہیں حالاں کہ وہ عورت نہیں۔ اگر بالفرض وہ عورت ہوتے بھی تو انھیں معلوم ہے کہ میں سُنّی ہوں اور وہ دیوبندی ہیں۔ دیوبندی عورت کا نکاح کسی سُنّی سے درست نہیں۔ میں ان سے نکاح کب کر سکتا ہوں۔ اسی پر سارے مجمع نے قہقہہ لگایا خود سٹی مجسٹریٹ بھی کافی محظوظ ہوا۔ لیکن دیوبندی مناظر کے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا کہ پھر آپنے اپنے آپ کو ان کا خصم کیوں کہا۔ خصم کے معنی شوہر کے ہیں اور اس میں ان کی دل آزاری ہے۔

اس پر شیر بیشہ سنّت نے فرمایا کہ انہیں اپنے اوپر اس قسم کے الفاظ چسپاں کرنے میں کوئی لذت محسوس ہوئی ہے جبھی تو انھوں نے چسپاں کیا ہے۔ حالاں کہ خصم عربی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی مدعی کے ہیں۔ دیکھئے مناظرہ رشیدیہ اس میں خصم بمعنی "مدعی" مستعمل ہے۔ دیکھئے یہ فقہ کی مشہور زمانہ کتاب "ہدایہ" ہے اس کا انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے اور بڑے بڑے محققین اسے زیرِ مطالعہ رکھتے ہیں۔ اس میں بھی خصم مدعی کے معنی میں مذکور ہے سٹی مجسٹریٹ اور سارا مجمع انگشت بدنداں تھا کہ دیوبندی مناظر نے خصم کے معنی شوہر مراد لے کر اپنے اوپر زبردستی چسپاں کرنے میں کوئی شرم بھی محسوس نہیں کی۔ اس پر مجسٹریٹ نے کہا دیکھئے یہ (شیر بیشہ سنت) خصم کے معنی مدعی بتاتے ہیں اور ثبوت میں یہ کتابیں دکھاتے ہیں اب آپ کو کیا اعتراض ہے۔ دیوبندی مناظر نے کہا اور انتہائی دھاندلی کے ساتھ کہا کہ جب تک یہ لفظ واپس نہ لیں گے میں مناظرہ پر راضی نہیں ہوں گا۔

حضرت شیر بیشہ سنّت نے فرمایا یہ تو معقول پسندی نہیں۔ آپ میرے استدلال کو دلائل سے رد کیجئے میں اپنا لفظ واپس لے لوں گا۔ دیوبندی مناظر ہٹ کرتے ہوئے بولا میں یہ سب کچھ نہیں جانتا جب تک یہ اپنا لفظ واپس نہ لیں گے میں ہرگز ہرگز راضی نہ ہوں گا۔

اب سٹی مجسٹریٹ نے شیر بیشہ سنت سے کہا کہ میں مجبور ہوں یا تو آپ اپنا لفظ واپس لے لیں یا مناظرہ بند کر دیں۔ حضرت شیر بیشہ سنّت نے فرمایا جب میرے مخاطب اس قدر ضد کر رہے ہیں اور مجھے بہر حال مناظرہ کرنا ہے لہٰذا میں اپنا لفظ واپس لیتا ہوں۔

اب میرے مخاطب میرے اعتراضات کا جواب دیں۔ دیوبندی مناظر نے تو یہ سمجھا کہ شیر بیشۂ سنّت اپنے لفظ کو واپس نہ لیں گے اور میری جان بچ جائے گی۔ لیکن جبکہ حضرت شیر بیشہ سنّت نے اپنا لفظ واپس لے لیا اور اپنے اعتراضات کے جواب مانگے تو دیوبندی مناظر کے چہرے پر پسینے آنے لگے۔ بدحواسی کے عالم میں یہ بولا کہ میں نے مدعی کی تعریف کر دی اور میں نے اپنے کو مدعی علیہ ثابت کر دیا اس سے آگے میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر آپ کو مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف یاد ہو تو بتائیے۔ حضرت شیر بیشہ سنت نے گرجتی ہوئی پُر جلال آواز میں فرمایا یہ تمہاری عجیب عادت ہے کہ تعلّیوں میں تو آسمان سے اوپر پرواز کی سوجھی ہے اور اعتراضات کے جوابات کے وقت تحت الثریٰ میں پہنچ جاتے ہو۔ محض تعریف کرنے سے کیا ہوتا ہے اس تعریف کو صحیح بھی ثابت کرو اس پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی دو۔

"اب سارے مجمع کو معلوم ہو گیا کہ دیوبندی مناظر کو مدعی اور مدعیٰ علیہ کی تعریف معلوم نہیں"

لہٰذا میں اس بحث کو ختم کرنے کیلئے مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف کر کے ثابت کرتا ہوں کہ میں مدعی ہوں اور تم مدعیٰ علیہ سنو! ظاہر کے خلاف ثابت کرنے والے کو مدعی کہتے ہیں۔ اور ظاہر کے مطابق ثابت کرنے والے کو مدعی علیہ اور منکر کہتے ہیں۔ یہ عصا اسوقت میرے ہاتھ میں ہے اور آپ کہیں کہ میرا ہے تو آپ کا کہنا ظاہر کے خلاف ہے لہٰذا آپ مدعی ہوتے میں کہوں آپ کا نہیں میرا ہے تو ظاہر کے مطابق ہے۔ لہٰذا میں مدعی علیہ ہوا۔ اس

طرح جو مدعی اسلام ہے اس کے بارے میں ظاہر یہی ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ مسلمان نہیں ہے تو اس کا کہنا ظاہر کے خلاف ہے یہ مدعی ہوا۔ اور وہ مدعی علیہ آپ کی جماعت بھی مدعی اسلام ہے ہمارے علمائے اہلسنت کا آپ کے بارے میں فتوی ہے کہ آپ لوگ مسلمان نہیں کافر ہیں ظاہر آپ کے مطابق ہے لہٰذا آپ لوگ مدعیٰ علیہ اور منکر ہوئے اور ہم ظاہر کے خلاف فتوی دیتے ہیں تو ہم مدعی ہوئے۔ اس فاضلانہ تقریر سے تمام مجمع جوش مسرت میں واہ واہ کے نعرے لگانے لگا۔ دیوبندی مناظر اور اس کے معاونین سب کے سب انگشت بدنداں اور ایسے خائب و خاسر ہوئے کہ مارے شرم کے سر نہیں اٹھا رہے تھے۔ لیکن پھر بھی اپنا بھرم رکھنے کے لئے دیوبندی مناظر بولا اچھا مولانا آپ کو مدعی بننے کا شوق ہے تو جائیے آپ ہی مدعی بنئے ہم مدعیٰ علیہ بنتے ہیں۔ مدعی علیہ پر قسم ہے آپ ہم سے قسم لیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ میں بہ حلف شرعی کہتا ہوں کہ رب کعبہ کی قسم میں مسلمان ہوں چلئے بحث کا تصفیہ کر لیجئے ہماری قسم پر اعتبار کر لیجئے ہمیں مسلمان مان لیجئے اختلاف ختم کیجئے۔

حضرت شیر بیشہ سنت نے فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ آپ کی اس ہوشیاری کی داد نہیں دی جاسکتی آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مدعی علیہ پر یمین اسوقت ہے جب مدعی بینہ نہ پیش کر سکے۔ میرے پاس آپ کے کفر کی براہین قاطعہ ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کی قسم کا کوئی محل نہیں۔ پھر جبکہ آپ کے نزدیک آپ کا خدا جھوٹ بول سکتا ہے بلکہ آپ کے اکابر کے فتوے کے مطابق وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے تو آپکو جھوٹی قسم کھانے میں کیا دریغ۔ اور آپ کی قسم کا کیا اعتبار؟ اس کے بعد دیوبندی مناظر نے کئی گھنٹے اس میں مسلسل ضائع کئے کہ موضوع مناظرہ کونسی عبارت ہو گی۔

حالانکہ جب دیوبندی مناظر نے حضرت شیر بیشہ سنت کو مدعی مان لیا تھا تو اختیار حضرت شیر بیشہ سنت کو تھا کہ دیوبندیوں کے کفر پر جو دلیل چاہتے پیش کرتے لیکن دیوبندی مناظر کو مناظرہ تو کرنا تھا نہیں اسلئے وقت ٹالنے کیلئے یہ ضد کرنے لگا کہ مناظرہ "تحذیر الناس" کی عبارت ہی پر ہو گا۔ حضرت شیر بیشہ سنت کو مناظرہ کرنا تھا اسلئے دیوبندی

مناظر کی اس ضد کو بھی منظور فرما لیا اور "تحذیر الناس" کی عبارت پر مناظرہ شروع فرما دیا۔ یہ مناظرہ اتنا کامیاب رہا کہ دیوبندی مناظر کی عاجزی و بے کسی اس کے چہرے سے مجمع کے ہر فرد پر عیاں تھی۔ دیوبندی کی جوابی تقریر پر جب شیر بیشہ سنت اعتراضات قاہرہ وارد کرتے تو دیوبندی مناظر لاجواب ہو کر مبہوت ہو گیا۔ دیوبندی مناظر کا کہنا تھا کہ نانوتوی صاحب ختم نبوت کا انکار نہیں کرتے بلکہ خاتم النبیین کا معنی آخری نبی نہیں مانتے بلکہ خاتمیت ذاتی مراد لیتے ہیں۔ شیر بیشہ سنت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے "ہدایۃ المھدیین" مصنفہ مولوی محمد شفیع دیوبندی کی یہ عبارت پیش کی "ان اللغۃ العربیۃ حاکمۃ بان معنی خاتم النبیین فی الآیت ھو آخر النبیین" (۱) عربی لغت اس پر حاکم ہے کہ آیت کریمہ میں خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کے ہیں اور پھر سید شہاب الدین آلوسی بغدادی (م ۱۲۷۰ھ) کی مشہور تفسیر روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی کی ایک عبارت سنائی اور جب اسکا ترجمہ کیا کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو اسکے خلاف دعوی کرے کافر ہے اور اگر اسی پر اڑا رہے تو قتل کیا جائے۔ حضرت شیر بیشہ سنت فرماتے ہیں کہ میرے استدلال کو سن کر منظور ہکا بکا رہ گیا۔ اور غریب منظور نے میری تحریر کو ہاتھ میں لے کر اس بیکسی کے ساتھ مجھے دیکھا کہ اگر معاملہ کفر و اسلام کا نہ ہوتا تو مجھے ضرور ترس آجاتا اسوقت میں نے منظور سے کہا کہ اب بھی مان لو اور سرکار اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے فرمانے سے نہ سہی اپنے مادر علمی کے مفتی کے کہنے سے قبول کر لو کہ یہ کفری عبارت ہے۔

یہ یاد رکھیئے کہ وہ واحد مناظرہ تھا جو "تحذیر الناس" کی عبارت پر ہوا سوائے اس ایک مناظرے کے اس عبارت پر اور کوئی دوسرا مناظرہ کبھی ہوا ہی نہیں۔ منظور کی عادت تھی کہ ہر مناظرے میں لہک لہک کر اس عبارت پر مناظرہ کے لئے تیار ہوتا تھا۔ چونکہ اس کے پاس اس عبارت کی تاویلات باطلہ کی تائیدات تین پشت کی جمع کردہ موجود تھیں وہ ان پر نازاں تھا کہ ان کے جوابات کوئی سنی عالم اچانک نہیں دے سکتا لیکن

(۱) محمد شفیع ہدایۃ المھدیین ص ۲۱ مطبوعہ دیوبند ۱۳۴۲ھ

جب" گیا" بہار میں اس کی ساری پونجی کے پرخچے اڑ گئے تو حیران رہ گیا اور اپنی آبرو بچانے کے لئے حضرت علیہ الرحمہ کا وہ ٹرنک جسمیں کتابیں اور طرفین کے مناظرے کی فائلیں تھیں غائب کروادیا۔ شیر بیشۂ سنت نے کئی بار حسرت کے ساتھ فرمایا کاش کہ وہ روئیداد چھپ جاتی تو دنیا دیکھ لیتی کہ دیوبندی کتنے کیّاد اور آنکھ میں دھول جھونکنے کے فن میں ماہر ہوتے ہیں۔" (۱)

مناظرۂ سنبھل

شیر بیشۂ سنت اور مولوی منظور سنبھلی کے مابین اکثر حق و باطل کی معرکہ آرائی ہوئی۔ سنبھل کا مناظرہ جو خاص منظور سنبھلی کا وطن ہے انھیں معرکوں کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس مناظرے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اسے اپنے گھر میں شکست فاش ہوئی جو ان کے لئے انتہائی ذلت و ندامت کا باعث ہے۔ دوسرے مناظروں کی طرح یہاں بھی اصل مناظر تو منظور سنبھلی تھے۔ مگر ان کی پشت پناہی کرنے والوں کی تعداد سیکڑوں کی تھی۔ اس مناظرے کی ابتدا اسطرح ہوتی ہے۔ مولوی منظور سنبھلی نے جمال الملۃ مولانا محمد اجمل سنبھلی کو ایک تحریر ارسال کی۔ جسمیں لکھا تھا کہ۔

"دیوبندیوں کے کفر واسلام پر ایک زبردست مناظرہ تم اپنی مجموعی حیثیت کے ساتھ ایک بار مجھ سے کرالو میں کرنے کے لئے تیار ہوں بار بار کہاں تک مناظرہ کرتا رہوں گا آج مسئلہ میلاد پر کروں پھر قیام پر کروں پھر علم غیب پر مناظرہ کروں لہٰذا ایسے مسئلے پر مناظرہ کرنا چاہتا ہوں جس کا بہترین نتیجہ برآمد ہو" (۲)

خود یہ تحریک شروع کی مگر جب تاریخ مناظرہ آئی تو وہ سارے کے سارے مولوی نہ جانے کہاں گھس کر پناہ لینے لگے

(۱) ماہنامہ اعلیٰحضرت ص ۶۰ جون سنہ ۱۹۶۰ء
(۲) معرکۂ حق و باطل مرتبہ محمد یونس ص ۶ مطبوعہ دہلی ۱۴۰۵ھ

۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ کو بہت ہی کوششوں کے بعد مناظرہ چبوترہ انجمن معاون الاسلام پر شروع ہوا۔ مناظرہ سے فرار اختیار کرنے کے سلسلے میں دیابنہ نے نہ جانے کتنی چالیں چلیں۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے اور بالآخر شیر بیشۂ سنت انھیں میدان مناظرہ میں کھینچ ہی لائے۔ "مسئلہ علم غیب" مناظرہ کا موضوع طے پانے کے ساتھ تقریری ہونا بھی طے پایا۔ دیوبندی مناظر نے سلسلۂ کلام کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں اس سے آپ کی کیا مراد ہے باعطائے الٰہی یا بغیر عطائے الٰہی بعض کا یا کل کا غیب مانتے ہیں؟

شیر بیشۂ سنت: میں اپنے دعویٰ کو پیش کرتا ہوں سنئیے ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت ومحبت سے اس قدر علم غیب عطا فرمایا کہ تمام "ماکان ومایکون" کو شامل ہو گیا۔"

دیوبندی مناظر: افسوس میں نے جو بات دریافت کی آپ نے ایسا جواب دیا جسے عربی داں سمجھ گئے لیکن جو عربی نہیں جانتے وہ کچھ نہیں سمجھے کہ ماکان ومایکون کیا چیز ہے یہ بھی بتائیے کہ ماکان ومایکون ازل سے ابد تک تمام معلومات کو شامل ہے یا نہیں؟

شیر بیشۂ سنت: میں نے صاف الفاظ عرض کئے تھے آپ اور تفصیل چاہتے ہیں میں اور وضاحت کئے دیتا ہوں سنئیے حضرت عزت وعظمت نے اپنے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا شرق تا غرب عرش تا فرش سب انھیں دکھایا ملکوت السمٰوات والارض کا شاہد بنایا۔ روز اول سے روز آخر تک سب ماکان ومایکون انھیں بتایا اشیائے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم عظیم ان سب کو محیط ہوا نہ صرف اجمالاً بلکہ ہر صغیر وکبیر ہر رطب ویابس خشک و تر جو پتا گرتا ہے، زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ پڑا ہے سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا والحمد للہ حمداً کثیراً بلکہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہرگز ہرگز محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کا پورا علم نہیں بلکہ حضور کے علم سے ایک چھوٹا سا حصہ ہے ہنوز احاطۂ علم محمدی میں وہ ہزار در ہزار بے حد و بے کنار سمندر لہرا رہے ہیں جن کی حقیقت وہ جانے یا ان کا عطا کرنیوالا ان کا مالک و مولیٰ جل وعلا ۔ (۱)

اس طرح بحث و مباحثے کئی علماء کے جمگھٹ کے ساتھ ساتھ ہزاروں سامعین کے مجمع میں ہوئے ۔ شیر بیشۂ سنت نے علم و فن کے جو جوہر دکھائے اس کی نظیر نہیں ملتی ڈیڑھ سو سوالات اب بھی ایسے باقی رہ گئے ہیں جو ان پر واجب الادا ہیں ۔

جیسی شکست منظور سنبھلی کو اس مناظرے میں ہوئی ویسی شاید ہی کسی مناظرے میں ہوئی ہو ۔ اس دن وہابیوں کے گھروں میں ماتم برپا تھا اہلسنت سے منہ چھپائے پھرتے تھے ۔ سب کی زبانوں پہ مہر سکوت لگی ہوئی تھی ۔ اپنی ذلت و رسوائی کا اچھی طرح انہیں احساس تھا ۔ مگر اہلسنت کو گالیوں سے یاد کرنے کے سوا اور کچھ بس نہ چلتا تھا ۔ نشست گاہیں سرد پڑ گئی تھیں ۔ بعضوں نے ہفتوں تک گوشہ نشینی اختیار کرلی ۔ کتنوں نے کچھ زمانہ تک بازار کی آمد و رفت بند کردی اور اکثر نے اپنے خیالات باطلہ سے توبہ کرلی ۔

اس مناظرے کی مکمل روداد حضرت مولانا محمد یونس قدس سرہٗ شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مراد آباد نے معرکہ حق و باطل کے نام سے ترتیب دی ہے ۔ جس کا تاریخی نام "تصفیہ مناظرہ سنبھل" (۱۹۲۸ء) ہے جبکہ اس کا لقبی نام "افتاد منظور زحد از ندی بر اکابر فرقہ دیوبندی" ہے اسکی اشاعت پہلی بار سنبھل سے ۱۳۴۷ھ میں ہوئی ۔ اب دوسری بار آستانہ حشمتیہ پیلی بھیت سے ۲۲×۱۸/۸ کے سائز پر ایک سو بارہ صفحات پر مشتمل عمدہ طباعت کے ساتھ ۱۴۰۵ھ میں جناب مولانا قاری عطاء الحشمت کی کوششوں اور مولانا محمد ادریس رضا خاں کے زیر اہتمام شائع ہوچکی ہے ۔ حق و باطل میں خط امتیاز کھینچنے کے لئے اس مناظرے کی روداد کا تفصیلی مطالعہ از حد ضروری ہے ۔

(۱) معرکۂ حق و باطل ص ۱۰

مناظرۂ پنجاب

یہ مناظرہ ۲۹ / جون ۱۹۲۴ء کو فیروزپور پنجاب میں علمائے اہل سنت و جماعت اور غیر مقلدین و آریہ سماج کے علماء کے درمیان ہوا ۔ اس مناظرے میں اہل سنت و جماعت کے جلیل القدر علماء کی موجودگی میں مناظرے کے فرائض حضور شیر بیشۂ سنت نے انجام دیئے ۔ اس مناظرے کے اسباب و وقوع سے متعلق بحث کرتے ہوئے مناظرۂ پنجاب کے مرتب لکھتے ہیں ۔

"فیروزپور پنجاب میں آریوں نے رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ سے بہت فتنہ انگیزی برپا کر رکھی تھی اور پنڈت دھرم بھکشو اور ان کے امثال بہت زائد دریدہ دہنی و بد زبانی سے اسلام و مسلمین کی سخت سخت توہینیں کرکے مسلمانوں کا دل دکھا رہے تھے" ۔ (۱)

جب مسلمانوں سے ان کی یہ شر انگیزی برداشت نہ ہوئی تو انہوں نے پہلے تو ایک مدرسہ "انجمن حنفیہ" کے نام سے حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ اور حضرت صوفی شاہ پیر جماعت علی علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں قائم کیا ۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا احمد مختار میرٹھی علیہم الرحمۃ والرضوان نے کافی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بلکہ اس انجمن کا قیام آپ ہی کی جد و جہد کا نتیجہ ہے ۔ اس انجمن حنفیہ کے زیر اہتمام مناظرہ ہونا طے پایا گیا ۔ اس سلسلے میں مولانا احمد مختار اغیار کی فتنہ انگیزی کا جواب دینے کے لئے مراد آباد سے استاذ العلماء حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی اور مولانا محمد عمر نعیمی اور بریلی دار الافتاء سے حضرت مولانا حشمت علیخاں علیہم الرحمۃ والرضوان کو ساتھ لے گئے آپ حضرات کی آمد پہ فیروزپور کے سنی عوام نے گرمجوشی سے خیر مقدم کیا ۔ جمعہ کا دن تھا نمازیوں سے مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اور بعد نماز جمعہ جلسہ تھا ۔ صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور بعد نماز جمعہ نعرۂ تکبیر و رسالت

(۱) مناظرۂ پنجاب : مرتبہ مولوی فرزند علی ص ۲۶ مطبوعہ ۱۴۰۶ھ

اور درود شریف کی صداؤں کی گونج میں علمائے کرام جلسہ گاہ تشریف لائے اور پھر روایتی شان وشوکت کے ساتھ جلسہ کا آغاز ہوا۔ حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے پہلی تقریر فرمائی اور موضوع تقریر "ویدک دھرم" مقرر کیا۔ اس موضوع پر آپنے جو عالمانہ بصیرت افروز تقریر فرمائی اس سے آریہ سماج کے لوگ مبہوت ہوگئے اور مناظرے سے پہلو تہی کرنے لگے اور اس سلسلہ میں نہ جانے کتنی افواہیں پھیلائیں۔ نتیجہ یہی ہوا کہ علمائے حق کے بالمقابل اُن کے قدم اکھڑ گئے اور کسی قیمت پر مناظرے کیلئے نہیں تیار ہو سکے اسی دن ۶ بجے شام کو حضور شیر بیشۂ سنّت کی تقریر ہوئی۔ مذاہب باطلہ کی تردید عنوانِ سخن قرار پایا۔ اس موضوع پر آپنے جو ایمان افروز تقریر فرمائی اس کی حلاوت کی لذت سُننے والے کان اب بھی محسوس کر رہے ہوں گے۔ اس تقریر میں مذہب اہلسنّت کی حقانیت پر آپنے ایسے زبردست دلائل دیئے کہ مجمع بے اختیار پکار اٹھا کہ اہلسنت کے سوا جتنے فرقے ہیں سب دجّالین گمراہ اور بد دین ہیں۔

دوسرے دن صبح محمد اسمٰعیل سکریٹری انجمن اہلحدیث فیروزپور کیطرف سے ایک تحریر آئی جس میں درج تھا۔

"مولوی حشمت علیخاں نے ہم کو دجّالی کہا ہے لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ انفرادی طور پر اُن سے باقائدہ (باقاعدہ) مناظرہ ہو جائے" (۱)

سکریٹری صاحب کے مبلغ علم کا عالم یہ تھا کہ اس تحریر میں دو جگہ "باقائدہ" لکھا ہوا تھا۔ جب اسکی اطلاع حضور شیر بیشۂ سنّت کو ہوئی تو آپنے فرمایا میں نے کب دجالی کہا ہے میں نے ان کے خیالات بیان کر کے مجمع سے پوچھا تھا مجمع نے انھیں دجّال، کذّاب گمراہ و بد دین کہا ہے لہٰذا انھیں مجمع سے چیلنج مناظرہ کرنا چاہیئے۔ اور جہاں تک رہا مجھ سے مناظرہ کرنے کا معاملہ تو میں بلا شرط جہاں چاہیں جب چاہیں جس شخص سے چاہیں جس مسئلہ پر چاہیں میں ہر وقت مناظرہ کرنے کیلئے تیار ہوں۔ بہر حال مناظرہ کی تاریخ مقرر

(۱) مناظرہ پنجاب ص ۲۵

ہوگئی اور روز یکشنبہ ۲۵ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۴۲ھ مطابق ۲۹ جون ۱۹۲۴ء ۵ بجے سہ پہر سے ساڑھے سات بجے شام تک مراد علی صاحب غیر مقلد رئیس فیروزپور کے مکان پر مناظرہ رکھا گیا۔

حضور شیر بیشۂ سنت وقت مقررہ پر اکیلے مقام مناظرہ پر پہنچ گئے غیر مقلدین کیطرف سے مناظر مولوی عبدالرحیم شاہ مکھوی تھے اور دوسرے اعوان ان کی پشت پناہی میں تھے۔ مناظرہ کا آغاز ہوتے ہی حضور شیر بیشۂ سنّت نے مولوی عبدالرحیم شاہ مکھوی سے ایک تحریر لی جسمیں درج تھا "میں عالم ہوں اور قرآن کی کسی آیت کا منکر کافر ہے" آغاز مناظرہ میں مکھوی شاہ نے تہتر فرقوں والی حدیث پڑھکر کہا "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نجات پانے والا فرقہ صرف ایک سنت والجماعت ہے اور صرف ہم اہلحدیث ہی سنت والجماعت ہیں کہ صرف حدیث کو مانتے اور تمام جماعت صحابہ کا اتباع کرتے ہیں آپ لوگ حدیث کو نہیں مانتے بلکہ اپنے اماموں کے اقوال کو مانتے اور شخص معیّن کی تقلید کرتے ہیں، تو جماعت کا اتباع بھی آپ لوگ نہیں کرتے تو آپ سنت والجماعت نہ ہوئے تو ضرور آپ جہنمی ثابت ہوئے اور نجات پانے والا فرقہ صرف اہلحدیث ہے اور وہی سنت والجماعت ہے" (۱)

شاہ مکھوی کی اس تقریر کے جواب میں شیر بیشۂ سنّت نے فرمایا۔

"پہلے یہی بتادیجئے کہ "سنت والجماعت" کون سا لفظ ہے یہ کیسی ترکیب ہے اس پر الف لام کیسا ہے یہ لفظ اس ترکیب کے ساتھ عربی ہے یا فارسی یا کیا اور اسکو جو آپ نے اپنے اوپر حمل کیا تو یہ کونسی قسم کا حمل ہے اور آپ پر یہ حمل جائز ہے یا ناجائز' افسوس جس شخص کو بولنے تک کی تمیز نہیں وہ یوں دعوی کرے کہ "میں عالم ہوں"........ دوسرے آپ حدیث کے سوا کچھ نہیں مانتے یہ جو آپنے فرمایا کہ میرے ہی فرقہ کا نام سنت والجماعت ہے تو اس کے ثبوت میں لائیے کوئی حدیث صحیح جس میں آپ کے فرقہ کا نام سنت والجماعت رکھا گیا ہو پیش کیجئے"۔ (۲)

(۱) مناظرہ پنجاب ص ۲۶ (۲) مناظرہ پنجاب ص ۲۶

حضور شیر بیشۂ سنت نے اسطرح سوالات کی بوچھار کردی کہ وہ دم بخود ہو کر کھڑے ہو گئے اور ان سوالوں کا جواب دینے کے بجائے فرمایا۔

" رسول اللہ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ میری صراط مستقیم ہے اور دو خط داہنی طرف اور دو بائیں طرف کھینچے اور فرمایا یہ گمراہی کے راستے ہیں "۔ (۱)

یہ دیکھیئے آپ کے چار و مذہبوں کو رسول مقبول نے طرق ضلال فرمایا۔ اس پر مولوی محمد شیر خاں جو سنیوں کی طرف سے صدر مناظرہ تھے باآواز بلند فرمایا۔

" اگر تم حدیث سے ثابت کردو کہ ان چار خطوط سے مراد مذاہب اربعہ حنفی شافعی، مالکی اور حنبلی ہیں تو ابھی دو سو روپے کے انعام دیتا ہوں اور اگر نہ ثابت کرسکو تو خبردار اب اس حدیث کا یہ مطلب نہ گڑھو"

اس پر شاہ لکھوی خاموش ہو گئے۔ (۲)

مناظرہ اسی طرح جاری رہا۔ حضور شیر بیشہ سنت کے سوالاتِ قاہرہ کی تاب بھلا جب ان کے اساتذہ نہ لاسکے تو وہ کیونکر لاسکتے تھے۔ جلد ہی سپر ڈالدیئے۔ شیر بیشہ سنت کو اعلی کامیابی ملی۔ اور سارے شہر فیروزپور میں ظفر و فیروزمندی کا جلوس نکالا گیا شہر کے سُنی عوام مارے خوشیوں کے پھولے نہ سماتے تھے جبکہ غیر مقلدین کے چہروں پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

اس مناظرے کی تفصیل مناظرہ پنجاب اور بنام تاریخی "ہیبت قہاریہ بناریہ سماجی آریہ" (۱۳۴۲ھ) شائع ہو چکی ہے۔ اس کے مرتب مولانا مولوی سید فرزند علی ہیں جو ایک عرصہ مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف کے نگراں رہ چکے ہیں۔ کتاب حشمت نگر پیلی بھیت سے قاری عطاء الحشمت کے زیر اہتمام ۱۴۰۶ھ میں دوسری بار چھپی ہے۔

---

(۱) مناظرہ پنجاب ص ۲۸

(۲) مناظرہ پنجاب ص ۲۸

مناظرہ ملتان

ملتان (پاکستان) کا مناظرہ بھی اپنی نوعیت کا واحد مناظرہ ہے جسمیں دیوبندی مناظر کو شرمناک شکست ہوئی ہے۔ یہ مناظرہ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ مطابق جون ۱۹۳۷ء میں بمقام باغ لانگے خاں ہوا۔ اس مناظرے کا موضوع "وہابیہ دیوبندیہ کے اقوال کفریہ" تھا وہابیوں کیطرف سے صدر مولوی عطاء اللہ بخاری کانگریسی کو نامزد کیا گیا۔ جب کہ اہلسنت و جماعت کے صدر جناب قاضی فیض رسول اویسی خطیب جامع مسجد منتخب ہوئے۔

اس مناظرے کے انعقاد سے پہلے انجمن حزب الاحناف ملتان کیطرف سے ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا۔ جو دراصل اس عظیم الشان معرکہ حق و باطل کا پیش خیمہ تھا۔ اس اجلاس میں ملک کے نامور علماء نے شرکت کی جسمیں درج ذیل حضرات انتہائی اہم تھے

(۱) حضرت ابوالمحامد سید محمد شاہ صاحب محدث اعظم کچھوچھہ شریف

(۲) استاذ العلماء حضرت مولانا نعیم الدین صاحب۔ صدر آل انڈیا سنی کانفرنس مرادآباد

(۳) صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی صاحب صدر المدرسین بریلی شریف

(۴) حضرت شیر بیشۂ سنت مولانا ابوالفتح محمد حشمت علی خاں صاحب رضوی لکھنوی

(۵) حضرت مولانا سردار احمد صاحب محدث اعظم پاکستان بریلی شریف

لیکن جن لوگوں کی انتھک کوششوں سے یہ عظیم الشان اجلاس وجود میں آیا تھا ان کے اسمار گرامی اسطرح ہیں۔

(۱) مولوی قاضی فیض رسول صاحب نائب صدر انجمن حزب الاحناف (ملتان)

(۲) مولوی غلام جہانیاں صاحب معینی قریشی جنرل سکریٹری

(۳) مولوی محمد امین صاحب جرنلسٹ فینانس سکریٹری

(۴) مولوی مطیع اللہ صاحب محاسب

(۵) مولوی محبوب احمد پروپیگنڈہ سکریٹری

اس کے علاوہ بہت سارے حضرات تھے جنہوں نے اجلاس اور مناظرہ دونوں کو فتح

دکامرانی کا جامہ پہنانے کیلئے بھرپور کوششیں کیں۔

،ر ربیع الاول کو مناظرہ شروع ہوا۔ صدر اہلسنت نے کہا کہ وہابیوں نے اس علاقے میں بارگاہ رسالت میں گستاخیاں کر کے غربائے اہلسنت کو دامن فریب میں لانے کی کوشش کی ہیں۔ لہٰذا یہ خود سامنے آئیں اور مناظرہ کریں۔ اس سلسلے میں بات بہت آگے بڑھ گئی مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے سارا مجمع مطالبہ کر رہا تھا کہ مولوی عطاء اللہ تم خود مناظرہ کرو۔ ہم کسی دوسرے کو نہیں جانتے تم نے ہمارا ایمان بگاڑنے کی کوشش کی ہے اور علمائے اہلسنت کو چیلنج دیئے ہیں۔ اس وقت مناظرے سے گریز کیوں ہے۔ مولوی عطاء اللہ ایک بے جان مجسمہ کیطرح کھڑے تھے اور کس مپرسی کے عالم میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر لوگوں کیطرف دیکھ رہے تھے۔ کئی گھنٹے برابر مطالبہ جاری رہا مگر انھوں نے ہرگز تسلیم نہیں کیا پھر انکی طرف سے مولانا ابو الوفا شاہجہاں پوری مناظر مقرر ہوئے جبکہ سنیوں کیطرف سے شیر بیشہ سنت مولانا حشمت علی خاں کا نام نامی اسم گرامی منتخب کیا گیا۔

ابو الوفا کی کوشش یہ تھی کہ فضولیات پر بحث ومباحثہ کا وقت ختم ہو جائے۔ اور اصل موضوع پر بات شروع ہی نہ ہو۔ ان کی یہ کوشش رائیگاں گئی اسلئے کہ شیر بیشہ سنت کے چنگل سے بچ کر نکل جانا آسان کام نہیں۔ بہر حال گفتگو یہاں سے شروع ہوئی۔

دیوبندی مناظر نے کہا: ہم مدعی ہوں گے ہماری پہلی تقریر ہوگی۔

شیر بیشہ سنت: مناظرہ رشیدیہ کے ص ۱۴ پر لکھا ہے کہ المدعی من نصب نفسہ لاثبات الحکم بالدلیل او التنبیہ مدعی وہ ہے جو اپنے نفس کو حکم کے ثابت کرنے کیلئے قائم کرے دلیل سے یا تنبیہ سے۔ تو ہمارا دعوی ہے کہ رشید احمد گنگوہی نے اللہ جل شانہ، کو جھوٹا کہا ہے قاسم نانوتوی نے ختم نبوت کا انکار کیا اور خلیل احمد انبیٹھوی نے شیطان کے علم کو حضرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے زائد بتایا۔ اشرف علی تھانوی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کو بچوں، پاگلوں، جانوروں، چارپایوں کے مثل بتایا۔ لہٰذا یہ چاروں پیشوایانِ دیوبند کافر، مرتد، بے ایمان ہیں۔ آج ہم اس دعوی کے دلائل قاطعہ پیش کریں گے اور آفتاب سے

زیادہ روشن براہین قاطعہ کے انبار لگا دیں گے۔ آپ کو ہمارے اس دعوی پر کوئی اعتراض ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو لکھ کر دیجئے ہمارا آپ کا اتفاق ہو گیا اور اگر اعتراض ہے تو آپ سائل ہوتے تو مدعی کیونکر بنتے ہیں۔

دیوبندی مناظر: (اس تقریر سے لاجواب ہو کر) اچھا آپ ہی مدعی ہیں اور پہلی تقریر آپ ہی کا حق ہے آپ ہی پہلی تقریر کیجئے۔ دیوبندی مناظر راضی تو ہو گیا کہ پہلی تقریر آپ کی ہوگی مگر اس بات پر بھی اڑا رہا کہ سائل کی آخری تقریر ہوگی۔ لیکن شیر بیشہ سنت نے مناظرہ رشیدیہ کے ص ۳۶ کی ایک عبارت سے واضح کیا کہ مدعی کی آخری تقریر بھی ہوگی۔ دیوبندی مناظر نہ مانا اور اسی پر اڑا رہا اس عبارت کا غلط ترجمہ کرنے لگا۔ بہر حال بالآخر اسے تسلیم کرنا پڑا کہ مناظرہ رشیدیہ میں کہیں نہیں لکھا ہے کہ سائل کی آخری تقریر ہوگی۔ اس اقرار کے بعد باضابطہ گفتگو شروع ہوئی۔

پہلے تو "حفظ الایمان" "براہین قاطعہ" اور "تحذیر الناس کی کفری عبارتوں پر مناظرہ ہوا۔ جب اس کا جواب دیوبندی مناظر سے نہ بن سکا تو لایعنی باتوں میں وقت گذارنا چاہا مگر شامت کا مارا کسی طرح وہ جان بر نہ ہو سکا۔ کسی طرح بات رشید احمد گنگوہی کے مرثیہ کے اس شعر پر جا پہنچی۔

زباں پر اہل اہوا کے ہے اُعلُ ہُبَلُ شاید ؎ اٹھا عالم سے کوئی بانیٔ اسلام کا ثانی (۱)

اس شعر پر شیر بیشہ سنت نے فرمایا لہ اس تحریر میں محمود الحسن دیوبندی نے گنگوہی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی بنا دیا کیا یہ کفر نہیں؟ مگر دیوبندی مناظر یہ کہکر بات آئی گئی کر دیتے ہیں کہ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اول درجہ میں ہیں اور مولانا گنگوہی صاحب دوسرے درجہ میں ہیں۔ ثانی کا معنی دوسرا ہے قرآن شریف میں حضرت ابو بکر صدیق سے متعلق "ثانی اثنین اذ ھما فی الغار" آیا ہے۔

شیر بیشہ سنت نے فرمایا ثانی کے معنی اردو محاورہ میں مقام تعریف میں مثل اور مانند کے ہوتے

(۱) مولوی محمود حسن: مرثیہ گنگوہی ص ۴ مطبوعہ دہلی

ہیں۔ مگر آپ نے اسکو عربی محاورے پر قیاس کیا ہے۔ جبکہ شعر اردو زبان میں ہے۔ اگر ہم آپ کے بقول تسلیم بھی کر لیتے ہیں تو مرثیہ کے اس شعر کا مفہوم پھر کیا ہو گا

جہاں تھا آپ کا ثانی وہیں جا پہنچے خود حضرت
کہیں کیونکر بھلا کس منھ سے مولانا تھے لاثانی (۱)

یعنی جہاں گنگوہی کا ثانی نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے وہیں گنگوہی پہنچ گئے۔ اس شعر میں اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گنگوہی کا ثانی بتلا دیا ہے۔ یہ پہلے سے زیادہ ڈبل کفر ہو گا۔ کیا یہاں بھی ثانی کے معنی دوسرا ہیں۔ اور سُنئے مولانا محمود الحسن دیوبندی مرثیہ نگار لکھتے ہیں۔

قبولیت اسکو کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی (۲)

کہتا ہے کہ گنگوہی کے گورے گورے خوبصورت غلاموں کا تو پوچھنا ہی کیا۔ جو اس کے کالے کلوٹے بندے ہیں وہ حسن وجمال میں یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مثل ہیں۔ کہئے اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی بے ادبی ہوئی یا نہیں؟

اس تقریر پر دیوبندیوں کے حواس باختہ ہو گئے۔ سارے مجمع نے مولوی ابو الوفا کی بے بسی، عاجزی، خاموشی اپنی آنکھوں سے دیکھی اور اہلسنت کی فتح مبین اور وہابیت دیوبندیت کی شکست کا بآواز بلند اعلان بھی کر دیا۔ صدر اہلسنت نے اعلان فرمایا کہ تین بج چکے ہیں نماز ظہر اور کھانا کھانے کیلئے مناظرہ ملتوی کیا جاتا ہے۔ کل صبح آٹھ بجے اس مقام پر پھر مناظرہ ہو گا۔ لیکن مولوی عطاء اللہ جو دیوبندی اسٹیج کے صدر تھے انھوں نے دو تار پیش کئے کہ میری بیوی بیمار ہے مجھے جانا ضروری ہے میں آج رات کو چلا جاؤں گا۔ انہیں ہزار روکنے کی کوشش کی گئی مگر وہ نہ مانے اور رات میں نکل ہی گئے۔

اس مناظرے کی مکمل روداد مناظرہ ملتان کے نام سے ۳۲ صفحات میں جناب

(۱) محمود حسن: مرثیہ گنگوہی ص ۱۰ (۲) محمود حسن: مرثیہ گنگوہی ص ۸

قاضی علی محمد صاحب تبلیغی ناظم انجمن حزب الاحناف ملتان نے ترتیب دی ہے جو مولانا صوفی احمد مشہود رضا خانصاحب کے زیر اہتمام آستانہ عالیہ حشمت نگر سے ۱۴۰۵ھ میں دوسری بار شائع ہوئی ہے۔ ناشر قاری عطاء الحشمت حشمتی ہیں۔ جب کہ اس روداد کی پہلی اشاعت ملتان سے ۱۳۵۳ھ میں ہوئی تھی۔

مناظرہ رنگون

رنگون میں جب وہابیوں کیطرف سے پھیلائے ہوئے فتنے نے اپنی جڑیں کافی مضبوط کر لیں اور سیدھے غریب مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے میں کامیاب دکھائی دیئے تو وہاں کے خوش عقیدہ سُنی مسلمانوں نے شیر بیشہ سنت مولانا حشمت علی خاں کو خط لکھا جسمیں وہاں کی مذہبی صورت حال کی مکمل داستان تھی مذہب حق کی اشاعت حضرت ممدوح کی زندگی کا مقصد تھا ہی۔ دین حق کی اشاعت کے لئے رنگون پہنچ گئے۔ جب دیوبندیوں کو حضرت ممدوح کی آمد کی اطلاع ہوئی تو پوری دیوبندی فضا پر سراسیمگی کی لہر دوڑ گئی۔ بیک زبان ہو کر لوگوں نے کہا یہ عام مولویوں کیطرح نہیں ان سے مقابلہ اور کسی معاملے میں بحث ومباحثہ کرنا ناکوں چنے چبانا ہے۔ شیر بیشہ سنت کی ولولہ انگیز تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان کی تقریر رکوانے کے سلسلے میں دیوبندیوں نے ہزار جتن کئے مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جب مسلسل کئی روز ایمان افروز بیانات ہوئے تو لوگ وہابیت سے تائب ہو کر جوق در جوق مسلک اہل سنت پر گامزن ہونے لگے۔ کٹر قسم کے وہابی یہ منظر دیکھکر بوکھلا گئے۔ فوراً اس کے روک تھام کی تدبیریں کرنے لگے۔ انہوں نے مولانا محمد منظور سنبھلی کو ایک خط لکھا۔ جس میں اس وقت کے حالات کی تفصیلی رپورٹ درج کر دی اور پھر لکھا کہ جتنی جلد ممکن ہو تشریف لے آئیں ہم لوگ آپ کے شدت سے منتظر ہیں۔ شیر بیشہ سنت کے بالمقابل آنے سے انھوں نے صاف انکار کر دیا اور لکھدیا کہ مجھے فرصت نہیں۔ ان کا پہلا نشانہ خطا کر دیا بہت گھبرائے کہ اب کیا ہو گا۔ انھوں نے بیک وقت اور دوسرے کئی مولویوں کے پاس خطوط بھیجے مگر

کہیں سے انھیں کوئی جواب نہ ملا۔ بالآخر ان لوگوں نے مولوی عبدالشکور کاکوردی کو خط لکھا جس میں رنگون میں شیر بیشہ سنت کے قیام کو چھپاتے ہوئے یہ تحریر کیا وہ جا چکے ہیں۔ انھوں نے اپنی تقریر میں ہم لوگوں کو کیا کچھ نہیں کہہ ڈالا ہے۔ لہٰذا موقع اچھا ہے جلد تشریف لے آئیں اگر آپ نہ آئیں گے تو مذہب کا بڑا نقصان ہوگا۔

مولوی عبدالشکور کاکوروی نذرانے کی لالچ میں انجام کی پروا کئے بغیر خط کی عبارت کی روشنی میں چل پڑے۔ جیسے ہی رنگون کی گودی میں جہاز سے اترے فوراً سنّیوں نے آگے بڑھ کر حضرت شیر بیشہ سنت کا چھپا ہوا مہری دستخطی چیلنج مناظرہ ہاتھ میں تھما دیا۔ پڑھنے کے بعد کاکوروی جی نے پوچھا کیا مولانا حشمت علی ابھی رنگون میں ہیں۔ سنیوں نے کہا جی ہاں موجود ہیں اور کفریات دیوبند پر آپ سے مناظرہ کرنے کیلئے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اتنا سنتے ہی مولوی عبدالشکور کاکوروی جی کے چہرے پر مردنی چھاگئی۔ دل کی آرزوئیں خاک میں مل گئیں اور جوش ومسرت کا امنڈتا ہوا سیلاب سرد پڑ گیا۔ کہنے لگے مجھے دھوکا دیا گیا میں مناظرہ کرنے نہیں آیا ہوں میں واپس جا رہا ہوں۔ اتنا کہا اور واپس چلے گئے۔

جب مولوی عبدالشکور کاکوروی مقابلہ کرنے سے جی چرا کر واپس چلے گئے تو وہابیوں کو نئی چال سوجھی اور وہ یہ کہ دو آدمی حضرت شیر بیشہ سنت کی قیام گاہ پر گئے۔ شیر بیشہ سنّت نے آنے کا سبب دریافت کیا۔ تو کہنے لگے آپ کے بچے ہندوستان میں ہیں اور آپ یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ ہم کو حاجی سیٹھ ہاشم بھڑوچ نے بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ مولانا سے کہدو کہ وہ اپنے وطن واپس چلے جائیں میں ان کو یہاں سے دو سو روپیہ ماہانہ تا زندگی ارسال کرتا رہوں گا اور اس کے علاوہ آپ کے پیر ومرشد کے دونوں شاہزادوں کی خدمت میں بھی سو سو روپیہ ماہ بماہ تا زیست ارسال کروں گا۔ شیر بیشہ سنت نے فرمایا کہ آخر آپ لوگوں کو اور ہاشم بھڑچ کو میری اور میرے بچوں کی کیوں فکر دامنگیر ہے۔ میرے اور میرے بچوں کا رازق تو وہ معبود حقیقی ہے جس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی اشاعت کیلئے گھر بار چھوڑ کر میں یہاں آیا ہوں۔ اشاعت دین حق ہی میری

زندگی کا لائحۂ عمل ہے۔ اب بتاؤ کہ آخر آپ لوگوں کا مقصد کیا ہے؟ چنانچہ انھوں نے وہی کہا جو ان کے دل میں تھا، بلّی تھیلے سے باہر آہی گئی۔ کہا کہ مولانا صاحب! یہاں بڑے بڑے عالم آئے ہم نے ان کو راستہ بتا دیا مگر آپ کے مقابلے کی ہم میں تاب نہیں آپ تقریر کریں ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ مگر آپ ہماری کتابیں ثبوت میں نہ پیش کریں۔ اس صورت میں ہم مذکورہ بالا شرائط کے پابند رہیں گے۔ اتنا سننا تھا کہ شیر بیشۂ سنّت کو جلال آگیا اور گرجتی ہوئی آواز میں فرمایا۔ خبیثو! نکل جاؤ یہاں سے تم لوگ میرے ایمان کا سودا کرنے آئے ہو۔

سن لو! دو سو کی کیا حقیقت اگر ساری دنیا کی دولت لیکر آؤ جب بھی حشمت علی اظہارِ حق سے باز نہیں رہ سکتا۔

جب سیٹھ ہاشم کی پیش کش کو مسترد کرکے ان کے قاصدین کو ذلت ورسوائی کے ساتھ اپنی قیامگاہ سے نکال دیا تو مخالفین اسمبلی ہاؤس کے ایک ممبر جناب ملا محمد خاں مسیدی کے پاس پہنچے اور انھیں ہر طرح سمجھا بجھا کر شیر بیشہ سنت کے پاس بھیجا۔ وہ گئے اور کہنے لگے۔

"مولانا آپ کیوں خواہ مخواہ اپنی جان اذیت میں ڈالتے ہیں۔ آپ اپنے ملک چلے جائیے ورنہ فساد ہو جائیگا۔ خون کی ندیاں بہہ جائیں گی اور اس قتل وغارت گری کی تمام ذمہ داری آپ کے سر عائد ہوگی۔"

شیر بیشہ سنت جب ممبر اسمبلی کی بات سن چکے تو چراغ پا ہوکر فرمایا او خان! تو خان کا بچہ ہوکر ایسی بزدلی کی باتیں کرتا ہے افسوس ہے تیری عقل وذہانت پر! ارے تم حشمت علی کو ڈراتے ہو۔ یاد رکھو میں ڈرنے والا نہیں۔ اگر مجھے پیارے آقا ومولےٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی عزت وناموس کی حفاظت میں جیل کی کوٹھری میں مقید ہونا پڑے تو میں اپنی آزادی پر اس قید کو ترجیح دیتا ہوں۔ بلکہ اگر جان کی بازی لگا دینی پڑے تو میرے لئے یہ سب سے بڑی نعمت ہوگی۔ ایسی موت کا درجہ میرے لئے

معراج زندگی سے کم نہ ہوگا۔

شیر بیشۂ سنت کی اس اولوالعزمی، ثبات قدمی، جرات مندی اور بہادری کو دیکھکر ملا محمد خاں مسیدی ممبر اسمبلی حیران و ششدر رہ گیا اور شرم و ندامت سے سر جھکا کر واپس چلا گیا۔

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

مناظرۂ حجاز

دوسری بار سفرِ حج کے دوران کا واقعہ ہے کہ جب شیر بیشۂ سنّت مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو حسب عادت تبلیغ دین حق فرمانے کا معمول آپ نے دوران سفرِ حج بھی جاری رکھا۔ ہندوستانی دیوبندی مولویوں سے یہ دیکھ کر رہا نہ گیا چنانچہ انھوں نے وہاں کی پولیس انتظامیہ سے انکی شکایت کردی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ پولیس نے انھیں حراست میں لیکر قاضی (جج) کے اجلاس میں پہنچا دیا اور مذہب اہلسنت کی اشاعت کا الزام لگا کر ان کے خلاف مقدمہ بھی دائر کردیا مگر آپ تھے کہ چہرے پر ذرہ برابر بھی سراسیگی کے آثار نمودار نہ ہوئے۔ عادت کے مطابق الغیاث یا رسول اللہ العون یا نبی اللہ فرماتے رہے اور اسی طرح کوتوالی میں پہنچے۔

ہزار بار نتائج سے ہو کے بے پرواہ
اسی کا نام لیا جس کا نام لینا تھا

جب آپ کچہری میں پہنچے تو ایک کرسی پر اطمینان سے بیٹھ گئے۔ اجلاس کا قاضی آیا تو سب لوگ جو بیٹھے تھے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر آپ اطمینان سے اپنی جگہ تشریف فرما رہے۔ جب آپ کا مقدمہ پیش ہوا تو اس نے دریافت کیا کہ آپ الغیاث یا رسول اللہ اور العون یا نبی اللہ یا اسی طرح اور دیگر جملے کیوں فرماتے ہیں ان کلمات سے تو شرک کی بو آتی ہے۔ مگر حضرت ٹھہرے واقعی شیر بیشۂ سنّت، بے باک نڈر ہو تو ایسا۔ انتہائی فصیح عربی میں اپنی بات کو قرآن و احادیث کے علاوہ علمائے دیابنہ کے پیشوا،

ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن عبدالوہاب نجدی کی کتب فتاوی سے مدلل کرکے جوابات دیئے۔ قاضی نے ندائے یا رسول اللہ، استغاثہ بغیر اللہ، توسل بالانبیاء والاولیاء اور مسئلہ شفاعت کی تردید میں کئی دلائل دیئے۔ مگر شیر بیشۂ سنّت نے سب کی کاٹ کردی اور اس کے جواز کے ثبوت میں انہیں کے پیشواؤں کی کتابوں سے دلائل کے انبار لگا دیئے۔ بحث مسلسل ساڑھے تین گھنٹہ چلتی رہی۔ جب کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو قاضی نے قاضی القضاۃ کو فون کیا کہ عدلیہ میں ایک ایسا ہندوستانی مولوی گرفتار کرکے لایا گیا ہے جو ندائے یا رسول اللہ، استغاثہ بغیر اللہ اور توسل بالانبیاء والاولیاء کو جائز سمجھتا ہے اور قرآن وحدیث کے علاوہ ہمارے علماء کی کتابوں سے اس کے جواز کے ثبوت دلائل پیش کرتا ہے۔ اب کیا کروں؟ قاضی القضاۃ کہتا ہے۔ ھذا ابلاء سلط اللہ علینا یہ ایک مصیبت ہے جو اللہ تعالےٰ کیطرف سے ہم پر نازل ہوگئی ہے۔ تم نے غلطی کی ہے ان سے معافی مانگ لو اور عزت سے رخصت کردو۔

نجدی جج نے رسیور رکھ دیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر حضور شیر بیشۂ سنّت کے پاس والی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ چائے کی پیشکش کی تو آپ نے فرمایا کہ میرے رفقائے سفر قیامگاہ پر بھوکے پیاسے ہوں گے میں چائے انہیں کے ساتھ پیوں گا۔ پھر نجدی جج نے کہا آپ کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا کہ مدینہ منورہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم میں حاضری! چنانچہ قاضی نے فورًا آپ کو مدینہ منورہ شریف پہنچانے کیلئے ایک اسپیشل سواری کا انتظام کرنے کا حکم صادر کیا۔ اور دروازے تک باعزت طریقے سے معافی مانگتا ہوا رخصت ہوا۔ آپ فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ قیام گاہ واپس ہوگئے۔ اور نعرۂ الغیاث یا رسول کے صلے میں جلد مدینے طیبہ بلالئے گئے۔

فریاد امتی جو کرے حالِ زار میں
ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو

رسولی (بارہ بنکی)

بارہ بنکی میں دیوبندی مناظر کئی بار دن وتاریخ مقرر کرکے روپوش ہوگئے۔ حضور شیر بیشہ سنت کے سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جب کئی بار ایسا کیا تو انجمن حنفیہ اہلسنت کے صدر ڈاکٹر محمد حسین انصاری نے دیوبندی مناظر کو ایک اشتہار دیا جس میں اسی کی تفصیلات تھیں۔ وہ اشتہار ہم یہاں بعینہٖ نقل کر رہے ہیں تاکہ آپ وہابیہ دیابنہ کے مکر وفریب اور علمائے اہلسنت کی استقامت علی الحق کا اندازہ لگا سکیں۔ یہ اشتہار سرفراز پریس لکھنؤ میں چھپا تھا اشتہار درج ذیل ہے۔

جناب مولوی عبدالغنی صاحب رسولوی　　　سلام علیکم کما علمنا القرآن الحکیم

(۱) جمادی الآخر ۱۳۷۸ھ سہ شنبہ و سمبر ۱۹۵۸ء کو مسلمانانِ اہلسنت پر خلوص باصرار بسیار دعوت پر حضرت شیر بیشہ سنت دام ظلہم الاقدس اپنے فرزند ارجمند فاضل نوجوان شاہزادہ عالیشان مولانا محمد مشاہد رضا خاں نصرہما الرحمٰن دائما علی جمیع اعداء الایمان کو ہمراہ لئے ہوئے رامپور کٹرہ ضلع بارہ بنکی تشریف فرما ہوئے۔ دو عظیم الشان جلسوں میں سنیت کا احقاق اور دیوبندیت کا ازہاق بفضل الخلاق بطریق احسن وبروجہ اتم ہوا۔ آپکے اشتعال دلانے پر وہاں کے ملایانِ دیوبند نے عظمت علی بہرام گھاٹی کو بلایا اور مناظرے مناظرے کا بہت شور وغل مچایا اور جب حضرت شیر بیشہ سنت نے عظمت علی کے نام مفاوضہ عالیہ امضا فرمایا کہ کفریات تھانوی و انبیٹھی وگنگوہی ونانوتوی ودیوبندی وکاکوروی مندرجہ حفظ الایمان صـ۸ و براہین قاطعہ صـ۱۵ و فوٹوے فتوائے گنگوہیہ وتحذیر الناس ص ۱۳-۱۴-۲۸ و جہد المقل ص ۷۷ و مختصر سیرت نبویہ ص ۲۲ پر میں آپ لوگوں سے اسطرح مناظرے کیلئے تیار ہوں کہ ہر مناظر جو کچھ کہنا چاہے گا لکھکر اس پر دستخط کرکے اپنے مقابل کو دے کر اسی کا متنی مجمع مناظرہ میں کھڑا ہو کر سنایا کرے گا مگر آپ کے اذناب نے مناظرے سے بلکہ خط لینے ہی سے انکار کر دیا۔ سنی مسلمانوں کو فتح واضح اور دیوبندی مرتدوں کو شکست فاضح حاصل ہوگئی

(۲) پھر دوشنبہ مبارکہ ۱۵ ر جمادی الاخری ۱۳۷۸ھ کو حضرت شیر بیشہ سنت دام ظلہم المبارک شہاب پور ضلع بارہ بنکی میں وہاں کے سُنی مسلمان بھائیوں کی دعوت پر تشریف فرما ہوئے۔ شب کو جلسے میں آپ کی تحریر پہنچی حضرت شیر بیشہ سنت نے پھر آپ کی دعوت قبول فرما کر اسی مضمون کا والا نامہ فوراً آپ کو بھیج دیا کہ میں آپ سے مجمع عام میں کفریات دیوبندیہ پر دوبدو اسطرح مناظرے کیلئے تیار ہوں کہ ہر مناظر جو کچھ بھی لکھنا چاہے لکھ کر دستخط کرکے اپنے مقابل کو دے کر اسی کا متنی کھڑا ہو کر سنادیا کرے آپنے انکار کر دیا اور اپنے اذناب واتراب کو لئے ہوئے شب کو ایک بجے پانی برستے میں شہاب پور سے "رسولی" کو چلدیئے اور پھر سنی مسلمانوں کو فتح مبین اور دیوبندی ملحدوں کو شکست مہین حاصل ہوگئی۔ دو ختم شد

(۳) پھر آپنے واقعہ شہاب پور کے متعلق افتراآت وکذبات پر مشتمل ایک تحریر شائع کی جس کے آخر میں آپنے لکھا تھا کہ ضلع میں کسی مقام پر جلد دن تاریخ مقرر کرکے مجمع میں گفتگو کرنے کے لئے تیار ہو کر ہمیں اطلاع دیں۔ فوراً اشتہارات شائع کرکے آپ کو رجسٹری بھیج دیا کہ ضلع بارہ بنکی کے مقام گردھنڈہ میں ۲۶-۲۷- رجب المرجب ۱۳۷۸ھ جمعرات جمعہ مبارکہ ۵ر۶ر فروری ۱۹۵۹ء کو صبح ۹ ر بجے سے دو بجے وقت ظہر تک عام مجمع میں دو کفریات دیوبندیہ پر اسی طرح گفتگو کے لئے آجائیں کہ ہر مناظر اپنی ساری تقریر قلمبند کرکے دستخط کرکے اپنے مقابل کو سپرد کرکے اسی کا متنی سنادیا کرے۔ آپکی دستخطی رسید آگئی۔ حضرت شیر بیشۂ سنت وقت پر ساڑھے پانچ سو میل سے پہنچ گئے۔ عیدگاہ میں مناظرے کا مجمع ہوا آپ کیلئے بھی سامنے اسٹیج سجایا گیا لیکن آپ نہیں آسکے اور پھر مسلمانانِ اہلسنت کو فتح منیر اور زنادقہ دیوبندیہ کو شکست مبیر حاصل ہوگئی۔ لیجئے یہ تیسرا بھی ختم شد۔

ان واقعات کی تفصیل رسالہ مبارکہ "قوارع الواحد القہار علی الاحزاب الدیوبندیۃ الکفار" میں چھاپ کر شائع کردی گئی۔ اور رسالہ مبارکہ آپ کو پہنچادیا گیا جواب تک

لاجواب ہے اور انشاء اللہ تعالٰے ثم شاہ حبیبہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم ہمیشہ لاجواب رہے گا۔ مگر پھر ایک تحریر آپ کی پچھلی ایک صاحب کے ذریعے سے ملی جسمیں آپ نے حضرت شیر بیشہ سنت کے متعلق لکھا ہے کہ رسولی یا صفدر گنج یا شہر بارہ بنکی میں اگر مجمع عام کے اندر دو بدو گفتگو کے لئے تیار ہو کر دن تاریخ مقرر کریں تو حفظ امن کی ذمہ داری ہم پر ہوگی۔ لہٰذا آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ۵ رذی القعدۃ الحرام ۱۳۷۸ھ پنجشنبہ ۱۴ رمئی ۱۹۵۹ء کو صبح ۹ ربجے حضرت شیر بیشہ سنت دامت برکاتہم القدسیہ بعونہ تعالٰے وبعون حبیبہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وعلٰی آلہ وسلم رسولی میں مجمع عام میں دو بدو کفریات دیوبندیہ پر اسی طرح گفتگو کرنے کے لئے تشریف فرما ہوں گے کہ ہر مناظر جو کچھ کہنا چاہے لکھکر دستخط کر کے اپنے مقابل کو دے کہ اسی کا متنی کھڑے ہو کر سنا دیا کرے تاکہ ہر مناظر کا ایک ایک لفظ اس کے مقابل پاس محفوظ رہے اور کسی مناظر کو اپنی کہی ہوئی کسی بات سے بھی انکار کرنے، مکرنے، بدلنے، مچلنے، لچکنے کا موقع نہ ملے اور بعد اختتام مناظرہ بھی کسی فریق کو جھوٹی روداد چھاپنے، جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے کی مجال نہ ہو۔ اور زبانی گفتگو میں عاجز مغلوب مناظر کو بدزبانی، اشتعال انگیزی کر کے مناظرے کو درہم برہم کرنے اور اسطرح مناظرے سے اپنی جان بچانے کا جو موقع مل جایا کرتا ہے اس کا موقع بھی کوئی مناظر نہ پا سکے اور فریقین کی تمام تحریرات مناظرہ بعینہا بلا کم وکاست بغیر کسی تغیر وتبدل کے جب شائع ہوں تو ہر انصاف پسند دیکھنے والا ان کو جب کبھی دیکھے صدق وکذب، حق و باطل، فتح و شکست کا فیصلہ کر لیا کرے۔ مناظرہ گاہ کسی وسیع سایہ دار مقام کو مقرر کر لیجئے۔ اپنی تحریر کے مطابق حفظ امن کا پورا انتظام رکھئے۔ مناظرہ صبح ۹ ربجے سے دو بجے وقت ظہر تک ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ حق کا مالک جل جلالہٗ بار ہا نہیں بلکہ ہمیشہ کے حق واضح کو پھر واضح تر فرما دے (آمین)

تنبیہ:۔ خوب یاد رکھئے کہ یہ آپ کی آخری بے جا ضد پچھلی نارواہٹ بعونہ تعالٰے وبعون حبیبہ صلے اللہ علیہ وسلم پوری کی جارہی ہے۔ اگر اس مرتبہ بھی آپ اس فیصلہ کن پُر امن طریقے

پر مناظرے کے لئے تیار نہ ہوئے تو یہ پھر آپ کی بدترین شکست وخیم اور مسلمانان اہلسنت کی منیر ومبین فتح عظیم ہوگی العجل، الوحا، الساعۃ!!! حاضر شو! حاضر شو! حاضر شو!!! پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔" وما العون ولا النصر الا من عند اللہ العزیز الغفار الواحد القہار ثم من حبیبہ المختار علیہ وعلٰی آلہ وصحبہ وابنہ الغوث الاعظم وسراج امتہ الامام الاعظم وامام اہل سنۃ المجدد الاعظم وحزبہ الصلاۃ والسلام دائمًا ابدًا بالدوام والاستمرار واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بندگان خدا و غلامان مصطفٰے کا خدمت گذار
(ڈاکٹر) محمد حسین انصاری قادری رضوی غفرلہ ربہ حفظہٗ (ناظم اعلٰی
انجمن حنفیہ اہلسنت رامپور کٹرہ ضلع بارہ بنکی)
۲۶ رشوال المکرم ۱۳۷۸ھ سہ شنبہ ۵ رمئی ۱۹۵۹ء

فیروزپور چھاؤنی

حضور شیر بیشۂ سنت ایک بار حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ فیروزپور چھاؤنی جلسہ کیلئے تشریف لیگئے "غوری منزل" میں حضرت کا قیام ہوا۔ جلسہ کے بعد ایک صاحب نے آکر حضرت حجۃ الاسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آریوں کا جلسہ ہو رہا ہے اور کل انھوں نے مسلمانوں کو چیلنج دیا ہے مگر اب تک کوئی مناظر مسلمانوں کیطرف سے نہیں آیا ہے۔ حضرت شیر بیشہ سنت نے بھی سنا تو حجۃ الاسلام کی خدمت میں عرض کی حضور والا فقیر کو اجازت ہو تو جا کر احقاق حق وابطال باطل کرے۔ حضرت نے اجازت دیدی۔ شیر بیشۂ سنت دوسرے روز سادہ لباس میں بغیر عمامہ و عبا کے تشریف لے گئے۔ آریوں کا جلسہ ہو رہا تھا۔ حضرت نے جاکر اطلاع دی کہ آپ لوگوں کے چیلنج پر آیا ہوں۔ ان لوگوں نے فوراً کرسی منبر لگادی اور اعلان کیا کہ مناظرہ ہو گا۔

لیکن جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص مناظر ہے تو لباس اور حالت دیکھ کر ہنسنے لگے ۔ آپنے فرمایا پنڈت جی کپڑے مناظرہ نہیں کرتے ۔ مناظرے میں دلائل اور براہین پیش ہوتے ہیں ۔ وہ اگر نہ پیش کرسکوں تو ہنسنا ۔ یہ بے موقع ہنسی کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا ۔ کیونکہ جو دوسروں پر ہنستا ہے تو اس کی بھی ہنسی ہوتی ہے ۔

پھر مناظرہ شروع ہوا ۔ مناظرہ اس موضوع پر تھا کہ " وید الہامی کتاب ہے یا نہیں " حضرت نے ویدوں کے غیر الہامی اور انسانی کلام ہونے پر وہ دلائل قائم فرماتے کہ آریائی مناظر ڈھائی گھنٹے کے وقت میں ان کا جواب نہ دے سکے اور ویدوں کا الہامی ہونا ثابت نہ کرسکے ۔ وقتِ مناظرہ ختم ہونے کے بعد آپ فتح و فیروزمندی سے ہمکنار ہوکر مسلمانوں کے مجمع کے ساتھ نعروں کی گونج میں قیامگاہ تشریف لائے ۔ حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے پوری کیفیت و تفصیل سن کر تبسم فرمایا اور بہت دعائیں دیں ۔ پھر ارشاد فرمایا کیوں نہ ہو آخر آپ " ابوالفتح " ہیں (۱)

آگرہ

جب متھرا آگرہ اور بھرت پور کے علاقے میں ملکانوں کے اندر پنڈت شردھانند نے شدھی کا کام شروع کیا تو جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی نے اپنا وفد بھیجا اور باقاعدہ کام کرنے اور مبلغین بھیجنے کیلئے رکاب گنج آگرہ میں مرکزی تبلیغی دفتر جماعت رضائے مصطفےٰ قائم ہوا ۔ اس موقع سے شیر بیشۂ سنت نے بہت نمایاں خدمات انجام دیں ۔

ایک دن دفتر آگرہ میں خبر آئی کہ فلاں گاؤں پرسوں شدھی ہوگا ۔ شردھانند کی آمد ہے ۔ حضرت شیر بیشۂ سنت نے اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد عمر خاں (متوفی ۱۹۵۶ء) کو ساتھ لیا اور روانہ ہوگئے ۔ اس گاؤں میں بڑی آرائش اور چہل پہل نظر آئی ۔ جا بجا مٹھائیاں بنتی ہوئی دیکھیں ۔ گاؤں کے پردھان کے پاس گئے ۔ اسلام کی خوبیوں اور حقانیت

(۱) محبوب علی : سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۵۲

سے آگاہ کیا ۔ مگر بات اسکی سمجھ میں نہ آئی ۔ اس نے کہا کہ اگر ہم مسلمان ہوجائیں تو آپ مجھے کیا دیں گے ۔ وہ لوگ تو مجھے زمین اور روپیہ دے رہے ہیں ۔ تو آپنے فرمایا کہ اسلام زر، زن، زمین کسی لالچ سے نہیں قبول کیا جاتا ۔ اگر حقانیت و صداقت کی تلاش ہے تو اسلام میں آؤ ، اگر مکتی نجات چاہتے ہو تو اسلام قبول کرو ۔ بارہ بجے رات تک یہی کوشش جاری رہی مگر پردھان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی ۔

صبح نماز سے فراغت کے بعد آپ وظائف میں مشغول تھے ۔ اتنے میں ایک شخص نے آکر خبر دی کہ شردھانند بھرت پور کی موٹر میں بھرت پور کے فوجی رسالہ کے ساتھ آگیا ہے ۔ آپنے وظیفہ تمام کرکے حسب عادت " یارسول اللہ الغیاث " کہا اور چھوٹے بھائی مولانا محمد عمر کو لیکر اسکے پنڈال کے اندر پہنچ گئے ۔ دیکھا شردھانند صدر مجلس ہے ۔ اور بہت سے پنڈت چوبے مالدار قسم کے لوگ بیٹھے ہیں ۔ پشت پر بھرت پور کا فوجی دستہ کھڑا ہے ایک طرف وہ ملکانے بیٹھے ہیں ۔ درمیان میں ہون کنڈ ہے آگ روشن ہے ۔ گھی جلنے کی چراہند پھیلی ہوئی ہے آپ بے باکانہ صدر مجلس کیطرف بڑھ رہے ہیں ۔ مجمع سب آپ کیطرف دیکھ رہا ہے ۔ جب صدر مجلس کے قریب پہنچے تو آپنے فرمایا کہ ۔

" میں نے سنا ہے کہ آپ یہاں ہمارے بھائیوں کو مکتی کا راستہ بتانے کو پدھارے ہیں لہٰذا میں بھی حاضر ہوگیا کہ معلوم کروں کہ واقعی جو راستہ ان کو آپ بتائیں گے وہ مکتی نجات کا راستہ ہے ؟ "

پنڈت شردھانند نے سوچ کر جواب دیا ۔

" مولانا یہ مناظرہ کی جگہ نہیں ہے ۔ ہم ان کو شدھی کرنے آئے ہیں ہمکو مناظرہ نہیں کرنا ہے لہٰذا آپ چلے جائیں اور ہماری سبھا میں کھنڈت نہ کریں ورنہ آپ خود ذمہ دار ہوں گے " (۲)

(۱) محبوب علی : سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۵۲
(۲) محبوب علی : سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۵۲

حضرت شیر بیشہ سنت نے بکمال جرأت و دلیری فرمایا

"پنڈت جی! یہ ہون کنڈ ہے آگ روشن ہے مناظرہ کا وقت نہیں ہے۔ آیئے ہم اور آپ مباہلہ کریں۔ یہ فرما کر آپنے آگے بڑھکر شردھانند کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا آیئے ہم اور آپ اس آگ میں چلیں اور پندرہ منٹ ہم دونوں اسی میں رہیں پھر باہر آئیں۔ جسکا دین حق ہوگا وہ سلامت رہے گا اور جو باطل ہوگا جل جائیگا۔ یہ سن کر سارے مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ پنڈت جی نے سر جھکا لیا پانچ منٹ تک مجمع پر سکوت طاری رہا۔ اسکے بعد شردھانند نے کہا مولوی صاحب آپ چلے جائیے ہم نہ مباہلہ کریں گے نہ مناظرہ ہم تو ان کو شدھی کرنے آئے ہیں"۔ (۱)

" اس واقعے سے مجمع پر عجب سکتہ طاری رہا۔ آپ تو مسجد میں چلے آئے جب پنڈت جی نے کہا۔" ہاں بھائی ملکانو! بڑا شبھ سمے ہے بڑے بڑے پنڈت مہاشے براجے ہیں آؤ اب شدھ ہو جاؤ " (۲)

اتنا سنتے ہی گاؤں کے پردھان نے کہا کہ آپ ایک نوجوان عالم کا جواب نہ دے سکے" ہم شدھ ودھ" نہ ہوں گے اسلام ہی سچا مذہب ہے آپ میرے یہاں سے جلد نکل جایئے ایک آدمی سے اس نے کہا کہ جاؤ مسجد سے مولانا صاحب کو بلا کر لاؤ ہم لوگ ان سے مسلمان ہوں گے۔ ہوا یہی کہ پنڈت جی پردھان کی اس گفتگو سے نو دو گیارہ ہو گئے۔ حضور شیر بیشۂ سنت نے یہ سُن کر سجدۂ شکر ادا کیا اور سب لوگوں کو کلمہ پڑھا کر داخل اسلام کیا اور مٹھائیاں اور پکوان تقسیم کر کے مسرت و خوشی کا اظہار کیا گیا۔

اس طرح شدھی سنگھٹن کے دور میں آپنے آریوں اور پنڈتوں سے متعدد مناظرے مختلف مقامات پر کئے۔ شدھی تحریک کا آپ نے اور دیگر علمائے اہلسنت نے ڈٹ کر

(۱) محبوب علی : سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۵۳
(۲) محبوب علی : سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۵۳

مقابلہ کیا اور اسے پسپا اور نیست و نابود کر کے ہی دم لیا۔ اسکی دیگر تفصیلات کے لئے جماعت رضائے مصطفےٰ کی کارکردگی کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

مناظروں کی دنیا میں حتمی طور پر نہیں کہا جاسکتا ہے کہ آپنے کتنے مناظرے کئے اور کتنے دیوبندی مولویوں کو شکست فاش دی ہے۔ البتہ دو درجن مناظروں کی ہمارے پاس فہرست ہے۔ جن میں آپنے ببانگ دہل مسلکِ اہل سنّت کی حقانیت کا اعلان کیا ہے اور مذاہب باطلہ کی تردید کی ہے۔ تمام مناظروں کا تفصیلی ذکر ضخامت صفحات کے سبب میں نے نظر انداز کر دیا ہے۔ ذیل میں کچھ مناظروں کے مقامات کی صراحت پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

لکھنؤ ، چندوسی ، لاہور ، نان پارہ ، بسڈیلہ (بستی) مورانواں (اناؤ) ، سلانواں (ضلع جہلم پاکستان) ، بھاؤپور (بستی) ، مہوہ پاکھر (گونڈہ) ، بھیساوہ (گونڈہ) ، سنہٹیا (گونڈہ) ، بازار باغ دھانے پور (گونڈہ)

مذکورہ بالا تاریخی اور دلچسپ مناظروں کی تفصیل حضرت مولانا محبوب علی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سوانح شیر بیشۂ سنت میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بیعت و ارشاد

حضور شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ علوم و فنون کے بحرِ ناپیدا کنار ہونے کے ساتھ ساتھ متقی، پرہیز گار اور عابد شب زندہ دار بھی تھے۔ سفر ہو یا حضر، بیماری ہو یا تندرستی، فراخی ہو یا تنگدستی، لمحاتِ عیش ہوں یا اوقات مصائب، کسی وقت بھی شریعتِ اسلامیہ کا دامن ہاتھوں سے نہیں چھوڑا۔ جو شخص سفر میں زیادہ رہتا ہے اسکی نماز اور دیگر امور سے بے توجہی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مصائب و آلام کے مجموعے ہی کا نام سفر ہے۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے "السفر کالسقر" مگر قربان جائیے شیر بیشۂ سنت کی ذات گرامی پر۔ کیا مجال ہے کہ کوئی نماز اپنے وقت میں ادا نہ ہوئی ہو اور اوراد و وظائف ہمیشہ ان کے زیرِ لب نہ رہے ہوں۔ دین مصطفوی کی حمایت اور اسکی اشاعت سے جو وقت بھی بچتا وہ اوراد و وظائف میں گذرتا سواری پر ہوں یا پیدل، ہمیشہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے یہی محبوب مشغلہ رہتا۔

دین کے فرائض و واجبات پر تو عمل پیرا تھے ہی، اس کے مستحبات و نوافل کو بھی فرض ہی کیطرح ادا کرتے تھے۔ اس معاملے میں وہ مکمل طور پر اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے مظہر تھے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی چلتی پھرتی مثال تھے۔ ہر کام کی ابتداء وہ سیدھی جانب سے کرتے مگر شریعت نے جہاں روکا نہ ہو۔ خود اسی پر عمل کرتے اور دوسروں کو اسی کی تلقین کرتے۔ اگر کسی صاحب کو کوئی چیز دینی ہوتی اور وہ لینے کے لئے الٹا ہاتھ بڑھاتے تو آپ نہ دیتے۔ اپنا ہاتھ روک کر فرماتے سیدھے ہاتھ میں لیجئے الٹے ہاتھ میں شیطان لیتا ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد لکھتے وقت بھی داہنی جانب کا خیال رکھتے۔ پہلے ۶ پھر ۸ پھر ۷ لکھتے۔ عمامہ شریف باندھتے وقت شملہ سیدھے شانے پر رہتا اور پیچ بھی سنت کے مطابق۔ روز و شب کے معمولات حتیٰ کہ پائجامہ اور کرتا پہننے میں داہنی جانب کا خیال رکھتے۔ نماز کے بعد مصافحہ بھی سیدھی جانب

سے ہی شروع فرماتے۔

زندگی کے ہر شعبہ میں شریعت کا پاس حفاظت جان سے بھی زیادہ اہم اور ضروری سمجھتے۔ لباس وغیرہ ہی کیا ہر معاملات میں بڑی سادہ زندگی گذارنے کے خوگر تھے۔ نام و نمود کا ان کے یہاں کوئی گذر نہیں تھا۔ انکشافِ حقیقت ہی اپنا واجبی فریضہ سمجھتے جو دل میں رہتا وہی زبان پر لاتے۔ ماحول کی مناسبت سے تبدیلئ لباس کے روادار نہیں تھے۔ اپنی مقرر کردہ وضع قطع کے اخیر دم تک پابند رہے۔ عام طور پر دوپلی ٹوپی لمبا کرتا جو گھٹنوں سے قدرے نیچا ہوتا۔ شلوار نما ٹخنوں سے اونچا شرعی پائجامہ جو نہ تو کبھی اتنا لمبا دیکھا گیا کہ ٹخنہ چھپ جائے اور نہ ہی غیر ضروری طور پر اونچا کہ پنڈلی کھل جاتے سچ تو یہ ہے کہ آپ کی وضع اور لباس کا اندازہ دیکھ کر شرعی وضع سمجھ میں آجاتی تھی۔ تہبند، شیروانی، عمامہ، جبہ اور عصا بھی اکثر موقعوں پر استعمال فرمایا کرتے تھے۔ زہد و ریاضت کے معاملے میں سفر و حضر میں آپ کا معمول یکساں تھا۔ ریاکاری کے سخت مخالف تھے شب و روز کے اکثر اوقات اوراد و وظائف میں بسر ہوتے۔ خصوصیت کے ساتھ نماز فجر کے بعد تقریباً تین گھنٹہ تک پورے خشوع و خضوع کے ساتھ ذکر الٰہی میں منہمک رہتے اور روزانہ تقریباً پانچ پارے قرآن کے تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد عشاء کے درمیان کا سارا وقت ذکر الٰہی میں گذرتا تھا۔

ایک بار عروس البلاد بمبئی میں آپ جلوہ افروز تھے۔ عقیدت مندوں کا ہجوم تھا۔ حضور شیر بیشۂ سنت کسی وظیفے کے ورد میں مصروف تھے۔ کسی عقیدتمند نے اپنے نام کا اسم اعظم دریافت کیا۔ آپ نے ان کے نام کا اسم اعظم بتا دیا۔ اب اپنے اپنے نام کا اسم اعظم معلوم کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آپنے باری باری سب کے نام کے اسمِ اعظم بتا دیتے۔ حاضرین کے ناموں کا اسم اعظم بتانے کے بعد پھر وظیفہ میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے ایک دوسرے معتقد جناب الحاج سہراب علی حشمتی بعد میں تشریف لائے۔ لوگوں کے چہروں پہ مسرت دیکھ کر دریافت کیا کہ آج ضرور کوئی خاص چیز عطا ہوئی

ہے۔ حضرت بابرکت مفتی وجیہ الدین صاحب قبلہ نے بتایا کہ آج اسم اعظم کی دولت ملی ہے۔ اسم اعظم کے خواص سُن کر حاجی صاحب کو بھی اپنے لئے اسم اعظم کی خواہش ہوئی۔ اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر حضرت شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمۃ والرضوان رونق افروز ہوئے۔ اور حاجی صاحب کو دیکھتے ہی فوراً فرمایا حاجی صاحب آپ کا اسم اعظم "یا قویُّ یا اللہ" ہے

نماز کی پابندی تو اس درجہ کہ بس! لمبے لمبے اسفار میں نماز قضا ہونے کی نوبت نہیں آتی۔ زندگی کے آخری ایام میں جب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی بدن میں سکت نہ رہ گئی تو لیٹ کر سُنن و فرائض ادا کرتے رہے۔ مگر اس پر انھیں حد درجہ افسوس تھا فرماتے یہ زندگی کی پہلی نماز ہے جو لیٹ کر ادا کر رہا ہوں۔ ایسا متقی و پرہیزگار کب اور کہاں ملے گا۔ پابند صوم و صلوٰۃ تو بہت ہیں مگر ایسے کم!

حق کہنے، حق سُننے، حق پر عمل کرنے اور حق پر کاربند رہنے پر تلقین کرنے میں کبھی بھی بے توجہی نہیں برتی۔ گھر میں کیسی بھی ضرورت کیوں نہ ہو مگر حق کی اشاعت کیلئے پابہ رکاب ہو جاتے۔ گمراہیت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ہدایت کا چراغ ضرور روشن کرتے۔ اس سلسلے میں انھوں نے کبھی سُستی نہیں کی اور نہ ہی کوئی درمیان میں حائل ہوا۔

آپ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا حافظ محمد عسکری رضا خاں کو بخار کا عارضہ لاحق ہو گیا جو آہستہ آہستہ سرسامی کیفیت اختیار کر گیا، حالت بہت بگڑ چکی تھی۔ ڈاکٹر، حکیم، وید جواب دے چکے تھے۔ حفاظت جان کی بظاہر کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی، اور حضور شیر بیشہ سنت کو ملتان کے کسی مناظرے میں جانا تھا۔ جب مناظرے کی تاریخ قریب آئی تو آپ کتابوں کا بکس اور دوسرے سامانِ سفر ٹھیک کرنے لگے۔ گھر کے لوگوں نے ہزار روکنے کی کوشش کی ادب سے عرض کیا کہ آپ کو ہم لوگوں نے کبھی کسی موقعے سے کہیں جانے سے نہیں روکا۔ لیکن اس بار ضرور رک جائیے بچّے کی حالت بہت نازک ہے ایسی صورت میں گھر سے باہر نکلنا کسی طرح مناسب نہیں صرف دو چار دن رک جائیے حالت بہتر ہونے پر چلے جائیے گا۔ یہ سن کر حضور شیر بیشۂ سنّت نے فرمایا،

"سنو! اگر میں رک جاؤں اور خدانخواستہ عسکری سلمہٗ کا وقت پورا ہو چکا ہے تو میرے رکنے سے ہونے والی بات ٹلنے والی نہیں اور اگر حیات باقی ہے تو میرے رہنے اور نہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لہٰذا میں جا رہا ہوں مجھے اشاعتِ دین حق کیلئے جانا ہے۔ اگر نہ پہنچا اور کل پیارے آقا و مولےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا حشمت علی! میری امت گمراہ ہو رہی تھی دین کے لٹیرے، ایمان کے ڈاکو بھولے بھالے امت کے ایمان پہ ڈاکہ ڈال رہے تھے میری امت نے تجھے بلایا مگر تو اپنے بیٹے کی بیماری اور تیمارداری میں مشغول تھا اور میری وہ امت گمراہ ہو رہی تھی جس کی ایمان کی حفاظت کیلئے میرے لاڈلے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ، نے کربلا کی سرزمین پر خود جام شہادت نوش کیا اور اپنے چہیتے فرزند علی اکبر کی جوانی کو خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھا علی اصغر شیرخوار کو گود میں لے کر امت کی حفاظت کے واسطے قربان کیا، ننھے بھانجے عون و محمد اور چہیتے بھتیجے کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھا تو میرے عزیز بتاؤ پیارے آقا کو کیا منھ دکھاؤں گا۔"

اسطرح آپ موسم کے عذر کی پرواکئے بغیر رشد و ہدایت کیلئے ہر جگہ پہنچے اور علی الاعلان حق کی تبلیغ و اشاعت فرمائی نہ کسی سے ڈرے اور نہ ہی خوف کھائے آپ نے بے سروسامانی کے عالم میں گرمی دھوپ کی شدت میں میلوں پیدل چل کر تنہا جو مسلک اہل سنت کی اشاعت کی ہے سیکڑوں علماء مل کر وہ کارنامہ انجام نہیں دے سکتے۔ حضور مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب کا ارشاد ہے۔

"وہ بیشہ سنت کے شیر ہیں میدان حق گوئی کے دلیر ہیں۔ انھوں نے درحقیقت تم پر مذہبی احسان کیا تھا کہ تم کو وہابی ہونے سے بچایا اور میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ سو ڈیڑھ سو مولوی بھی باہم مل کر وہ کام نہیں کر سکتے جو اللہ اور اس کے رسول کے فضل و کرم سے اکیلے مولانا حشمت علیخاں صاحب کر لیں گے"۔ (۱)

(۱) معرکہ حق و باطل مطبوعہ دہلی بار دوم ۱۴۰۵ھ

اشاعت دین حق کے سلسلے میں اپنے مرشد کامل حضرت مولانا امام احمد رضا خاں کی سچی اور عملی تصویر تھے۔ اپنے پیر کی یاد میں مستغرق رہتے، یاد شیخ میں فنا ہو چکے تھے فنا فی الشیخ کا اعلیٰ مقام انھیں حاصل تھا۔ آپکے برادر اصغر مولانا محبوب علی مفتی اعظم بمبئی فرماتے ہیں۔

"حضور پرنور مرشد برحق سیدنا اعلیٰحضرت قبلہ رضی اللہ عنہ، نے اپنے اس ولد مرافق پر وہ نظر کرم فرمائی کہ فنائیت کے مقام کو پہنچا دیا اور بعد وصال بھی اپنے ارشاد اقدس کے موافق ان کی مرافقت فرماتے رہے۔ حضرت نے خود بارہا فرمایا کہ اب بھی میں کسی رنج وغم دینی ودنیاوی پریشانی میں مبتلا ہوتا ہوں تو حضور سیدنا اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ، تشریف لاتے ہیں۔ بس وہ تشریف لائے اور پریشانی دور اور مشکل حل ہوئی"۔ (۱)

اعلیٰحضرت کے سایۂ کرم میں زندگی کے لمحات گذارے اور انھیں کی بارگاہ سے بیعت وخلافت جیسی انمول دولت سے بھی سرفراز کئے گئے۔ اس کے علاوہ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں علیہم الرحمۃ والرضوان نے بھی آپ کو اپنی اپنی خلافتوں اور نیابتوں جیسی عظیم دولت سے نوازا ہے اسطرح اور بھی اجلہ علمار کرام سے انھیں خلافت اور اوراد ووظائف کی اجازت حاصل تھی مذکورہ بالا حضراتکے علاوہ (۱) حضرت مولانا الحاج ابو القاسم سید اسمٰعیل مارہروی (۲) مولانا الحاج سید فتح علی شاہ قادری برکاتی (۳) مولانا ضیاء الدین مہاجر مدنی (۴) مولانا الحاج محمد ضیاء الدین قادری (۵) حضرت مولانا الحاج عمر ابوبکر پوربندری کے اسمار قابل ذکر ہیں۔ اور ایک روایت کے مطابق حضور سیدی تاج العلماء مولانا مفتی سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قاسمی مارہروی علیہم الرحمۃ والرضوان سے بھی خلافت واجازت کا انمول عطیہ ملا تھا (۲)

(۱) محبوب علی : حیات بلند پایہ حشمت علی ص ۱۳ کان پور

(۲) محبوب علی : سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۱۴۴

حضور شیر بیشۂ سنت اکابر علمائے کرام کی نگاہوں کے منظور نظر اور دلوں کیلئے قرار وسکون تھے۔ آپ کی بعض خوبیاں ایسی تھیں جن پر اکابر واصاغر سب نازاں تھے۔ جس طرح آپ کو اجلہ علمار نے دولت خلافت سے نوازا تھا ٹھیک اسی طرح آپنے بھی اپنے اصاغر کو خلافت کی دولت سے محروم نہیں کیا۔ ان کی ہر طرح ہمت افزائی فرمائی۔ جو جس قابل تھا اُسے وہ مقام بخشا۔

آپکے دامنِ عقیدت سے وابستہ ہونے والوں کی صحیح تعداد نہیں بتائی جاسکتی اس لئے کہ وہ رجسٹر جس میں مریدین کے نام درج تھے بقول بعض چوری میں چلے گئے تاہم اتنا وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے

"آپکے مریدین کے نام جو رجسٹروں میں درج ہیں وہ تقریباً بیس ہزار سے زائد ہیں" (۱)

یوں تو آپ کے مریدین وعقیدت مند ہندوستان کے چپے چپے میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن مشرقی یوپی اور اس میں بطور خاص بستی گونڈہ، سدھارتھ نگر، فیض آباد کے اضلاع میں فروغ سنیت اور مسلک حق کی اشاعت آپ ہی کی شبانہ روز جد وجہد کا نتیجہ ہے اس سرزمین پر ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جہاں "سنی" کہنا لوگ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ مگر بحمدہٖ تعالیٰ آپ اور دوسرے علمائے حق کی وہاں مسلسل آمد ورفت نے وعظ وتبلیغ کے ذریعے زندہ دل مسلمانوں کو اس قابل بنا دیا کہ اب فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ "ہم سنی" اور وفادار رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مشرقی یوپی کے علاوہ گجرات، رنگون، مغربی بنگال، کان پور، بمبئی میں بھی آپ کے مریدین کی کثرت ہے۔ آپ کے مرید "حشمتی"، آپکے نام کی مناسبت سے لکھتے ہیں۔ جسطرح آپ متصلب فی الدین تھے اسی طرح آپکے مریدین بھی تصلب فی الدین کے معاملے میں ممتاز ہیں۔ مذہب کے معاملے میں زمانہ اور اہل زمانہ سے کسی غلط بات پر سمجھوتہ ناروا سمجھتے ہیں۔ یہی وہ تشخص ہے جو حشمتیوں کو اور دوسرے سلاسل کے لوگوں سے منفرد کرتا ہے۔

(۱) محبوب علی : سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۱۴۴

اس زمانے میں لوگ مسلمانوں سے کلمہ سن کر یہ کہتے ہیں کہ میں نے آج اتنے لوگوں کو کلمہ پڑھایا اور پھر ایسے لوگوں کا نام رجسٹر میں درج کر لیا جاتا ہے۔ جب اس کی سالانہ روداد مرتب ہوتی ہے تو بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہماری تبلیغی جماعت کے ورکروں نے سالِ رواں میں اتنے لوگوں کو کلمہ پڑھایا۔ کتقدر افسوس کا مقام ہے کہ اس زمانے میں اس قدر سستی تبلیغ ہو گئی ہے کہ مسلمانوں سے کلمہ پڑھوا کر داخلِ اسلام کیا جا رہا ہے۔

حضور شیر بیشۂ سنت نے تبلیغ کی مگر مسلمانوں میں نہیں۔ کفار و مشرکین کے درمیان کلمہ پڑھوایا۔ مگر مسلمانوں کو نہیں دشمنانِ رسول کو، ان سے بحث و مباحثے کئے۔ مصائب و پریشانیاں برداشت کیں، اسلام کے حقائق و معارف دلائل و براہین کے ذریعہ انھیں سمجھایا، غیر مسلموں کیطرف سے کئے جانے والے سوالات کے مدلل جوابات دیئے۔ تحریری، تقریری مناظرے کئے پھر کہیں جا کر اشاعتِ دینِ حق کر کے انھیں اسلام کے قریب کر سکے ایک اندازہ کے مطابق آپ کی مجاہدانہ تبلیغ سے ایک لاکھ پینتیس ہزار کفار و مشرکین اپنے مذہب سے توبہ کر کے اسلام کا کلمہ پڑھکر آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے۔

یہ انکشاف ہفت روزہ "الفقیہہ" امرتسر سے ہوا ہے جو اہلسنت کا بیباک ترجمان تھا ۱۹۴۷ء تک جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی شریف کے دفتر میں اسکی عینی شہادتیں موجود تھیں۔ اس عظیم کام میں آپ کے شریک مبلغ ایشیا، حضرت علامہ عبد العلیم میرٹھی، حضرت علامہ مفتی عبدالرشید بانی جامعہ عربیہ ناگپور تھے۔ اپنی ناواقفیت کی بنا پر باطل عقائد کے شکار جن لوگوں نے آپکے دستِ حق پرست پر توبہ کی ان کی تعداد اس سے ماسوا ہے (۱)

حضور شیر بیشۂ سنت کا طریقۂ رشد و ہدایت عام خانقاہی لوگوں سے ہٹ کر تھا۔ اس معاملے میں وہ اپنے پیر و مرشد سیدنا اعلیحضرت کے دم قدم تھے۔ صرف وہی کام کرتے

(۱) قاضی علی محمد : مناظرہ ملتان ص ۱۰ مطبوعہ ۱۴۰۵ھ

جس میں خدا و رسول خدا کی رضا ہوتی۔ شریعت کے دائرے سے ہٹ کر کسی کام کے کرنے کے روادار نہیں تھے، شریعت مطہرہ کے قوانین ترک کرنے والے نام نہاد طریقت پارٹی، جاہل پیروں اور بہٹیو فقیروں کا سخت رد فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی احتیاط کا عالم یہ تھا کہ اگر نامحرم عورت سامنے آجاتی تو آپ فوراً چہرۂ مبارک پھیر لیتے اور اس قدر ترش روئی سے وہاں سے بھاگتے کہ وہ عورت دوبارہ سامنے آنے کی ہمت نہ کر پاتی اور اگر کوئی عورت بیعت ہونا چاہتی تو آپ خود مکان کے باہر بیٹھتے اور نامحرم عورت کو اندر بیٹھنے کا حکم دیتے اور پردے کے ساتھ اپنا عمامہ شریف یا رومال شریف پکڑا کر بیعت فرمایا کرتے تھے جو اس قدر حزم و احتیاط کرتا ہو اس کے تقوی و پرہیز گاری، زہد و ریاضت اور رشد و ہدایت کا کیا کہنا۔ اس کی ایک مثال زیارت حرمین شریفین کیلئے فوٹو ہے۔ آپنے اس فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے تصویر تو کھینچوائی مگر ادائیگی حج کے فوراً بعد توبہ بھی کر لی اور پھر اس کا اعلان درج ذیل لفظوں میں شائع کیا۔

"سگ بارگاہ نبوی و سرکار قادری و گدائے کوئے رضوی کو معلوم ہوا ہے کہ فقیر کا جو فوٹو بمبئی میں حاضری حرمین شریفین کے وقت پاسپورٹ میں شامل کرنے کے لئے قانونی مجبوری کی بنا پر لیا گیا تھا جس سے فقیر بمبئی کے برادرانِ اہلسنت کے سامنے نیز بذریعہ عریضہ نیاز حضرت بابرکت شہزادہ اعلیحضرت سجادہ نشین امام اہلسنت سیدی المفتی الاعظم مولانا الحاج الشاہ محمد مصطفےٰ رضا خاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کو شاہد بنا کر نیز مکہ معظمہ و عرفات شریف و مزدلفہ شریف و منی شریف و مواجہہ اقدس شہنشاہ کونین بادشاہ دارین صلے اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ وسلم کے حضور توبہ کر چکا ہے اس کی کاپیاں عیاذ باللہ تعالےٰ کسی طرح سے حاصل کر کے لوگوں تک پہنچا دی گئی ہیں لہٰذا فقیر اعلان کرتا ہے کہ جن صاحبوں نے وہ کاپیاں حاصل کی ہیں یا ان کے حاصل کرنے کی قولاً و فعلاً کوششیں کی ہیں، ان پر اس سے توبہ فرض ہے نیز جس بھائی کے پاس

اسکی فوٹو کاپی پہنچی ہے اس پر اس فوٹو کاپی کا فنا کردینا فرض ہے۔ وماعلینا الاالبلاغ

فقیر ابوالفتح عبیدالرضا محمد حشمت علیخاں غفرلہٗ

مکان شیخ سلیمان بسیونی وکیل جدہ عرب شریف (۱)

مثل مشہور ہے کہ پیر اپنے مرید اور درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ دور کہاں جایئے آپ کے فرزند اکبر اور مرشد برحق حضرت سیدی علامہ الشاہ محمد مشاہد رضا خاں حشمتی فیوضہم المبارکہ سجادہ نشین خانقاہ حشمتیہ اپنے والد گرامی کے نقوش قدم کے صحیح راہ رو ہیں اور رفعت و پاکدامنی، تقوٰی وطہارت، راست بازی ودیانت داری اور تصلب فی الدین کی زندہ مثال ہیں۔ آپ کی شخصیت بقیۃ السلف کی ہے اللہ تعالےٰ آپ کو عمرِ خضر عطا فرمائے اور اشاعت دین حق کا بیش بہا موقع فراہم کرے۔ (آمین)

حضور شیر بیشہ سنت اس درجہ متواضع تھے کہ بیعت وارادت کرنے کا اہل اپنے کو نہیں سمجھتے تھے۔ جو آپ کیطرف بغرض بیعت رجوع کرتا اسے آپ دوسرے بزرگوں کی طرف بھیج دیتے۔ زیادہ تر حجۃ الاسلام حضرت مولانا الشاہ حامد رضا خاں یا قدوۃ الواصلین حضرت شاہ ابوالقاسم محمد اسمٰعیل حسن عرف شاہجی قادری علیہما الرحمۃ والرضوان کے پاس بھیج کر مرید کراتے۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ جی قبلہ نے پوچھ ہی لیا کہ آپ مرید کیوں نہیں کرتے ہیں؟ تو آپ نے ادب سے جواب دیتے ہوئے فرمایا میں گنہگار رسیہ کار خطا کار اس قابل کہاں کہ مرید کرسکوں تو شاہ جی قبلہ نے فرمایا کہ میں نے تو قابل سمجھکر آپکو خلافت دی تھی اور آپ کہتے ہیں میں اس قابل نہیں گویا کہ میں نے آپکو خلافت دیکر غلطی کی۔ آئندہ جو آپ سے رجوع ہو اسے داخل سلسلہ آپ ضرور کریں اور اسے اپنا مرید ضرور بنائیں۔ اور فرمایا مولانا! ہم کو اپنے خلفاء کے مریدوں کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوتی ہے اب آئندہ اس معاملے میں ہرگز انکسار نہ کریں۔

(۱) محبوب علی : سوانح شیر بیشہ سنت ص ۱۹۴

اس کے بعد حضور شیر بیشہ سنت نے مرید کرنا شروع کیا تو ہندوستان کے گوشے گوشے سے لوگوں نے آپ سے حلقہ بگوش ہونا شروع کیا۔ جن کی تفصیلات سطور بالا میں گذر چکی ہیں۔

آپ اپنے مریدین کو تمام اسلامی امور کی تعلیم اور اس پر کاربند رہنے کی جو ہدایات کرتے ہیں اس میں ذیل کے چند پند ونصائح خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اول :- یہ کہ اسلام وسنیت پر تصلب وپختگی اور مضبوطی سے قائم رہنا۔

دوم :- دشمنان خدا اور رسول جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے قطعاً دور رہنا۔

سوم :- اپنی کسی غلط بات کو صحیح ثابت کرنے اور اس کی غلط تاویل کرنے کی ہرگز ہرگز کبھی کوشش نہ کرنا، غلطی کو غلطی ماننا، اس سے رجوع کرنا حق پسندی ہے اور غلطی کو صحیح بنانے کی کوشش کرنا ہٹ دھرمی اور گمراہی کی جڑ ہے (۱)

انھیں تعلیمات وپند ونصائح کا نتیجہ ہے کہ آپ کے مریدین وخلفاء دوسرے خانوادوں وخانقاہوں سے وابستہ رہنے والے لوگوں میں کچھ امور میں ممتاز ویگانہ نظر آتے ہیں۔ ان میں مذہبی جوش، سنیت کی تبلیغ وتعلیم کا جذبہ اور بد دینوں و بدمذہبوں سے نفرت وبیزاری موجود ہوتی ہے۔ جب آپ کے مریدین ایسے اوصاف سے متصف ہوتے ہیں تو خلفاء کے مذہبی تصلب کا اندازہ کیوں کر لگایا جاسکتا ہے۔ شیر بیشہ سنت نے مسند رشد وہدایت پر متمکن ہوکر انھیں حضرات کو خلافت کی دولت بے بہا سے مالامال کیا ہے جن میں مذہبی جوش وخروش اور دینی تصلب ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت مصطفوی صلے اللہ علیہ وسلم کا گہرا مطالعہ تھا۔ جن ارباب زہد واتقاء اور اصحاب فضل وکمال کو خلافت کی انمول دولت سے مالامال کیا ان کی تعداد ان کے ایک خلیفہ کے بقول سیکڑوں ہے مگر مرور زمانہ کے سبب ایسی کوئی باضابطہ فہرست دستیاب نہیں ہوسکی۔ البتہ جن خلفاء کے نام معلوم ہوسکے ہیں ان کی فہرست ذیل میں اسی طرح درج کی جارہی ہے۔ جسطرح ہمیں

(۱) سوانح شیر بیشہ سنت ص ۱۹۵

دستیاب ہوئی ہے ۔

۱۔ مولوی محمد سراج الدین بن مولانا غلام محی الدین صاحب ویرگام

۲۔ مولانا مولوی محمد قدرت اللہ صاحب فیض آباد

۳۔ جناب شیخ شبرات علی صاحب بن صاحب دین ضلع سلطان پور

۴۔ مولانا مولوی فصیح الزماں بن حکیم محمد مسیح الزماں صاحب رنگون

۵۔ مولانا محمد دانش صاحب بن شیخ مشرف علی برما

۶۔ مولانا عبد السبحٰن صاحب مانڈلہ برما

۷۔ ملّا عبد الرحمٰن صاحب اسلام پورہ مالے گاؤں ناسک

۸۔ مولانا مولوی ملک نیاز احمد صاحب بن محمد اسمٰعیل صاحب بارہ بنکی مقیم کانپور

۹۔ صوفی محمد یوسف صاحب بارہ بنکی مقیم کانپور

۱۰۔ مولوی عبد السلام صاحب رنگون

۱۱۔ مولانا سید نیاز احمد صاحب حسینی عرف اچھے فتح پور ہسوہ مقیم کانپور

۱۲۔ حافظ سلطان احمد صاحب محلہ بینی فتح پور ہسوہ

۱۳۔ حافظ فضل الرحمٰن صاحب محلہ مہاجری فتح پور ہسوہ

۱۴۔ مولانا حافظ عبد السلام صاحب فتح پور ہسوہ

۱۵۔ مولانا شاہ محمد وجیہہ الدین صاحب غازی پور

۱۶۔ مولانا محمد طیب صاحب رانی گنج بردوان

۱۷۔ مولوی محمد صدیق احمد ولد مولانا شاہ یار علی صاحب (براؤں)

۱۸۔ مولانا شمس الحق صاحب خطیب مسجد چنگا ڈیل ہوڑہ

حضور شیر بیشۂ سنت نے لکھا ہے کہ "ان چاروں حضرات کو سلسلہ قادریہ رضویہ ضیائیہ میں طالب کر کے خلافت و اجازت دی گئی ۔ بارک اللہ تعالےٰ فیہم وبہم (آمین)

دوشنبہ مبارکہ ۱۳ر جمادی الآخر ۱۳۶۶ھ مقام فیض آباد

۱۹۔ مولوی حکیم صوفی محمد حیات علی صاحب بھاؤ پور بستی

۲۰۔ مولوی صوفی حبیب اللہ پیپری بستی

۲۱۔ مولانا افتخار احمد خالصاحب خالص پور اعظم گڈھ

۲۲۔ مولانا جلال الدین احمد صاحب تاجی ولد بابا عبد الصمد شاہ صاحب بھیکی پور ضلع رائے بریلی

۲۳۔ مولانا سید احمد حسین عرف مولوی آرہ فیض آباد

۲۴۔ مولوی محمد صدیق صاحب مومنا واڑہ سورت گجرات

۲۵۔ مولانا نظام الدین صاحب مومنا واڑہ سورت

۲۶۔ مولانا محمد سلیم صاحب بن محمد عبد اللہ سلطانپور

۲۷۔ مولوی شہاب الدین ابن مولانا شاہ عماد الدین صاحب سنبھل

۲۸۔ مولانا محمد حنیف صاحب کانپور

۲۹۔ مولانا عرفان احمد بن مولانا جان محمد صاحب رضوی بلیا

۳۰۔ مولانا غیاث الدین ابن مولانا شاہ عماد الدین صاحب سنبھل

۳۱۔ مولوی محمد اسحٰق خاں ولد محمد مصطفےٰ خاں رائے بریلی

۳۲۔ مولانا مولوی ذکر اللہ صاحب بستی (۱)

۳۳۔ حاجی سہراب علی خاں ضلع گونڈہ

۳۴۔ محمد ادریس خانصاحب ضلع گونڈہ

۳۵۔ مولوی محمد سجّاد حسین صاحب جمن گنج کان پور

۳۶۔ حافظ خلیل الرحمٰن صاحب ۔ فتحپور ہسوہ

۳۷۔ مولانا محمد شفقت رسول صاحب قادری برکاتی رضوی بمبئی شہزادہ حضور شیر بیشۂ سنت حضرت مولانا ہدایت رسول صاحب علیہ الرحمہ

۳۸۔ علمبردارِ سنّیت الحاج ابو بکر صاحب ابن حاجی احمد رشیم والا بمبئی

(۱) تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے راقم السطور کی کتاب "تذکرہ علمائے بستی" جلد اول ص ۱۰۷

۳۹۔ مولانا محمد عزیز الرحمن صاحب بھاؤ پور بستی (۱)

۴۰۔ مولانا بدرالدین احمد رضوی ، براؤں شریف بستی (۲)

۴۱۔ مولوی محمد ادریس خانصاحب ڈنڈوہ بزرگ فرخ آباد

۴۲۔ مولانا محمد شمس اللہ صاحب صدیقی بیپری بستی (۳)

۴۳۔ مولانا عبد الجلیل صاحب فتحپور ہسوہ

۴۴۔ الحاج صوفی خاموش شاہ بابا ضلع گونڈہ

۴۵۔ قاری صوفی سید حسین علی صاحب ضلع بستی

۴۶۔ حافظ محمد عمر صاحب ریچول بارہ بنکی

۴۷۔ مولوی حافظ محمد محبوب علیخانصاحب ضلع گونڈہ

۴۸۔ مولوی قاری فخر الدین صاحب ضلع گونڈہ

۴۹۔ حضرت سید عبد السبحٰن صاحب بلہر گھاٹ فیض آباد

۵۰۔ مولانا مولوی افتخار احمد صاحب مگہر بستی

۵۱۔ حاجی احمد عمر ڈوسا صاحب بمبئی

۵۲۔ مولوی حافظ تجمل حسین صاحب اسلام پورہ مالیگاؤں

۵۳۔ مولانا سید صغیر حسین صاحب پرتاب گڈھ

۵۴۔ مولانا حافظ قاری افتخار احمد خانصاحب محبت پور الہ آباد

۵۵۔ مولانا محمد مشاہد رضا خانصاحب سلمہ ربہ خلف اکبر و سجادہ نشین خانقاہ حشمتیہ حشمت نگر بیلی بھیت (۴)

ذیل میں ان چار خلفاء کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کیا جارہا ہے جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ دامے ، درمے ، قدمے ، سخنے بہر نوع خدمت دین متین اور

(۱)، (۲)، (۳) حالات کیلئے دیکھئے راقم کی تصنیف تذکرہ علمائے بستی مطبوعہ ۱۹۸۸ء

(۴) سوانح شیر بشیہ سنت ص ۱۹۹

مسلک اعلیحضرت امام احمد رضا کی نشر و اشاعت میں صرف کیا ہے۔ ایسے خلفاء کی بھی تعداد درجنوں ہے۔ مگر طوالت کے خوف سے انہی چار کے تذکرے پر انحصار کیا جارہا جن کی خدمات اہم اور نمایاں ہیں۔

مخدوم ملّت صوفی سیّد عبد السبحٰن قادری

"کاش کل میدانِ محشر میں آپ کے ساتھ جانا نصیب ہوئے۔ مخدوم ملّت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے حضور مجھ جیسا ناچیز؛ تو آپ کی آنکھیں نم ہو جاتیں اور بھرائی ہوئی آواز میں فرماتے انشاء اللہ تعالےٰ ایسا ہی ہوگا ہم سب ساتھ ہی سید الانبیاء محبوب خدا شافع روز جزا کے حضور حاضر ہوں گے (صلی اللہ علیہ وسلم)" (۱)

عقیدت و محبت سے لبریز یہ وہ آواز تھی جو حضور شیر بشیہ سنّت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان حق ترجمان سے آپ کے ایک خلیفہ کے بارے میں صادر ہوئی تھی۔ پیار بھرے اس جملے سے خلیفہ کی اہمیت مرشد کی نظر میں روز روشن کیطرح عیاں ہے۔ جانے وہ کونسی گھڑی رہی ہوگی جبوقت یہ الفاظ زبانِ مبارک سے ادا ہو رہے تھے اور پورا مجمع ہمہ تن گوش ہو کر سن رہا تھا۔ حضرت مخدوم ملت صوفی سید عبد السبحٰن (علیہ الرحمہ) کی نورانی شکل و صورت پر لوگوں کی نگاہیں جمی تھیں اور چہرۂ مبارک تھا کہ کبھی اس پر حسینی جمال نمودار ہوتا اور کبھی جلال حیدری۔

یہ تھی وہ عظیم المرتبت اور رفیع المنزلت شخصیت جس کی ولادت موضع بلہری ضلع فیض آباد خاندان مخدومیہ میں ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۵ء میں ہوئی۔ دنیائے رنگ و بو میں آتے ہی دوربیں نگاہوں نے آپ کی ولایت باطنی کو تاڑ لیا اور فرمایا۔

"یہ بٹیا ولی کامل ہے اپنے وقت کا قطب ہوگا اس کی برکت سے خلق اللہ کو

(۱) اطہر القادری : مخدوم ملت ص ۳۹

بے اندازہ فائدہ پہنچے گا اور گمراہوں کو حق وصداقت اور ایمان کی دولت سے مالا مال کرے گا۔" (۱)

بزرگوں کی زبان سے نکلا ہوا یہ لفظ حرف بحرف سچ ثابت ہوا اور جب تک دنیا میں رہے ایک جمعیت آپ کی گرویدہ ہو کر ہدایت حق حاصل کرتی رہی۔

مخدوم ملت صوفی عبدالسبحٰن "مظہر شاہ بھیکا" سے بھی مشہور ہیں۔ شاہ بھیکا دراصل آپ کے وہ خاندانی بزرگ ہیں جو مکہ معظمہ سے ملک ہندوستان ہجرت کر کے آئے تھے۔ جن کا نام سید قیام الدین مکی (رحمۃ اللہ علیہ) تھا۔ ہندوستان میں فیض آباد ضلع میں سرزمین بلہری کو اپنا وطن بنایا اور یہیں سے رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دے کر بے شمار لوگوں کے دلوں کو نورِ ایمان سے منور فرمایا۔ اس خانوادہ میں کئی جلیل القدر صاحبانِ کشف وکرامت گذرے ہیں۔ صاحبِ تذکرہ صوفی عبدالسبحٰن اسی خانوادے کے روشن چراغ ہیں۔

والدِ ماجد حضرت خواجہ سید عبدالستار کے ظلِ عاطفت میں علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ خواجہ سید عابد علی شاہ نے بھی نورِ معرفت اور فیضِ روحانی سے آپ کو مالا مال کیا۔ آپ کی شخصیت میں سادگی وشرافت کوٹ کوٹ بھری ہوئی تھی۔ لباس عالمانہ اور قیمتی زیب تن فرماتے۔ ہمیشہ باوضو رہنے کی عادت تھی۔ دورانِ سفر اپنا بستر ساتھ رکھتے۔ گھوڑے کی سواری پسندیدہ تھی۔ فقیروں کے ساتھ عجز وانکسار کے ساتھ پیش آتے۔ بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت آپ کا خاص وطیرہ تھا۔ زہد وتقویٰ ذہن ودماغ میں رچا بسا تھا ریاضت ومجاہدہ اوائل عمر ہی میں جزوِ زندگی بن چکا تھا۔ مختصر یہ کہ آپ کی پوری زندگی حق وصداقت کی آئینہ دار اور مسلکِ سنیت کی صحیح علمبردار تھی۔

حضور شیر بیشۂ سنت سے ملاقات کے بعد آپ ہر طرح اسلام وسنیت کی خدمت کیلئے میدان میں نکل پڑے۔ ذہن وفکر میں مذہبی تصلب تھا ہی، حق بات برملا کہتے۔

(۱) اطہر القادری : مخدوم ملت ص ۱۰

راست بازی مصلحت پسندی کے قائل نہیں تھے۔ دشمنانِ رسول پر اسقدر شدت فرماتے کہ آپ کا نام سُن کر رفو چکر ہو جاتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ دھرم سنگھوا (بستی) کے کسی دشمن رسول نے مناظرہ کا چیلنج کیا۔ آپ نے مناظرہ کرنا قبول فرمالیا۔ ادھر حضور شیر بیشہ سنت کو مناظرہ کی اطلاع ملی تو آپ بھی تشریف لے آئے۔ مناظرہ کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے۔ اب پورا مجمع دیوبندی مناظر کی آمد کا منتظر تھا۔ مگر ہوا یہ کہ حضور شیر بیشہ سنت کی موجودگی کی اطلاع پاتے ہی دیوبندی مناظرانہ گفتگو کرنے سے روگردانی کر بیٹھا اور حسب عادت دیوبندیوں کیطرف سے سنی مسلمانوں پر ڈھیلوں اور پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ حضور مخدوم ملت کا چہرہ غم وغصہ سے متغیر ہو گیا فوراً ہی آپ نے حصار فرمادیا جس کے سبب دیوبندیوں کیطرف سے آنے والا کوئی پتھر حصار کے اندر نہیں آتا تھا۔ حصار سے باہر آپ نے سنی مسلمانوں پر پابندی لگادی تھی اگر کسی نے حکم کے خلاف ورزی کی اور حصار سے باہر گیا تو اسے پتھر لگا اور وہ زخمی ہوا۔ وہ پتھر حصار کے اندر آنے کے بجائے واپس ہو کر انہی پتھر پھینکنے والوں کو لگتے۔ اس صورت حال پر وہابیوں دیوبندیوں میں کہرام مچ گیا۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ جس نے علمائے اہلسنت پر پتھر پھینکنے کا مشورہ دیا تھا وہ لنگڑا بھی ہو گیا۔ اس منظر کو دیکھنے کے بعد اس علاقے میں وہابیت پر مردنی چھا گئی اور قرب وجوار میں سنیت کا پرچم لہرانے لگا۔ (۱)

مخدوم ملت اس قدر حسین وجمیل تھے کہ جو شخص دیکھتا بس دیکھتا ہی رہ جاتا۔ آپ جدھر جاتے تو لوگ گھروں سے نکل کر آپ کے حسن وجمال کا نظارہ کرنے کے لئے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے۔ زیارت کا یہ شوق ہندو مسلم سب میں یکساں تھا۔ جس طرح سنی عوام آپ کے معتقد تھے ہندو بھی ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ جس پر نگاہ جم گئی وہ کسی قدر لائق ہو گیا، جس سے منہ پھیر لیا افلاس وتنگدستی اس کا مقدر

(۱) اطہر القادری : مخدومِ ملت ص ۴۵

بن گئی۔ مگر ایسا نہیں فرماتے سب کے ساتھ آپکا برتاؤ مخلصانہ تھا۔

امام اہلسنت مولانا احمد رضا علیہ الرحمہ سے آپ کو والہانہ عقیدت تھی۔ حدائق بخشش کے بے شمار اشعار آپ کو از بر تھے۔ ہر شعر کو کافی مزے لے کر پڑھتے۔ خاص طور سے وہ اشعار جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر ہوتا۔ اُسے بڑی محبت سے پڑھتے۔ اور فرطِ مسرت سے جھوم جھوم جاتے۔ اپنے پیر و مرشد کیطرح ذیل کے دو شعر آپ بھی ہمیشہ پڑھتے رہتے۔

پیارے حبیب کو پکار پیارے نبی کا نام لے
دامنِ مصطفےٰ میں آ پائے رسول تھام لے

عشق رسول میں آپ کا ہر لب و لہجہ ڈوبا ہوا تھا۔ زندگی کی ہر ادا سنّتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تھی۔ کبھی کبھی دو شنبہ مبارکہ کو اشعار پڑھتے پڑھتے اسطرح بادیدۂ نم ہوجاتے کہ چہرہ کا رنگ متغیر ہوجاتا۔ تھوڑی سی خاموشی کے بعد عشق و سرمستی کے کیف میں ڈوب کر فرماتے "قبر میں اللہ کے پیارے حبیب کی جلوہ آرائی ہوگی دیکھو وہ وقت کب میسر آتا ہے"۔

بزرگانِ دین اور اللہ والوں سے انھیں بے حد عقیدت تھی۔ اس عقیدت ہی کا نتیجہ تھا کہ جب کسی شہر کا سفر کرتے اور وہاں کوئی بزرگ آسودۂ خواب ہوتے تو خواب میں آپ کو زیارت ہوتی اور ہمکلامی کا شرف بھی ملتا۔ بعض مواقع پر ظاہری دیدار سے بھی مشرف ہوتے ہیں۔ (۱)

پیری مریدی کو پیشے کے طور پر استعمال کرنے کے قطعی مخالف تھے۔ اگر کوئی آپ سے بیعت کا ارادہ ظاہر کرتا تو فرماتے جلدی کیا ہے مرید ہوجانا میں اس لائق نہیں بزرگ ہستی کی بارگاہ میں حاضر ہوکر شرف بیعت حاصل کرو مگر ہزار کوششوں کے باوجود بیعت و ارادت سے اپنا دامن نہ بچا سکے اور ہزاروں بندگانِ خدا آپ کے دامنِ کرم سے

(۱) اطہر القادری : مخدومِ ملت ص ۵۷

وابستہ ہو ہی گئے۔ مریدین پر بے حد شفقت فرماتے۔ اگر کسی مرید کو پریشان حال دیکھتے تو فوراً بارگاہ رب ذوالجلال میں دست بہ دعا ہوجاتے۔ اپنا سینہ یاد مصطفےٰ کا ہمیشہ مدینہ بنائے رکھتے۔ خدا و رسول کا ذکر ہی ان کی زندگی کا حاصل تھا۔ جب اوراد و وظائف میں مشغول ہوتے تو استغراق اور محویت اس درجہ بڑھ جاتی کہ دنیا و مافیہا کی قطعی خبر نہیں رہ جاتی نمازِ صبح کے بعد حاجت مندوں کی خبر گیری فرماتے۔ ہر ایک کی خالی جھولی کو گوہر مقصود سے بھرنے کی کوشش کرتے۔

مخدومِ ملت صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ آپ اپنے احباب و متوسلین کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ کھانے پینے کے اسباب اتفاقاً سب ختم ہوگئے سفر طویل تھا۔ لوگ بھوک سے بیقرار ہونے لگے اور آپ سے کھانے کی اشتہا ظاہر کی تو آپنے فرمایا گھبرایئے نہیں اللہ تعالےٰ رازق ہے۔ کسی اسٹیشن پر گاڑی رُکی۔ اتنے میں کوئی عمر دراز شخص سر پر دستر خوان لے کر حاضر ہوا اور آپ کے سامنے رکھکر عرض کیا حضور کھانا حاضر ہے تناول فرمایئے۔ سب لوگوں نے کھانا کھایا پھر ٹرین چل پڑی۔ اور وہ بزرگ سر پر دستر خوان رکھکر دو قدم چل کر غائب ہوگئے۔ (۱)

حضور مخدوم ملت بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اخلاق فاضلہ سے نوازا تھا۔ رب العزت سے حقیقی ملاقات کا علم آپکو پہلے ہو گیا تھا۔ وصال سے پہلے ہی مرقدِ انور کی نشاندہی کردی تھی۔ ۱۲ر جمادی الآخر ۱۳۹۶ھ کو بروز جمعہ حضرت آستانہ عالیہ پر تشریف لائے۔ اور بروز اتوار بتاریخ ۱۴ر جمادی الآخر ۱۳۹۶ھ/۱۳ر جون ۱۹۷۶ء کو آپ نے مولوی سید عبدالرب عرف چاند بابو کی والدہ ماجدہ کو پانچسو روپے عطا کئے اور فرمایا اسے رکھ لو کل تمہارے کام آئیں گے۔ چاند بابو کی والدہ محترمہ نے عرض کیا ماموں! (ایک رشتے میں آپکی بھانجی بھی ہیں) اتنے روپے کا کیا کروں گی۔ حضرت نے فرمایا رکھو تاکہ تمہیں کل تلاش کرنے میں پریشانی نہ ہو آگے جان کر کیا کروگی"۔ (۲)

(۱) اطہر القادری : مخدوم ملت ص ۶۹
(۲) اطہر القادری : مخدوم ملت ص ۸۳

پھر آپ آستانہ میں گئے اور فرمایا کہ اب میں یہیں رہوں گا۔ روز دوشنبہ سے بے حد عقیدت تھی۔ طلوع آفتاب سے ہی چہرے پر مسکراہٹ دوڑنے لگی تھی۔ کیوں کہ آج محبوب حقیقی سے ملاقات کا دن تھا نماز ظہر ادا کی عصر کا وقت آیا۔ مؤذن سے کہا میں عصر کی اذان دوں گا اسلئے کہ یہ ہماری آخری اذان اور نماز ہوگی۔ کس سوز و گداز اور خلوص و محبت سے نماز پڑھی ہوگی خدا ہی جانتا ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد مریدین، متوسلین اور جملہ مومنین کیلئے دینی و دنیوی صلاح و فلاح اور کامیابی و کامرانی کی دعا فرمائی۔ پھر بارگاہ مخدوم میں حاضر ہوئے۔ وہاں جو کچھ عرض کرنا تھا عرض کیا۔ صوفی عبدالقادر صاحب بھی حاضر بارگاہ تھے۔ آنکھوں میں آنسوؤں کے سیلاب موجیں مار رہے تھے۔ پھر احاطہ کے اندر ہی دو قدم پیچھے ہٹ کر فرمایا یہی میری آخری آرامگاہ ہے۔ وہاں سے نکل کر آپ آرام فرمانے بستر پر تشریف لائے۔ قدم قدم پر بھینی بھینی خوشبو آرہی تھی۔ بستر پر لیٹے چند لمحے گذرے ہوں گے کہ کلیجہ شق کرنے والی ساعت آگئی اور تھوڑی ہی دیر میں سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر بروز دوشنبہ مبارکہ بعد نماز عصر ۱۵ ر جمادی الآخر ۱۳۹۶ھ / ۱۴ جون ۱۹۷۶ء ۶ ر بجکر ۲۵ ر منٹ پر محبوب حقیقی سے جا ملے۔ "معدن جود و سخاوٗ مقتدا" اور "اے عاقبت بخیر" سے آپکا سن وصال ۱۳۹۶ھ برآمد ہوتا ہے (۳) سچ کہا ہے کہنے والے نے ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

(۳) اطہر القادری : مخدومِ ملت ص ۸۰

حکیم صوفی حیات علی بھاؤ پوری

حضور شیر بیشہ سنت کے خلفاء میں حضرت مولوی صوفی حکیم محمد حیات علی وہ معتبر نام ہے جنھوں نے بڑی دلجمعی کے ساتھ اپنے مرشد کے مشن کو عوام تک پہنچایا ہی نہیں بلکہ اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ اسی کیلئے وقف کر دیا۔ بحمداللہ دل میں نور ایمان کا اجالا تو تھا ہی جسمانی اعتبار سے بھی آپ کی شخصیت وجیہہ و پروقار ہونے کے ساتھ ساتھ نورانی شکل و صورت لئے ہوئی تھی۔ خوبصورت نورانی چہرہ، لمبی گھنی داڑھی، آنکھوں میں خوداعتمادی وخداشناسی کی چمک، مناسب موزوں لمبا قد، باتوں میں اس درجہ پیار و محبت ہوتی کہ جی چاہتا کہ بس بات کرتے ہی رہ جائیں۔ جس سے ملتے خلوص سے ملتے۔ منافقانہ رویّہ کے قطعی مخالف تھے۔ متصلب فی الدین ہونے کے ناطے ہر کس و ناکس سے مصافحہ کرنا پسند نہیں فرماتے اگر کسی کی بدعقیدگی کا علم ہو جاتا تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح طرزِ زندگی اُس کے سامنے پیش کرتے۔ اور ہر طرح کی مثالیں دیتے تاکہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ گونڈہ، بستی اور سدھارتھ نگر اور دیگر نواحی اضلاع میں آپ کی بے حد مقبولیت تھی۔

آپ کی ولادت ایک متدین گھرانے میں ۱۹۰۷ء میں ہوئی۔ والد گرامی بڑے خداترس اور خدارسیدہ بزرگ تھے۔ انہی کے زیر سایہ گھر پر ہی تعلیم ہوئی۔ عربی و فارسی کا درس گھر پر لیا۔ مذہبی کتابوں کا محنت سے مطالعہ کیا۔ تکمیل الطب لکھنؤ سے سندِ طبابت حاصل کی۔ علماء کی صحبت سے انھیں بے حد فائدہ پہنچا ہے۔ مسائلِ شرعیہ کی واقفیت اور اس کے اصول و فروع میں دسترس علماء کی صحبت کا ہی نتیجہ ہے۔

اٹوا بازار ضلع سدھارتھ نگر کے مغرب و جنوب میں بھاؤ پور بہت ہی مشہور ومعروف گاؤں ہے وہی آپ کی جائے ولادت ہے۔ تحصیل علم کے بعد آپنے پہلے مڑلا بھد و کھر بازار اور رموا پور جیسے اہم مواضعات میں تدریسی فرائض انجام دیئے پھر بعد

میں اپنے وطن ہی میں اشاعتِ دینِ حق کا فریضہ انجام دینے لگے۔ لوگوں میں دینی رجحان دیکھ کر آپنے موضع بھاؤ پور میں مدرسہ اہلسنت قادریہ کے نام سے ۱۹۴۵ء میں ادارہ قائم کیا جو آج بھی "مخزن العلوم" کے نام سے اشاعت دین حق کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

حضرت صوفی صاحب قبلہ پہلے صوفی نقی علیخاں جگجوا (بستی) کے مرید تھے آپ کے دل میں آپکے پیر و مرشد کا بڑا احترام تھا۔ ادب کا عالم یہ تھا کہ اپنے مرشد کے وطن کی طرف نہ تو کبھی پاؤں پھیلا کر سوئے اور نہ ہی ادھر منھ کر کے تھوکا۔ مگر یہ ادب اس وقت تک رہا جب پیر و مرشد بزرگانِ دین کے صحیح راستے پر گامزن تھے۔ لیکن جب انھوں نے دشمنان رسول کو برا کہنا ترک کر دیا تو صوفی صاحب کچھ ان سے بدظن ہو گئے۔ کئی بار انھوں نے کوشش کی کہ مذہب اہلسنت وجماعت کے جملہ اصول وضوابط پر کاربند رہیں مگر آپ کو کامیابی نہ ملی تو آپ نے اپنا سلسلہ ارادت توڑ کر کے حضور شیر بیشہ سنت سے وابستہ کر لیا۔ یہ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ کی بات ہے۔ پھر تادمِ حیات بڑے ادب واحترام کے ساتھ آپ حضور شیر بیشہ سنت سے وابستہ رہے اور مرشد کے مشن کو پھیلانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔

بیعت کے ساتھ حضور شیر بیشہ سنّت نے آپ کو خلافت جیسی انمول دولت بھی عطا کی تھی۔ اس سے آپ کی علمیت اور تقوی وتدین کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ کے زہد وورع کو دیکھکر لوگ آپکے دامن سے وابستہ ہونے لگے۔ پیر و مرشد نے خلافت عطا کی ہی تھی آپنے بھی بیعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ کتنے لوگوں نے آپکے دستِ حق پرست پر اپنا ہاتھ دیا۔ اسکی صحیح تعداد تو نہیں بتائی جا سکتی کیونکہ آپ سے مرید ہونے والوں کا کوئی باضابطہ ریکارڈ نہیں رکھا گیا۔ لیکن آپکے فرزند اکبر اور جانشین مولانا عزیزالرحمٰن صدیقی کے بقول آپکے مرید کی تعداد تقریبًا سات ہزار ہے جسمیں آپکے خلفا بھی شامل ہیں۔

بھاؤ پور کے ہی نہیں بلکہ سدھارتھ نگر میں سنیت کی داغ بیل تو شیر بیشہ سنت نے ڈالی تھی، لیکن اُسے سَرسبز وشاداب رکھنے میں جو آپنے کارہائے نمایاں انجام دیئے اس سے کسی کو انکار نہیں۔ انہی دونوں حضرات کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج اس علاقے

کے اکثر مسلمان سنی راسخ العقیدہ ہیں۔ اور صحیح طور پر سنت مصطفٰے کی پیروی میں سرگرم عمل ہیں۔

صوفی صاحب قبلہ شعر وسخن کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے۔ فارسی اور اردو میں فی البدیہہ اشعار کہنے کا ملکہ حاصل تھا۔ بھوجپوری زبان میں بڑے صاف ستھرے انداز میں نعتیں کہتے تھے۔ آپ کے شعر وسخن پر مشتمل مجموعہ کلام "کلیات حیات" کے نام سے دو حصوں میں ۱۹۸۰ء میں طبع ہو چکا ہے۔ ذیل کے اشعار سے شعر وسخن سے گہری دلچسپی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اردو

کاش تقدیر سے طیبہ کا گلستاں ملجائے ٭ ان کی رحمت سے ہمیں گوشۂ داماں ملجائے
آنکھیں پرنور ہوں ماتھے کا ستارہ چمکے ٭ فضل فرمادے الٰہی درِ جاناں مل جائے
تمہارا مثل مملوکِ خدا میں مل نہیں سکتا
جہاں روح الامیں نے چھان مارے یارسول اللہ
پروانہ وار مست ہیں شیدائے مصطفٰے ٭ ان سے مدینہ چھوڑ کر جایا نہ جائیگا

فارسی

عرش وکرسی ہرچہ باشد ہست سامان او ٭ بوالعجب منکر مشو تسلیم کن درجات را
چوں محب شد خالقش از فضل خواہاں کسے ٭ ہرچہ بینی ناصحا ایں جلوہ ہا در جہاں

ہندی

کرے ناہیں سوچ جگت بورا نی
جون پہ بُون خرچ ناہیں کرہیں ٭ جر گئے کھیت توڑاریں پانی
کرے ناہیں سوچ جگت بورا نی
چلت پھرت ماں بہو تن مر گئے ٭ پانی کا بُلا ہے کائہ جنگانی
کرے ناہیں سوچ جگت بورا نی

سوچ حیات کرو من ماہیں ۔ کھیلیو بہت ہے رمزتُ نیرانی
کرے ناہیں سوچ جگت بورانی

شاعری ان کی خداداد صلاحیت تھی۔ اسلئے کہ کسی طرح یہ نہیں معلوم ہوتا کہ انھوں کسی سے اصلاح سخن لی ہے۔ شعر و سخن کے موضوع سے متعلق دوسری کتاب " نیا شہادت نامہ" ہے ایک شہادت نامہ کسی شیعہ شاعر کا منظوم کردہ سنّی حلقوں میں بھی پڑھا جاتا تھا۔ اس میں بعض روایات من گڑھت تھیں اسوجہ سے صوفی صاحب نے ایک نیا شہادت نامہ بھی لکھا۔ جو بہت ہی زیادہ مقبول ہوا۔ جہاں انھوں نے اپنا تعارف اشعار میں پیش کیاہے۔ اس میں مقطع اس طرح لکھتے ہیں۔

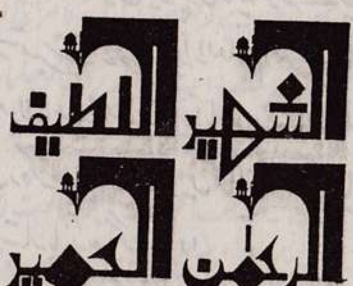
تعریف اپنی میں ہی بتادوں ضروری ہے ۔ ناچیز یہ حیات علی بھاؤ پوری ہے

اسطرح کلام میں یکسانیت حد درجہ ہے۔ مشکل ترین واقعات کو بڑے سلیس لہجے میں نظم کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اشعار کی قافیہ بندی میں تو درک تھا ہی وہ چلتے پھرتے روزمرہ کی بول چال میں بھی قافیہ بند ہم وزن الفاظ بولنے کے خوگر تھے۔ یہ میرا بارہا کا تجربہ ہے۔ کیوں کہ جس زمانے میں میں مدرسہ حشمتیہ معراج العلوم میں زیر تعلیم تھا تو فرصت کے دنوں میں صوفی صاحب کی خدمت میں حاضری دیکر شرف نیاز ضرور حاصل کرتا اور اکثر آپ کے ساتھ محفل میلاد النبی صلے اللہ علیہ وسلم میں بھی شرکت کی ہے۔ اسلئے دوران گفتگو ایسی بہت سی باتیں سُنی ہیں جو مسلسل قافیہ بند ہوتی تھیں چونکہ شعر و سخن کے ابتدائی ایام میں میرے کلام کی اصلاح آپ ہی فرماتے تھے اس لئے آپ سے مجھے ایک قسم کا تعلق خاطر ہو گیا تھا۔ جب بھی ملتے بڑے پُرتپاک انداز میں ملتے، گلے لگاتے، دعائیں دیتے۔ میری ترقی سے آپ بے حد خوش تھے۔ اگر ایک عرصہ بعد ملاقات ہوتی تو جب تک پوری تفصیل نہیں معلوم کر لیتے دم نہ لیتے۔ میں جہاں کہیں بھی رہا جب بھی گھر جاتا تو صوفی صاحب سے دعائیں لینے ضرور جاتا۔ عمر کی تقریباً سو بہاریں دیکھ چکے تھے مگر بینائی کا وہی عالم۔ غالباً عینک کا استعمال کبھی نہیں کیا اور

لکھنے پڑھنے کا کام بدستور جاری رہا۔ سنجیدہ طبیعت ہونے کے ساتھ بیحد خوش مزاج بھی تھے۔ روتا ہوا شخص ان سے ملنے آتا تو لبوں پر مسکراہٹ لیکر واپس ہوتا ایسی باتیں اپنے تجربات کی روشنی میں بتاتے جسے سُن کر انسان دم بخود رہ جاتا۔

صوفی صاحب کے صاحبزادگان میں حضرت مولانا ابوالقمر کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ آپ صوفی صاحب کے سچّے جانشین ہیں قرب وجوار میں مقرر و مدرس کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ آپ سے علمی استفادہ کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے حضور شیر بیشۂ سنّت سے بیعت و خلافت بھی حاصل ہے اسلئے بیعت و خلافت کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔ آپنے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ حضور شیر بیشۂ سنّت کی خدمت میں گذارا ہے

صوفی صاحب نے تقریباً ایک صدی اشاعتِ دین حق کا فریضہ انجام دے کر ۱۹؍ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ کو جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ اسطرح سادگی و شرافت زہد و اتقا اور خلوص و محبت کا ایک حسین پیکر ہمیشہ کیلئے روپوش ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا روحانی فیض معتقدین کیلئے عام و تام کرے۔ (آمین)



حضرت مولانا بدرالدین احمد رضوی

حضور شیر بیشۂ سنت علیہ الرحمہ کے حلقوں میں ایسے ایسے ارباب علم و فضل ہیں جن کے فضائل و کمالات کے چرچے علمی حلقوں میں تادیر کئے جاتے رہیں گے۔ حضرت مولانا بدرالدین احمد رضوی گورکھپوری انھیں صاحبان فضل و کمال میں سے ایک ہیں۔ آپ کی شخصیت حلقۂ علم و ادب میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ سے اکتساب علم کرنے والوں کا ایک سلسلہ ہے جن کی صحیح تعداد نہیں بتائی جا سکتی۔ دارالعلوم فیض الرسول سدھارتھ نگر کے اہم فارغین کو کسی نہ کسی طرح آپ سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔ اور جن لوگوں کو آپ سے تلمذ حاصل نہیں وہ یقیناً آپکی علمی کتابوں سے مستفید ہوئے ہوں گے اور انہی کے ذریعہ علم و فضل کے معترف ہوئے ہوں گے۔

حضرت مولانا بدرالدین احمد رضوی کی ولادت ننھال موضع حمید پور ضلع گورکھپور جو "راوت پار" سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق ۱۹۲۹ء میں ہوتی۔ اردو کی تعلیم تو آپنے قصبہ شاہ پور میں حاصل کی۔ لیکن عربی و فارسی کی تعلیم کے لئے والد ماجد جناب عاشق علی مرحوم نے مدرسہ انوار العلوم قصبہ جین پور ضلع اعظم گڈھ میں داخل کر دیا۔ مولانا محمد خلیل کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے چار سال اس ادارہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ستمبر ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور سے وابستہ ہو گئے۔ حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اور اس دور کے اساتذہ کے زیر اثر تقریباً چار سال رہ کر علوم متداولہ میں کمال حاصل کیا۔ ۵ر مئی ۱۹۵۲ء کو مقدس علماء کے ہاتھوں دستار باندھا گیا۔ (۱)

موضع کوٹواری (دلبیا) اور انجمن معین الاسلام (بستی) میں آپنے تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ اہم اور قابل ذکر مسلمانان اہلسنت ہند کی عظیم ترین درسگاہ

(۱) بدرالدین احمد : جواہر المنطق ص ۶ طبع نامس ۱۴۰۵ھ دہلی

دارالعلوم فیض الرسول ہے جہاں آپنے زندگی کے بشیتر اہم لمحات گذارے۔ ایک مدت تک آپنے وہاں صدر المدرسین کی حیثیت سے تدریسی فرائض انجام دیئے۔ پھر ۵ر نومبر ۱۹۷۵ء کو نامساعد حالات کے سبب مستعفی ہو کر اراکین مدرسہ غوثیہ فیض العلوم بڑھیا سدھارتھ نگر کی طلب پر "بڑھیا" آگئے۔ ۲۴ر نومبر ۱۹۷۵ء سے تادمِ حیات اس ادارہ میں رہ کر تشنگان علوم و فنون کی تشنگی بجھانے میں مصروفِ عمل رہے۔ اس ادارہ کے اراکین کے خلوص سے کچھ اس درجہ متأثر ہوئے کہ آپنے وہیں اپنا مستقل وطن بنالیا۔ اسطرح آپ ضلع سدھارتھ نگر کے مستقل باشندے ہو گئے تھے۔

رضوی صاحب کو علوم متداولہ پر دسترس حاصل تھی۔ بنیادی کتابوں کی تعلیم پر آپ بہت زور دیتے تھے۔ جس نے محنت اور سچی لگن سے آپ کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی اسے اہل علم کے حلقہ میں داد و تحسین ملی اور علمی میدان میں کامیاب رہا۔

رضوی صاحب اصول و ضوابط کے بہت پکے تھے۔ خلاف شرع امور اگر ان کے سامنے کسی سے سرزد ہو جاتے تو فوراً ٹوک کر اصلاح کر دیتے تھے۔ آپ کا یہ برتاؤ امیر، غریب اور سب کے ساتھ یکساں ہوتا تھا۔ خلاف شرع کام نہ تو دیکھنا پسند فرماتے اور نہ ہی سننا گوارہ کرتے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں کا مزاج ان سے ہم آہنگ نہیں ہو پاتا تھا زہد و اتقا میں آپ اپنی مثال تھے۔ اپنے شاگردوں کو علماء صالحین کی روش پر کاربند رکھنا چاہتے تھے۔ تصلب فی الدین کے معاملے میں آپ حضور شیر بیشۂ سنت کے سچے خلیفہ اور صحیح جانشین تھے۔ مسلک اہلسنت کی اشاعت و تبلیغ میں کسی مصلحت پسندی کے روادار نہیں۔ حق کہنا، حق لکھنا، اور مذہب حق کی نشر و اشاعت ہی اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے۔ کسی مسئلے کو صاف ستھرے انداز میں بیان کر دینے کے قائل تھے۔ عبارت شستہ اور سلیس ہوتی تھی۔ تصنیف و تالیف کا اعلیٰ ذوق حاصل تھا اور اسی کو اگر آپ کی زندگی کا محبوب مشغلہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ جس موضوع پر قلم اٹھایا

حق ادا کر دیا۔ تذکرہ علمائے بستی میں ہے۔

"تصنیف و تالیف کے میدان میں آپ (مولانا بدر الدین احمد) کا اشہبِ قلم مختلف موضوعات پر یکساں اپنی جولانی فکر دکھاتا ہے۔ ڈیڑھ درجن کتابوں کے آپ مصنف ہیں، بعض کتابیں تو سدا بہار کا درجہ رکھتی ہیں"۔ (۱)

رضوی صاحب کی تصانیف کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ طلبہ کی اصلاح اور ان کی تعلیم کو مزید معیاری بنانے کیلئے نحو و صرف اور منطق جیسے اہم موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں جو اہلسنت و جماعت کے بیشتر مدارس میں داخلِ نصاب ہیں۔ آپ نے اپنی قلمی صلاحیتوں کا رخ ادھر کیوں مرکوز کیا اس کا سبب بتاتے ہوئے ایک مقام پر رقمطراز ہیں۔

"میں نے زمانہ تدریس میں محسوس کیا کہ موجودہ نسل کے اکثر بچے عربی فارسی ماحول کے فقدان اور کثافت ذہنی کے باعث منطق نحو و صرف کی کتابیں اور بنیادی مسائل سمجھنے سے کورے ہوتے ہیں اسلئے میں نے ان کی سہولت کی خاطر یہ کتابیں تصنیف کیں" (۲)

رضوی صاحب نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا اپنی گراں قدر معلومات کتابی شکل میں حلقۂ علم و ادب میں پیش کیں ان کی فہرست کچھ اس طرح ہے۔

(۱) عروس الادب (۲) فیض الادب اول (۳) فیض الادب دوم (۴) تلخیص الاعراب (۵) جواہر المنطق (۶) سوانح اعلیٰحضرت (۷) نورانی گلدستہ (۸) تذکرہ سرکار غوث (۹) تذکرہ سرکار خواجہ

اس کے علاوہ بچوں کی تعلیم اور ان کے مزاج کو مذہبی رنگ میں ڈھالنے کے لئے اصلاحی موضوع پر "تعمیر ادب" کے نام سے کئی حصوں میں کتابیں لکھیں جو درجات

(۱) غلام یحییٰ انجم : تذکرہ علمائے بستی ص ۵۸ فیض آباد ۱۹۸۸ء

(۲) مجلہ علوم اسلامیہ علی گڈھ ص ۱۴۵ جلد ۱۳ شمارہ ۱، ۲، ۱۹۸۶ء

پرائمری میں اول تا پنجم داخل نصاب ہے۔ اس طرح وقت کی اہم ضرورت کو پیش نظر رکھ کر خامہ فرسائی کرتے جس سے اکثر لوگ مستفید ہو سکیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آپ کی ہر قلمی کاوش قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ آپنے ایک کتاب ایسے نازک مسئلوں سے متعلق ترتیب دی ہے جس سے شعراء اپنی شاعری میں ارتکاب کئے بغیر نہیں رہتے۔ یعنی ان الفاظ سے متعلق تفصیلی بحث ہے جس کے استعمال سے بارگاہِ رسالت میں بے ادبی و گستاخی لازم آتی ہے۔ کتاب عنقریب طباعت کے مراحل سے گذرنے والی ہے۔

تدریسی دنیا سے ہٹ کر مسائل شرعیہ کے بتانے اور لکھنے کے لحاظ سے بھی آپ کی شخصیت مسلم ہے۔ آپ اپنے کو باضابطہ "مفتی" تو نہیں تسلیم کرتے مگر کسی استفتاء کے آنے پر جواب دینے میں کوتاہی بھی نہیں برتتے۔ آپ کے قلم سے صادر ہوئے فتاوی عوام و خواص دونوں حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

شاہزادہ سرکار اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے نورانی ہاتھوں پر ۱۶ر جنوری ۱۹۵۱ء کو بعد نماز عشاء سلسلہ عالیہ قادریہ نوریہ رضویہ میں بیعت کی اور پھر زمانہ قیام براؤں میں مفتی اعظم ہند نے ہی سلسلۂ قادریہ رضویہ اور دیگر سلاسل مبارکہ کا مجاز بنا کر خلافت نامہ عطا فرمایا۔

انجمن معین الاسلام بستی میں جسوقت آپ صدر المدرسین کے فرائض انجام دے رہے تھے اسی زمانے میں حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ نے آپکی علمی صلاحیت اور زہد و ریاضت کے پیش نظر آپکو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ صادقیہ وغیرہ سلاسل مقدسہ کی اجازت و خلافت کی انمول دولت سے نوازا (۱) یہی وہ فیضان ہے جسکے سبب آپکی شخصیت علماء و فضلاء کے حلقہ میں ادب و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی رہی۔ ۷ر رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ ۱۳ر مارچ ۱۹۹۲ء کو اچانک حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی (۲) اسطرح علم و فضل کا یہ آفتاب نصف صدی سے زائد علم کی روشنی بکھیرنے کے بعد ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون)

(۱) بدر الدین احمد : جواہر المنطق ص ، (۲) جہان رضا : لاہور ، اپریل ۱۹۹۲ء

عالیجناب الحاج احمد عمر ڈوسا حشمتی

حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ کو یوں تو تمام خلفاء عزیز تھے مگر جنہیں آپ نے اپنے سے زیادہ قریب کیا اور بے حد محبت فرمائی ایسے لوگ کم ہیں۔ محسن سنیت عالیجناب الحاج احمد عمر ڈوسا صاحب کی ذات گرامی انہی میں سے ایک ہے۔

ڈوسا صاحب کا اصل آبائی وطن تو کاٹھیاوار گجرات ہے مگر والدین ایک عرصے بمبئی میں مقیم تھے وہیں آپ کی ولادت ہوئی۔ زندگی کے ابتدائی لمحات غربت وافلاس کے ماحول میں بسر ہوئے۔ مذہب سے لگاؤ ضرور تھا مگر راسخ العقیدگی سے محروم تھے۔ بزرگوں کا احترام بے حد کرتے۔ آپ کی دل کی دنیا اسوقت بدلی جب آپکا تعلق حضور شیر بیشۂ سنت رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا۔ اس وابستگی کی ایک دلچسپ داستان ہے۔ مختصر یہ کہ جناب ابراہیم حاجی قاسم کونڈلی والے وہ اہم شخص ہیں جنھوں نے ڈوسا صاحب کو شیر بیشۂ سنت سے قریب کیا اور انہی کے توسط سے آپنے حضور شیر بیشۂ سنت کے دامن میں ۱۹۵۱ء میں پناہ لی اور مرید ہوئے۔ مرید ہونے کے بعد زمانہ کا برتاؤ آپ کے ساتھ مخلصانہ رہا۔ پیرومرشد کا کچھ ایسا کرم ہوا کہ وہ زندگی جو افلاس وتنگدستی کی ماری تھی اب دولت وثروت کے سایہ میں بسر ہونے لگی۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے کہ اگر طلب صادق ہو تو خدا مل جاتا ہے۔ غربت سے دولت، تنگدستی سے فراخی کی طرف آنے میں جو واقعات در پیش آئے ہیں اسے خود ڈوسا صاحب کی زبانی سنیئے فرماتے ہیں۔

"بمبئی میں ایک نابینا پیر بھائی کے یہاں ہماری دعوت تھی وہاں سے فراغت کے بعد حضرت قطب کوکن مخدوم ماہمی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں حاضری دی۔ حضرت قبلہ میرے ساتھ ساتھ فاتحہ نذر ونیاز سے فارغ ہوئے تو حضور نے مجھے دفتر میں لے جاکر خلافت کی انمول دولت سے سرفراز کیا۔"

حضور شیر بیشۂ سنت نے ڈوسا صاحب کو خلافت کیا عطا فرمائی کہ اسکے پردے

میں بے شمار دولتوں اور ثروتوں سے مالا مال کردیا۔ اس کے بعد آپ مزارت مقدسہ کی حاضری کے لئے نکل پڑے۔ مثل مشہور ہے السفر وسیلۃ الظفر سفر کامیابی کا ضامن ہے روداد سفر کا ذکر کرتے ہوئے راقم السطور کے پاس مرسلہ ایک مکتوب میں آپ فرماتے ہیں۔

"بمبئی سے اجمیر مقدس حاضری ہوئی۔ ایک وظیفہ کا ورد جاری تھا۔ وظیفہ تین دن کا تھا مگر پانچ روز لگ گئے۔ اس وظیفہ کے پیچھے ایک تمنا تھی اور وہ چالیس لاکھ روپے کا حصول تھا حجرۂ خادم میں روتا آیا آنکھوں میں آنسو رواں تھے مگر کامیابی نہیں ملی۔ عرض کیا آپ کے در سے لاکھوں کی بگڑی بنتی ہے اور میں واپس جارہا ہوں آواز آئی چالیس ہزار دیئے لے میں نے کہا نہیں ضرورت چالیس لاکھ کی ہے دوسری آواز آئی پیر تک ٹھہر یہ دن جمعہ کا تھا مگر عرس برکاتی میں شرکت کیلئے مارہرہ شریف حاضر ہونا تھا، تبرکات کی زیارت کرنی تھی سنیچر کی صبح ریلوے اسٹیشن اجمیر آیا، مارہرہ شریف کا ٹکٹ لیا اور گاڑی میں سوار ہوگیا۔ گاڑی اسٹیشن سے چل پڑی مگر ایک جگہ جاکر رک گئی وہی دن تبرکات کی زیارت کا تھا۔ جس طرح وقت گذرتا جارہا تھا اسی طرح بیچینی بڑھتی جارہی تھی۔ بالآخر شام کو گاڑی وہاں سے چلی اور ہم ایک بجے رات مارہرہ شریف پہنچے۔ دو پولیس والوں کی ہمراہی میں روضۂ اقدس پر حاضر ہوا حضرت چھے میاں کے یہاں کھانا کھایا پھر روداد سفر بیان کرنے لگا تو دوران گفت گو معلوم ہوا کہ آج تبرکات کی زیارت نہیں ہوئی ہے کل تبرکات کی زیارت کرائی جائیگی۔ دل باغ باغ ہوگیا۔ عرس رضوی میں شرکت کے لئے بریلی شریف چل پڑا۔ وہاں پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ میرے پیرومرشد حضور شیر بیشۂ سنت تشریف نہیں لائے ہیں۔ آستانہ سرکار اعلحضرت پر حاضری دیکر عرض کیا حضور میرے پیرومرشد کو بلوادیں۔ آستانہ پاک سے واپسی پر رضوی مسجد کی دیوار کے پیچھے شیر بیشہ سنت بیٹھے ہوئے نظر آگئے

بڑھکر دست بوسی کی اجمیر شریف کا پورا واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا ٹھہر جاتے یہاں کی حاضری آئندہ سال ہو جاتی پھر میرا ہاتھ پکڑ کر بارگاہ رضویت میں لے گئے۔ پھول وشیرینی تقسیم کرنے کے بعد میرا سر مزار مقدس کی پائیں پر رکھکر فرمایا۔

"سرکار یہ آپ کا خادم ہے آپکے آستانے پر حاضر ہے"

اس کے بعد باہر آگئے چالیس لاکھ روپے کی طلب نے دل میں پھر انگڑائی لی دوبارہ پھر دربار میں حاضر ہوئے اور عرض مدعا کر دیا حضور! چالیس لاکھ روپے اجمیر شریف سے چھوڑ کر یہاں آیا ہوں آپ خواجہ والے ہیں آپ ہی دے دیجئے۔ قل شریف کے روز مزار شریف پکڑ کر ایک وظیفہ پڑھا ایک سو گیارہ بار پڑھنے کا ارادہ تھا اور وہی چالیس لاکھ۔ روپے کی طلب پچاس بار سے کچھ زائد پڑھا تھا کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مزار پاک سے ملنے لگا عطر کی خوشبو سے دل ودماغ معطر ہو گیا ایسی خوشبو زندگی میں کبھی نہیں سونگھی تھی۔ جب یہ وظیفہ اسّی کی تعداد تک پہنچا کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا احمد عمر ڈوسا کس کا نام ہے حاجی ابوبکر صاحب مفتی اعظم ہند کے پاس بلارہے ہیں۔ وہاں پہنچا اور ان حضرات کے ساتھ کھانا تناول کیا مگر ذہن ودماغ میں وہی چالیس لاکھ کا تصوّر رچا بسا تھا۔ کسی نے بتایا کہ بدایوں شریف میں سات ابدال "احمد" نام کے ہیں جو جس مقصد سے ایک دن میں وہاں حاضری دیتا ہے اسکی جائز تمنا ضرور پوری ہوتی ہے۔ رضوی مسجد میں حاضر ہو کر پیر و مرشد کی دست بوسی کر کے بدایوں شریف جانے کی اجازت طلب کی۔ اتنا سننا تھا کہ حضرت کو جلال آگیا اور فرمایا۔

"ابھی تیری جھولی نہیں بھری مجھے تو اُن کے ہاتھ دیکھنے ہیں"

قریب میں مفتی اعظم بمبئی حضرت مولانا محمد محبوب علی صاحب تشریف فرما تھے۔ کرخت لہجہ سن کر فرمایا بھائی جان کیا بات ہے۔ میں نے اُن سے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت محبوب ملت کے کہنے سے پیر و مرشد نے مجھے بدایوں جانیکی اجازت دی۔ مگر میں نے کہا کہ اب نہیں جاؤں گا۔ پھر حضرت کے ساتھ میں پیلی بھیت آگیا۔ میرے اعزاز میں حضرت نے دعوت کی اور میں عرس ضیائی میں شرکت کر کے بمبئی آگیا"۔ (۱)

اس سفر سے واپسی پر اللہ تعالٰی نے ڈوسا صاحب پر مال و دولت کی جو بارش کی اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ جتنی آپ کی طلب تھی اس سے سوا آپ کو ملا۔ آج دولت و ثروت کی جو فراوانی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ اور بحمد اللہ اُسے خرچ کرنے کا جذبہ بھی رکھتے ہیں۔ ہندوستان کی درجنوں مساجد آپ ہی کی صرف خاص سے تعمیر شدہ ہیں۔ لاکھوں روپے آپ نے مذہبی کتابوں کی طباعت کیلئے مؤلفین و مصنفین کو دیئے ہیں۔ لاکھوں روپے سے تیار ہونے والا حشمتی مزار آپ ہی کے زر خاص سے زیر تعمیر ہے اس کے علاوہ پوشیدہ طور پر نہ جانے کس کس طرح ضرورتمندوں کی حاجت روائی کرتے ہیں۔ ہمارے استاذ گرامی حضور حافظ ملت بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے سچ فرمایا تھا کہ "آدمی کا مالدار ہونا کمال نہیں اس دولت کا صحیح راستہ پر خرچ کرنا کمال ہے"۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے اس قول کی عملی تفسیر الحاج ڈوسا صاحب کی ذات گرامی ہے جو اشاعت دین حق کیلئے پانی کیطرح پیسہ بہا رہے ہیں۔

ڈوسا صاحب اپنے پیر و مرشد سے بے حد عقیدت رکھتے تھے، مرشد کی ہر ادا اور ہر حکم پر جان نچھاور کرنا معمولی بات سمجھتے۔ اس تعلق خاطر کا اندازہ اس سفر حج سے لگایا جا سکتا ہے جس میں آپ اپنے مرشد کے ساتھ زیارت حرمین شریفین کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ اس سفر حج میں جس قدر سرزمین عرب پر نجدی پولیس

(۱) مکتوب احمد عمر ڈوسا بنام راقم السطور مورخہ ۱۹ر نومبر ۱۹۹۰ء

کے ساتھ جو واقعات پیش آئے وہ انتہائی حیرت انگیز ہے۔ مختصر یہ کہ ہزار زجر و توبیخ کے باوجود مسلک اہل سنّت کے طور وطریقے پر آپ اپنے رسوم ادا کرتے رہے۔ پہلا سفرِ حج آپ نے جس بے سر وسامانی کے عالم میں کیا اس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

"۲۳ ر دسمبر ۱۹۵۱ء کو بیت المال مدنپورہ بمبئی میں ایک میٹنگ ہوئی جس میں حضور شیر بیشۂ سنت کو زیارت حرمین شریفین کیلئے بھیجنے کی بات طے ہوئی میٹنگ ختم ہونے کے بعد رات ڈیڑھ بجے پاپیادہ سرکار سید ناشاہ بابا بہار الدین قادری اصفہانی کے آستانہ کرم پر حاضر ہوا۔ عرض کیا سرکار میرے مرشد مدینہ شریف جارہے ہیں مجھے بھی بھیجئے۔ ۳۱، بار اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما ؛ نحن عباد محمد صلی علیہ وسلما پڑھا۔ دربا کھلا ہوا تھا۔ اگلے روز غسل شریف وصندل شریف تھا۔ اس لئے صفائی ہو رہی تھی۔ کسی کی بالٹی میرے سر سے ٹکرائی۔ فال نیک نکلا بس کام ہوگیا بظاہر کوئی انتظام نہیں تھا۔ اسی سرکار پر بھروسہ تھا۔ ۲۵ر دسمبر کو حضرت بمبئی تشریف لائے اور بوری بندر اسٹیشن سے سیدھے مسافر خانہ تشریف لائے۔ کیمرہ روم میں داخل ہوئے میں بھی حضرت کے ساتھ قریب کرسی پر بیٹھا اور کیمرہ مین سے کہا میرا بھی فوٹو۔ حضرت نے کہا احمد! تم بھی؟ میں نے کہا جی ہاں! یہ میرا پہلا قدم تھا جو بظاہر بے اسباب تھا بابا بہار الدین اور پیر و مرشد کے کرم سے ۲۷ر دسمبر کو محمدی جہاز سے آنا فانا سب معاملات طے ہوگئے۔" (۱)

ڈوسا صاحب انتہائی خلیق وملنسار شخصیت کے مالک ہیں۔ جس طرح اللہ تعالے نے دولت و ثروت سے نوازا ہے اس سے کہیں زیادہ تواضع وانکسار کی دولت سے انھیں مالا مال کیا ہے۔ ڈوسا صاحب تقویٰ، دینداری اور تصلب فی الدین کے معاملے میں اپنے پیر و مرشد کے صحیح و سچے جانشین ہیں۔ آپ کے تصلب فی الدین کا اعتراف حضور شیر بیشۂ نے بھی کیا ہے۔ ہوا یوں کہ ایک بار ڈوسا صاحب نے اپنے پیر و مرشد کو خط لکھا۔ خط

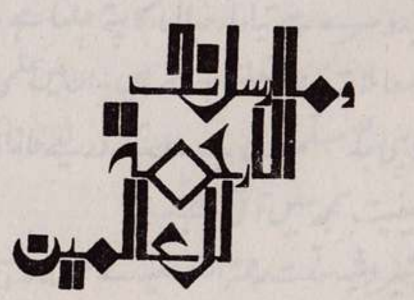
(۱) سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۲۷۷

کا جواب نہیں آیا تو دوبارہ خط ارسال کیا۔ جسمیں تحریر کیا کہ مجھ سے کوئی خطا ہوگئی کہ آپ ناراض ہوگئے اور خط کا جواب تحریر نہیں فرماتے۔ تو اس کے جواب میں حضور شیر بیشۂ سنت نے جو کرم نامہ عطا فرمایا وہ انتہائی اخلاص ومحبت پر مبنی تھا۔ لکھتے ہیں۔

"آپ کی کوئی خطا ہرگز میرے علم میں نہیں اور نہ ہی میں آپ سے ناراض ہوں اور آپ جیسا دیندار متصلب فی الدین سنی مسلمان بھائی میرے ہرگز اس قابل نہیں کہ خواہ مخواہ بلا وجہ شرعی اس سے ناراض ہو جاؤں"۔ (۱)

آپ کے مرشد کی "صدری" حافظ قاری عسکری رضا علیہ الرحمہ نے آپ کو تبرک میں پیش کی ہے یہ بھی محبت کی دلیل کہی جاسکتی ہے۔ یہ صدری آج بھی ڈوسا صاحب کے پاس اسی انداز میں محفوظ ہے جسے وہ آفات ناگہانی کے موقع پر پہن کر اس "صدری" کے وسیلے سے نجات حاصل کرتے ہیں۔

ڈوسا صاحب کی اولاد میں ہر ایک کا مزاج مذہبی ہے۔ اولاد میں تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ سب کے سب متصلب سنی اور والد ماجد کے نقش قدم کے راہ رُو ہیں۔ اللہ تعالے ڈوسا صاحب کے سایہ عاطفت کو دراز فرمائے اور ان کی ذات سے اسلام وسنیت کی خدمت لیتا رہے (آمین)



(۱) سوانح شیر بیشۂ سنت ص ۲۷۲

پانچواں باب

آثار و تاثرات

آثار

مکتوبات

خط لکھنا ایک فن ہے اور نفسیاتی ترجمانی بھی انسان کے دل میں جو کچھ آتا ہے لکھدیتا ہے یہ دونوں جوہر خطوط کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ خط وکتابت اگرچہ نام کو تو معمولی چیز ہے لیکن ہر شخص کو خط لکھنے کا سلیقہ نہیں ہوتا۔ بعض حضرات تو ایسے ہوتے ہیں کہ صفحہ کا صفحہ سیاہ کرڈالتے ہیں لیکن وہ کیا کہنا چاہتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا اور بعض لوگوں کے یہاں جملوں کی بے ترتیبی اس طرح رہتی ہے کہ پڑھنے کے بعد باذوق انسان ہنسے بغیر نہیں رہتا۔ لیکن بعض اہل علم و ادب کے خطوط ادبی شہ پارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں جتنی بار پڑھئے ایک نیا لطف ملتا ہے۔

علمائے سلف اور دانشوروں کے خطوط اس زمانے میں عظیم سرمایہ ہیں ان خطوط کے ذریعے ان کی سماجی زندگی، میل وملاپ کی نوعیت، باہمی تعلقات اور علم و ادب کی دنیا میں ایکدوسرے سے تبادلۂ خیال کا پتہ چلتا ہے۔ بہت سے خطوط تو نجی زندگی اور گھریلو معاملات سے متعلق ہوتے ہیں۔ ان میں علمی مواد نہیں ہوتا مگر پھر بھی اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہوتی ہے۔ ان کے ذریعے خاندانی حالات اور گھریلو زندگی کی نوعیت وکیفیت سمجھ میں آتی ہے۔

حضور شیر بیشۂ سنّت رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط مذہبی رنگ میں رنگے ہوتے تھے۔ اکثر خطوط میں اشاعتِ دینِ حق اور تردیدِ مذاہب باطلہ کی باتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پوری زندگی اشاعتِ دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر ہوئی

بول چال کیطرح خطوط میں بھی عاجزی انکساری اور بے بضاعتی علم وفضل کا جابجا ذکر ملتا ہے اسلامی تاریخ کا اہتمام ہر خط میں کرتے تھے اور اگر ضرورت ہوتی تو اسی کی مطابقت میں انگریزی تاریخ بھی لکھدیتے۔ اختتام خط پر حسب ضرورت کہیں تو اپنا پورا نام لکھتے اور کہیں "عبید الرضا غفرلہٗ ربہٗ" پر اکتفا کر لیتے۔ اکثر خطوط پر آپ کا یہی مختصر نام ملتا ہے۔ خط پڑھتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب سامنے ہے اس سے اپنی باتیں کہہ رہے ہیں اور وہ ہمہ تن گوش ہو کر آپ کی باتیں سن رہا ہے اس کا اندازہ درج ذیل اس خط کے اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے ۱۳ فروری ۱۹۵۴ء کو الحاج احمد عمر ڈوساصاحب حشمتی کو لکھا تھا۔

"بزم قادری رضوی بمبئی کو خوب زور شور کے ساتھ اسلام وسنیت و قادریت رضویت کی خدمت کیلئے چلاؤ اور بزم قادری رضوی کے اراکین سے انجمن تبلیغ صداقت باجماعت مبارکہ رضائے مصطفےٰ جو خدمات اسلام وسنیت لینا چاہیں ان کو خلوص ومحبت کے ساتھ خدا ورسول جل جلالہ وصلی المولےٰ تعالےٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی رضا کیلئے بجالاؤ۔"

ہر شخص کے خط لکھنے کا انداز جداگانہ ہوتا ہے جملوں کے دروبست اور انداز نگارش میں ایکدوسرے کے درمیان کافی تفاوت ہوتا ہے۔ حضور شیر بیشہ سنت کے مکتوب گرامی اور کچھ اہل سنت وجماعت کے مشاہیر علماء کے خطوط بھی اس بحث میں دیئے گئے ہیں جو آپ کے پاس آئے تھے۔

ان خطوط کی روشنی میں علماء کے درمیان آپ کا ادب واحترام اور آپ کی شخصیت کی عظمت وبرتری کا اندازہ لگا جاسکتا ہے۔

کتاب کے شروع میں ہم نے ان اکابر علمائے اہلسنت کے خطوط کے کچھ عکوس بھی عکس نوادرات کے ضمن میں لگا دیئے ہیں جن سے ان کے عکس تحریر اور انداز تحریر کا بھی علم ہوجاتا ہے۔

① مکتوب گرامی بنام جناب مشکور حسن خاں قادری

۷۸۶/۹۲

جان برادر مشکور حسن خاں قادری برکاتی قاسمی سلمہ ربہ تعالےٰ وایانا من شر کل غبی و غوی (آمین) السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ

بحمدہٖ تعالےٰ بخیریت اور تم سب لوگوں کیلئے طالب خیریت ہوں۔ اپنی آپا سلمہا ربہا کو میری طرف سے سلام مسنون کے بعد کہو کہ آپ کا عتاب نامہ پہنچا یا آنکھوں سے لگایا، کلیجے پر رکھا۔ بیشک میں اپنے گناہوں کے سبب اسی قابل ہوں کہ کوئی شخص مجھ سے راضی نہ رہے میری سیاہکاریاں حد سے بڑھ گئیں میرے معاصی نے مجھکو زمین کے اوپر رہنے اور آسمان کے سایہ میں بسنے کے لائق بھی نہ رکھا حسبنا ربنا ونعم الوکیل۔ خدا ورسول جل جلالہٗ وعلیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں اپنے تمام معاصی سے توبہ کرتا ہوں خدا ورسول جل جلالہٗ وعلیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میری توبہ قبول فرماکر اس پر مجھکو استقامت بخشیں اور آپ کے دل کو نرم کر کے اس میں مجھ گنہگار کی محبت پیدا فرماکر آپ کو مجھ سیاہکار سے راضی کر دیں۔ آمین بحرمۃ سیدنا الغوث الاعظم وبحرمۃ سیدنا الامام الاعظم وبحرمۃ مرشدنا المجدد الاعظم رضی المولےٰ تعالیٰ عنہم وعنا بہم برحمتک یا ارحم الراحمین۔

آپ نے لکھا ہے کہ کیا تم دونوں نے قلیوں کا کام کیا تھا جو دس روپے نصیب ہوئے۔ جی ہاں قلیوں کا کام بھی کرنے کو مل جاتا تو کچھ نہ کچھ آمدنی ہو جاتی۔ بمبئی کا حال تو میں اپنے خط میں لکھ چکا ہوں کہ لوگوں نے اسلئے بلایا تھا کہ حکومت کافرہ برطانیہ اور ہنود خبیثو کے منشاء کے مطابق یہ فتوی دیدیا جائے کہ مسلمان ہندوؤں سے اس بات پر صلح کرلیں کہ علاوہ اوقات نماز کے دوسرے وقتوں میں مسجد سے بالکل متصل بھجن کریں اور بت پرستی کا مظاہرہ کیا کریں۔ فرنگی محل کے مولوی قطب الدین نے اسی طرح کا فتویٰ دے دیا اور پانچ سو روپے لے کر چلتے بنے۔ میں نے بحمدہٖ تعالےٰ وبکرم حبیبہ علیہ وعلی

آلہ الصلاۃ والسلام پانچ سو روپے پر ٹھوکر ماردی اور شریعت مطہرہ کے مطابق فتویٰ دے دیا کہ جو شخص ایک سیکنڈ کیلیے بھی کفر و بت پرستی پر راضی ہوگا بحکم شریعت وہ خود کافر ہوجائے گا۔ لہٰذا مسلمان ہندوؤں سے صلح ہرگز نہ کریں۔ گورنمنٹ اگر اپنی جابرانہ قوت کی بنا پر ہندوؤں کو بھجن کرتن کی اجازت دے گی تو یہ اس کا ظلم و جور ہوگا۔ پھر اگر وہ مزاحمت کرنے والے مسلمانوں پر گولیاں برسائے تو مسلمانوں کو یہ بھی جائز نہیں کہ گولیوں کا سامنا کر کے مفت میں اپنی جانیں ضائع کریں اگرچہ جو لوگ حرمت مسجد کی حفاظت کرتے ہوئے ہندوؤں کے ہاتھوں سے یا حکومت کافرہ برطانیہ کی گولیوں سے مارے گئے وہ سب مسلمان انشاء المولٰے تعالیٰ شہید ہوئے۔

یہ فتوے دینے کے سبب میرے بلانے والے مجھ سے ناراض ہوگئے اور دس روپے تو بڑی چیز ہیں دس پیسے بھی نہیں دیئے۔ حتی کہ بمبئی سے گونڈل جانے تک کا کرایہ بھی نہ دیا۔ مجبوراً گونڈل سے پچاس روپے منگائے اور کام چلایا۔

آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ دل کی گانٹھ نکلی یا نہیں تو بحمدہ تعالےٰ دل میں گانٹھ پیدا ہونے ہی نہ پائی پھر نکلتی کیسے کیونکہ اسی روز بھوجی پورہ جنکشن پر مجھن بھائی کے ساتھ بریلی شریف واپس ہوتے ہوئے آپ کو دیکھ لیا۔ بس میرا دل صاف ہوگیا۔ لیکن اگر اس روز بریلی شریف سے آپ کی واپسی نہ ہوتی تو البتہ دل کو میرے اس قدر تکلیف ہوتی کہ شاید عمر بھر یاد رہتی۔ کیونکہ میں بمبئی جانے سے معذور رہ جاتا اور دین کی خدمت وہاں نہ کرسکتا۔ میں اگرچہ گنہگار ہوں سیہ کار ہوں لیکن حضور مرشد برحق امام اہلسنّت سیدنا اعلیحضرت قبلہ فاضل بریلوی رضی المولےٰ تعالیٰ عنہ کی جوتیوں کے صدقے میں بحمدہ تعالےٰ دل میں یہ جذبہ ہے کہ ماں باپ بیوی بچے سب کی محبت و آبرو مذہب اہلسنّت کی عزت و عظمت پر قربان ہوجائے۔ دین کی خدمت سے جو کوئی مجھ کو روکتا ہے اس کی طرف سے میرے دل کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور میری دعا ہے کہ خدا و رسول جل وعلا وعلیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام میری بیوی میرے بچوں کا اور خود میرا ایمان اس قدر مضبوط فرمادیں کہ

ہم سب اپنی جان مال عزت آبرو بیوی بچے شوہر ماں باپ سب کو خدا اور رسول جل جلالہ وعلیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام کی عزت وعظمت پر قربان کرتے رہیں۔ (آمین)

آج بھائی سعید حسن خانصاحب کا بھیجا ہوا ایک لفافہ وصول ہوا جس سے بچوں کی خیریت معلوم ہوئی۔ اور یہ بھی معلوم ہوکر خوشی ہوئی کہ دس دس روپے کے دونوں منی آرڈر وصول ہوئے۔ ابتک آمدنی نہیں ہوئی ہے ہوتے ہی بعونہ تعالےٰ وبعون حبیبہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام بھیجوں گا اطمینان رکھیں۔ آج یہاں رمضان مبارک کی چھٹی تاریخ ہے۔ ڈیڑھ ڈیڑھ پارہ سنا رہا ہوں۔ بمبئی کے مسلمانوں کو اب بھی امن میسر نہیں۔ ہندوؤں کے محلوں میں روزانہ اکا دکا مسلمانوں پر حملے ہوتے رہتے ہیں بارہ سو مسلمان گرفتار ہوچکے ہیں۔ یہ رمضان مبارک کا مہینہ اور جیل کی مصیبت۔ پھر ان کی بیویوں اور ان کے ننھے ننھے بچوں پر کیا گذرتی ہوگی اور ان کی بسر کیوں کر ہوتی ہوگی۔ خانالہ تعالیٰ وانا الیہ راجعون۔

اماں جان، خالہ جان، چچا جان، سعید بھائی، اختر بھائی سب کی خدمات میں سلام مسنون عرض کردو۔ بہن ارشاد فاطمہ، ہمشیر محمدی، عزیزہ محمودی، برادرم رشید حسن نور چشمی امداد فاطمہ قرۂ باصرہ حماد فاطمہ، لخت جگر محمد مختار علی خاں سلمہم جمیعاً کو درجہ بدرجہ سلام اور دعا اور پیار کردو فرزندم مولانا محمد طیب صاحب سلمہم الملک الواہب، بڑوں کی خدمات میں سلام نیاز عرض کرتے اور چھوٹوں کو دعا کہتے ہیں۔ والسلام مع الدعاء

فقیر عبید الرضا غفرلہٗ

روز شنبہ ۶ر رمضان مبارک ۱۳۵۵ھ بمعرفت حاجی جمال قادری قالین مرچنٹ گونڈل کاٹھیاواڑ

(۲)

رمضان مبارک ۱۳۔۔ھ میں جیت پور جانا ہوا تھا۔ محمد صدیق بھائی سلمہ ربہٗ سے بخیر و خوشی ملاقات ہوئی۔ خدا اور رسول جل جلالہ وصلے المولےٰ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم آپ بھائیوں کو دنیوی ودینی واخروی بے شمار برکتوں سے ہمیشہ کیلئے مالامال فرمائیں اور جملہ پریشانیوں سے ہمیشہ بچائیں (آمین) ——— آپ کراچی سے پہلی بھیت کب

تک آنے والے ہیں مفصل لکھئے تاکہ میں اسوقت یہاں موجود رہوں۔ کیونکہ کانپور اور اندور کے سنی بھائی بلا رہے ہیں کہ کانپور یا اندور آکر علاج کراؤ۔ خدا و رسول جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالے علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ہم سب پر آپ سب پر ہم میں سے ہر ایک کے اور آپ کے صاحبوں میں سے ہر ایک جملہ اہل و عیال و احباب پر دارین میں ہمیشہ حضور سیدنا الغوث الاعظم وحضور سیدنا الامام الاعظم وحضور ملیکنا المعین الاعظم وحضور مرشدنا المجدد الاعظم اعلیحضرت قبلہ رضی المولے تعالے عنہم کا سایہ رحمت رکھیں۔ (آمین)

بمبئی کے برادرانِ اہل سنت اصرار کر رہے ہیں کہ علاج کیلئے بمبئی آجاؤ گونڈل کے برادران اہلسنت بھی علاج کیلئے بمبئی جانے پر زور دے رہے ہیں۔ سال بھر ہوا وہابی کافروں دیوبندی مرتدوں سے مناظرے کیلئے رسولی ضلع بارہ بنکی جانا ہوا تھا وہیں کسی خبیث وہابڑے دیو کے بندے نے پان میں کسی قسم کا زہر کھلا دیا۔ بس اسی وقت سے آواز فوراً ہی بالکل بیٹھ گئی ہے اور میں اپنی شامت معاصی کے سبب نزلہ حارہ کے شدید انصباب میں مبتلا ہو گیا۔ وحسبنا ربنا ونعم الوکیل لہ الحمد وعلیٰ حبیبہ الجمیل وآلہ الصلاۃ والسلام بالتبجیل رضینا ما آتانا ربنا ورسولہ حسبنا ربنا سیؤتینا ربنا من فضلہ ورسولہ انا الیٰ ربنا راغبون جل جلالہ وصلی المولے تعالے علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔

حاجی اسمٰعیل جمال کیتیانے والے حاجی صالح محمد کولمبو والے عبدالعزیز احمد عبدالشکور جیت پور والے حاجی عبدالکریم حاجی ہاشم حاجی عبدالرزاق حاجی ہاشم حاجی ہارون حاجی ہاشم حاجی عبدالغفار، حاجی عبدالعزیز حاجی ہاشم عثمٰن حاجی عبدالعزیز حاجی ہاشم ساکنان گونڈل اور برادران اہلسنت سلمہم ربہم کو سلام مسنون مع طلب دعائے خلوص مشحون۔

یہ دعا نامہ ہوائی ڈاک سے بھیج رہا ہوں جواب بہت جلد فوراً ہی لکھئے گا۔

والسلام مع الدعاء

محمد حشمت علی خاں رضوی عفا عنہ دعا فاہ ربہٗ

۱۰ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۷۹ھ یکشنبہ ۱۵ مئی ۱۹۶۰ء مکان نمبر ۴۶ محلہ بھوے خال پیلی بھیت

③ مکتوب گرامی بنام الحاج احمد عمر ڈوسا بمبئی

فرزند دینی و یقینی حاجی احمد قادری رضوی حفظکم ربکم القوی وایانا دائماً من شر کل شقی وغبی دغوی آمین بحرمۃ حبیبہ الاکرم صلے المولے تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وصحبہ وابنہ نغوث الاعظم وحزبہ اجمعین وبارک وسلم

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہٗ

فقیر گنہگار سگ بارگاہ رضوی غفرلہ خدا ورسول جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی رضا کیلئے تم سے راضی اور خوش ہے۔ نور نظر غلام محمد غوث سلمہٗ ربہٗ کو داخل سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کر کے شجرۂ طیبہ بھیجتا ہوں۔

برادرم حمزہ محمود سلمہٗ ربہٗ سے بعد سلام مسنون ودعائے خلوص مشحون کہدو کہ تم نے جو کسی کے کہنے سننے پر برادرم محمد ظہور سلمہٗ ربہٗ کو جماعت خانہ سے نکال دیا اس کی وجہ سے مجھ سیہ کار سگ بارگاہِ رضوی کے دکھے ہوئے قلب اور زیادہ دکھ پہنچا ہے ان سے معافی جلد مانگو اور جماعت خانہ میں پھر ان کو جگہ دو اور پھر مجھ گنہگار سگِ بارگاہِ رضوی کو اسکی اطلاع کانپور کے پتے پر جلد از جلد دو۔ بزم قادری رضوی بمبئی کو خوب زور شور کے ساتھ اسلام وسنیت وقادریت ورضویت کی خدمات کیلئے چلاؤ اور بزم قادری رضوی کے اراکین سے انجمن تبلیغ صداقت باجماعت مبارکہ رضائے مصطفےٰ جو خدمات اسلام وسنیت لینا چاہیں انکو خلوص ومحبت کے ساتھ خدا ورسول جل جلالہ وصلی المولے تعالے علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی رضا کیلئے بجالاؤ۔

فقیر دعا کرتا ہے کہ خدا ورسول جل جلالہ وصلی المولے تعالے علیہ وعلیٰ آلہ وسلم وحضور غوث اعظم وحضور مجدد اعظم رضی المولیٰ تعالے عنہما بزم قادری رضوی کی امداد و اعانت فرماتے رہیں اور بزم قادری رضوی اسلام وسنیت قادریت ورضویت کی خدمات کثیرہ مرضیہ مقبولہ بجالائے آمین ثم آمین۔ برادران اہلسنت کو سلام ودعا فقط عبید الرضا غفرلہٗ

پنجشنبہ ۸ جمادی الآخر ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۵۴ء

مکتوبات خاتم الاکابر تاج العلماء حضرت مولانا سید شاہ محمد میاں قادری مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان

(۱)

حضرت مولانا المحترم دامت برکاتہم العالیہ و مکارمکم القدسیہ

پس از تسلیم مع التکریم معروض کرم نامہ مع دو کارڈ مولوی ظفرالدین صاحب وتصدیق سید احمد اختر صاحب موصول ہوا اس کے بعد ستر سوالات کا پیکٹ بھی بہ خیر و خوبی ملا یہ سوالات لاجواب ہیں اور مظہر حق وصواب قبل کے لفافہ اور کارڈ متعلق انوار میاں صاحب کا جواب جب ہی ذریعہ ڈاک اور پھر مختصر ہمدست برادرِ محمد احمد خاں جنکا نام اس وقت یاد نہیں آتا حاضر کرچکا ہوں۔ مسبعات عشرے آپنے کیا مراد لیا یہ واضح فرمایئے آپ کے لئے برابر دعائیں کرتا رہتا ہوں۔ مشکور حسن خاں کے دونوں تعویذ ان کو بھیج رہا ہوں۔ صدر الافاضل سے مکاتبت انشاء اللہ تعالےٰ مرتب کرنیکی فرصت نکالوں گا۔ مجھ پر کام بہت ہے اور پھر کتابیں چھپتی جاتی ہیں شائع نہیں ہوتیں۔ اس طرح چھپواتے رہنے سے کیا نتیجہ اور اتنا سرمایہ کہاں جو یوں لگایا جا تا رہے۔ آپ جب پیلی بھیت تشریف لائیں تو یہاں سے کہیں اور جائیں تو ضرور مطلع فرمائیں۔ مولوی شریف الحق صاحب سے ان کی تحریر سے متعلق میں نے استفسار کیا ہے اپنے احباب نے سفر بنارس کی روداد سے ابتک کچھ بھی مطلع نہیں کیا نہایت تعجب ہے۔

محمد میاں قادری از مارہرہ۔ ۱۶ رجمادی الآخرہ ۱۳۶۵ھ یکشنبہ

اِسی کارڈ پر دوسری طرف یہ مضمون ہے

حضرت مولانا وعلیکم السلام

کل میں خط لکھکر روانہ کرنے والا ہی تھا کہ نفافہ مع تحریرات کان پور روداد سفر بنارس موصول ہوا لوجہ ربنا الکریم الحمد للہ اس نے اہل حق کو فتح مبین دی۔ اور باطل کوش مبہوت رہ گئے خذلہم المولےٰ تعالےٰ۔ انوار میاں کی تحریک کے بارہ میں

میرے جواب سے نہ معلوم آپنے اپنے اوپر میری ناراضگی کیسے مترشح سمجھی آپ نے جو جواب ان کو دیا وہ بالکل حق وصحیح و بجا ہے اور میں اس سے ذرہ بھر ناراض نہیں اور میں نے بھی جو جواب لکھا وہ ایک ہی بار ان کی ہوس خام قطع کردینے کیلئے۔ بنارس کی روداد ملی دعائے خیر میں برابر کررہا ہوں آپ بار بار مجھے اپنے اوپر ناراض ہرگز ہرگز نہ سمجھیں

(۲)

حضرت مولانا المکرم والمحترم دامت مکارمکم

پس از تسلیم مع التکریم معروض بفضلہ تعالیٰ میں بخیر ہوں آپ کے لئے خیر و عافیت دارین کا عافیت خواہاں ہوں۔ عرصۂ کثیر سے کوئی والا نامہ نہیں ملا، مارہرہ سے ایک عریضہ پیلی بھیت کے پتہ پر بھی حاضر کیا تھا۔ اس کے بعد یہاں چلا آیا۔ آنکھیں میری بہت پہلے سے دُکھ رہی تھیں اور اب بھی اس لائق نہیں ہوں کہ لکھنے پڑھنے کا کام حسب معمول کروں۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ آپ بھدرسہ کے استغاثہ کاذبہ کی مدافعت کے لئے یہاں سے تشریف لے گئے۔ اب بوالیسی خیریت اور ضروری حالات سے مطلع فرمائیں دل لگا ہوا ہے۔ مولوی عبدالقادر میاں صاحب کی معرفت یہاں مجھے خط تحریر فرمائیں ان کے یہاں رسالہ اس وجہ سے جاری نہ کیا گیا ان کا حال معلوم نہ تھا۔

والسلام مع الاکرام

محمد میاں قادری ۱۹ رشوال ۱۳۶۵ھ پنجشنبہ

(۳)

۷۸۶

حضرت مولانا المحترم دامت مکارمکم

پس از تسلیم مع التکریم معروض! بفضلہ تعالےٰ میں بخیریت ہوں، آپ کا عافیت خواہ ایک منی آرڈر آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا منجانب محمد عبدالغنی صاحب زرچندہ رسالہ برائے مولوی سید اختر احمد صاحب قادری۔ اس کے بعد دوسرا منی آرڈر آپ کا زرچندہ رسالہ برائے حاجی عثمان عبداللہ صاحب رضوی موصول ہوئے۔ میں اس سے پہلے

عریضہ حاضر کر چکا ہوں۔ آپکے فرستادہ پتوں اور عبدالشکور احمد اور حاجی عثمان عبداللہ صاحبان کیلئے رسالہ کے پیکٹ پر ہر چہار حصص تیار کرا کر ان پر پتے لکھوا کر ٹکٹ لگا کر تیار کر لئے ہیں۔ آج انشاء المولیٰ تعالیٰ ڈاکخانہ میں دیدیئے جائیں گے۔ جب آپ پیلی بھیت میں تھے اور اس کے بعد یہاں تشریف لائے میں نے جب ہی عرض کر دیا تھا کہ رسالہ حصہ پنجم مرتب ہو چکا نعیمی مکاتبت کے بعد اس میں اس قدر گنجائش نہ رہی کہ کانپور کا شرعی استفسار درج ہو سکے اور اس استفسار کے اپنے رسالہ میں اشاعت کے بارے میں اپنے خیالات بھی عرض کئے تھے اور یہ بھی کہ وہ اپنے حجم کے اعتبار سے میرا رسالہ تقریباً نصف یا زائد چاہتا ہے۔ آپنے لکھ بھیجا تھا کہ آپ اسے دوبارہ کانپور سے ہی شائع کرانے کی کوشش کریں گے بہر حال حصہ پنجم تو جب کہ آپ - - - - - - - - - -

- - - - - دینی آرڈر جس میں پھر شرعی استفسار کے حصہ پنجم میں درج کئے جانیکی فرمائش ہے وصول ہوا طبع بھی ہو چکا ہو گا اس لئے کہ منی آرڈر سے پہلے اس کے پروف یہاں آچکے تھے اس لئے حصہ پنجم میں اسکی اشاعت سے معذور رہا۔ اب بھی آپ اگر اسکی اشاعت کی ضرورت جانتے ہوں تو مطلع کریں کسی بعد کے حصے میں درج کرا دوں گا۔ رسالہ کی طبع کی دشواریاں اور مصارف برابر بڑھتے جارہے ہیں۔ قریب پندرہ روز سے منشی ایوب علی حصہ پنجم کی طباعت کے لئے علیگڈھ گئے ہوئے ہیں ان مصارف اور مشقتوں کے پیش نظر میں چاہتا ہوں کہ اس میں زیادہ سے زیادہ دینی فائدہ کی دو چیزیں شائع ہو جائیں جو ابھی نہ شائع ہوئی ہوں۔ حاجی عبدالحبیب وغیرہ معطیان کی اعانت کا شکریہ تو پہلے لکھ چکا ہوں مگر مولانا عطیات سے خریداران کی تعداد بڑھنا رسالہ کے استقلال کی صورت نہیں معلوم ہوتی یوں کہ اس عطیہ کے بعد پھر وہ خریدار خود تو ہوئے نہ تھے لہٰذا آئندہ نہ رہیں گے۔ اور معطیان کیا ذمہ دار ہیں کہ آئندہ بھی عطیہ دیں بہر حال حسبنا ربنا ونعم الوکیل۔ پیلی بھیت کے خط سے معلوم ہوا کہ سید اختر احمد صاحب آخر حوالات میں بند کر دیئے گئے بہت افسوس ہوا دعائیں کیں اور تعجب ہوا کہ مولانا وجیہہ الدین صاحب نے اپنے محلہ والوں کی مذہبی

حالت اور سید صاحب کی افتاد طبیعت معلوم ہوتے ہوئے بھی ان کو اپنا قائم مقام بنایا۔ جس ابتدا کی انتہا یہ ہوئی گویا ان کو ان فتنوں کے لئے پیش کیا۔ حوالات میں ہونے سے رسالہ انھیں بھیجنے سے معذور ہوں دوسرا نام لکھئے۔

محمد میاں قادری از مارہرہ ۳۰ ماہ صیام ۶۵ھ چہار شنبہ

مکتوبات محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی

(۱)

مولانا الاعز سلمکم المولیٰ تعالیٰ۔ ادعیہ وافرہ

۱۷، ۱۸، ۱۹ مارچ کو دیناجپور کے ضلع میں غیر مقلدین کے مقابلے پر جلسے ہونے والے ہیں اور وہ جلسے صرف حضرت مولانا حشمت علیخاں صاحب کیلئے کئے جارہے ہیں پیلی بھیت کے پتہ سے اطلاع دی گئی ہے مگر آج گورکھپور آیا تو حضرت حافظ ملت مولانا عبدالعزیز صاحب سے معلوم ہوا کہ حضرت شیر بیشہ اہلسنت کاٹھیاوار کیطرف تشریف لے گئے ہیں اور اسکو دو تین ہفتے ہو چکے ہیں اگر اس علاقے میں تشریف فرما ہوں تو آج حرج کار کر کے میری وجہ سے زحمت کریں اور مولانا سے ان جلسوں کیلئے منظوری حاصل کریں اور مجھکو بذریعہ تار بہ نشان کچھوچھہ شریف تار گھر اکبر پور مطلع کریں اور وہ جہاں سفر خرچ طلب کریں بھیج دوں۔ چونکہ اس سفر میں بہر حال لکھنؤ آنا ہو گا وہاں سے کاٹھیاوار براہ راست ۱۷ مارچ کو پہنچنا ہو گا۔ یعنی ۱۶ مارچ کو لکھنؤ سے بذریعہ میل سفر کرنا ہو گا تو لکھنؤ میں سفر خرچ بھیج دیا جائے یا پیلی بھیت بھیج دیا جائے تار کا مضمون یہ ہو کہ تاریخ منظور روپیہ وہاں بھیج دو جس شہر میں سفر خرچ طلب کریں گے وہاں کے کسی نہ کسی اشرفی کے پتے سے روپیہ پہنچا دیا جائیگا یہ کام بیحد ضرور اور دینی ہے لہٰذا آپ کو تکلیف دی گئی۔ اگر مولانا کاٹھیاوار سے جا چکے ہوں تو تار کا مضمون یہ ہو مولانا وہاں گئے۔

فقط دعاگو فقیر ابوالمحامد سید محمد غفرلہٗ اشرفی جیلانی از گورکھپور بحالت سفر

(۲)

مولانا الاعز الاکرم زیدت مدارکم   ادعیہ وافرہ وتحیہ زاکیہ

میں دو دن سے ضلع بہرائچ میں ہوں۔ انھیں تاریخوں میں یہاں کے لوگ آپ کے کریمانہ وعدہ پر اعتماد کرکے آپ کے بیچینی سے منتظر تھے مگر آپ نہ آسکے تو بیقراری بڑھ گئی ہے اور بڑا شبہ یہ پیدا ہو گیا ہے کہ یہاں کے حالات ایسے ہو گئے ہیں جس سے آپ نے خیال کیا کہ یہاں اہلسنت میں پارٹی بازی ہو گئی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض دنیاوی وجوہ سے یہاں کے سنی بھی ایک دوسرے سے الجھے رہتے ہیں مگر جہاں تک دین کا واسطہ ہے بعونہ تعالے اس میں کوئی پارٹی نہیں ہے۔ اگر بربنائے جہالت شخصی طور پر کسی نے خطا کر دی تو بعونہ تعالے تائب بھی ہو جاتا ہے۔ آپ کیلئے سارے اختلافات دنیا سے بالاتر ہو کر ہر سنی تڑپ رکھتا ہے۔ یہاں آتے رہنے سے یہ زیادہ سے زیادہ درست ہوتے رہیں گے اور نہ آنے سے جہالت کے غالب ہو جانے کا خطرہ ہے۔ یہ آپ کا مجھ پر بھی کرم ہو گا کہ یہاں کیلئے کوئی تاریخ مقرر کرکے ابھی سے ان کو مطمئن کر دیں تاکہ حوصلہ مندانہ یہ لوگ کام شروع کر دیں برسات بھر تو یہاں کا سفر واقعی دشوار ہے مگر بعد برسات آخر ربیع الاول شریف یا شروع ربیع الاول شریف میں تاریخیں مقرر کیجئے اور ایک کارڈ سے بہ نشان کچھوچھہ شریف بھی مطلع کر دیجئے گھر بھر کو سلام و دعا کہہ دیجئے

فقیر ابوالمحامد سید محمد غفرلہ اشرفی جیلانی

از مہراج گنج ضلع بہرائچ بحالت سفر

(۳)

مولانا الاعز الاکرم زیدت مکارمکم

سلام مسنون دعا مقرون کے بعد میرے خط کے جواب میں پہلے آپ نے لکھا کہ ۱۹ر شوال تک عدیم الفرصت ہوں۔ میں نے سوچا کہ ۲۰ر کو آپ کہیں ہوں ۲۲ر کو مقام جلسہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ چنانچہ ۲۲ر شوال سے ۲۸ر شوال تک کیلئے مولوی عبدالحمید صاحب موضع بستہ

ڈانگی ڈاکخانہ ولکولہا ضلع دیناجپور کو لکھا ان کا جواب نہ آیا تھا کہ آپ نے ۲۵ر شوال سے وقت دیا چنانچہ میں نے ان کو یہ بھی لکھ دیا لیکن یہ زمانہ اسطرف بادوباراں کا ہے چنانچہ میرے کسی خط کا جواب ۲۹ر رمضان تک نہ آیا۔ بس ۲۹ر کو گونڈہ کیطرف گیا اور آج مرادآباد میں ہوں اور بڑے جبر سے لاہور جا رہا ہوں اور اب وہاں نہ پہنچ سکوں گا۔ وہاں کے حالات سے پیش نظر آپ کا کرم ہو گا تو مولوی عبدالحمید کو تار دے دیجئے کہ کیا ۲۵ر کو آجاؤں"۔ اگر جواب آجائے کہ ہاں تو بغیر میرا انتظار کئے آپ ضرور بالضرور تشریف لیجائیں۔ آپ کو ایک گونڈہ بستی سے بہتر تبلیغی میدان مل جائیگا مگر پھر مفتی وجیہہ الدین کو بھی ساتھ رکھئے کر جلسہ شروع کر دیں گے۔ امید ہے کہ آپ اس کا بڑا خیال کریں گے۔ فقط

فقیر ابوالمحامد سید محمد غفرلہ اشرفی جیلانی از مرادآباد

(۴)

مولانا الاعز الاکرم زیدت مکارمکم

ادعیہ وافیہ وتحیہ زاکیہ

اب شروع سے سنئیے۔ رمضان شریف میں آپ کو میں نے لکھا کہ بستہ ڈانگی قدیم ضلع پورنیہ اور جدید ضلع مغربی دیناج پور میں صرف آپ کے لئے ایک عظیم الشان جلسہ ایک ہفتہ تک طے پایا اور ان لوگوں نے مجھے ذمہ دار بنایا ہے کہ جس طرح ہو آپ کو ۸ر ۹ر ۱۰ر شوال کو وہاں پہونچادوں آپنے جواب دیا کہ ۱۹ر شوال تک کی ایک ایک تاریخ کا پابند ہو چکا ہوں اس کے بعد چل سکتا ہوں۔ چنانچہ آپ کا خط پاتے ہی یہ سمجھ کر کہ ۱۹ر کو خواہ آپ ہندوستان میں کہیں ہوں ۲۰ر کو چل کر ۲۲ر کو ضرور پہنچ سکتے ہیں۔ وہاں لکھا کہ جلسہ کی تاریخیں ۲۲ر ۲۳ر ۲۴ر بمقام بستہ ڈانگی اور ۲۵ر ۲۶ر ۲۷ر بمقام میرزاپور مقرر کر لیجئے۔ ان کو لکھا کہ ابھی آپ کا اشتہار شائع نہیں ہوا اگر واقعی حضرت شیر بیشۂ سنت کی تڑپ آپ کے دل میں سچی ہے تو اس تبدیلی کو منظور کر لیجئے اور آپ کو لکھا کہ ۲۱ر کو میل سے روانہ ہو کر ۲۲ر کی صبح کو کٹھیار پہونچئے۔ آپ نے پھر مجھکو لکھا کہ ۲۵ر سے وقت

۳؍ذیقعدہ تک دے سکتا ہوں میں نے یہ خط وہاں بھیج تو دیا مگر یہ ان کو ملا نہیں۔ میرے اعتماد پر ۲۲؍ سے ۲۷؍ تک کی تاریخیں شائع کر دیں جسکا اشتہار حاضر خدمت ہے وہ جوار وہابیوں کا ملک سمجھا جاتا تھا مولےٰ تعالیٰ مولانا عبدالحمید صاحب اور ان کے رفقاء کار کو اجر عظیم عطا فرمائے کہ کام شروع کیا تو مقامی فضا یہ ہو گئی ہے کہ اگر یہ جلسے کامیاب ہوئے تو کئی ہزار توبہ نامے پر دستخط ہوں گے اور اگر خدانخواستہ جلسے میں رکاوٹ ہوئی تو کئی سو جو درست ہو چکے ہیں معاذ اللہ پلٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ آپ کیلئے مولانا نے جو پروپگنڈہ کیا ہے اس کے نتیجے میں وہاں کا ذرہ ذرہ درحقیقت آپ کے لئے تڑپ رہا ہے یہ واقعاتی بحث ہے اب قانونی سنئے کہ جب آپ نے ۱۹؍ شوال تک کی عدیم الفرصتی کا اظہار کیا تو پھر کیا آپ کو حق پہنچتا ہے کہ جب تک میں آپ کو مطمئن نہ کر دوں آپ کسی مزید جلسے کا وعدہ کریں کم سے کم ۱۹؍ شوال تک آپ کو میرے جواب کا انتظار کرنا تھا مگر آپ نے ۱۹؍ کی جگہ ۲۵؍ کو لکھا یہ میرے حق کا غصب ہوا یا نہیں اور میں آپکا مظلوم ٹھہرا یا نہیں؟ اب سُنئے کہ جب ۲۵؍ کی اطلاع وہاں پہنچی تو کہرام پڑ گیا اور وہاں کی عزت مسلم ماتمی بن گئی اور روتے پیٹتے لوگ کٹھیار پہنچے اور مشورہ کے بعد مولوی عبدالجلیل صاحب پہلے مجھے ڈھونڈنے نکلے بریلی شریف گئے پتہ چلا کہ میں مراد آباد میں ہوں وہ وہاں پہنچے پتہ چلا کہ شاہجہاں پور میں ہیں وہ وہاں بھی گئے اور مجھکو پکڑ لیا۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ شاہجہاں پور سے پیلی بھیت صرف اور صرف آپ کا پتہ معلوم کرنے آج آنا تھا اور پھر آپ جہاں ہوں وہاں پہنچ کر اپنی عزت کی لاج رکھنے کیلئے آپ کی خوشامد کرنی تھی چنانچہ پیلی بھیت آج آ گیا اور دن بھر کی دوا دوش میں پتہ چلا کہ آپ کے پاس آج روانگی ہو تو آپ بمقام ...... ملیں گے۔ اپنی قرار داد کے مطابق میں خود ہی آتا مگر یہ میرے مولیٰ کا میری ضعیفی پر کرم ہے کہ مولوی عبدالجلیل صاحب آ گئے۔ وہ جب آپ کا قدم پکڑیں گے تو یقین مانئے گا کہ وہ میرا ہاتھ ہو گا، وہ رو دیں گے تو ان کے آنسو میری آنکھوں کے آنسو ہوں گے اب آپ کچھ بھی کریں مگر ۲۲؍ شوال کی صبح کو میل سے کٹھیار پہونچیں۔ جن لوگوں سے ان تاریخوں کا وعدہ ہوا ان کو ۲۷؍ کے بعد تاریخیں دیدیں میں وہ خط بھی بھیجتا ہوں جو مولانا عبدالحمید

صاحب اور مولوی عبدالسلام صاحب وکیل نے میرے نام بھیجا اس مضمون کا خط حضرت مفتی اعظم مدظلہ کے پاس بھی آیا ہے اس سے اندازہ ہو گا کہ وہاں آپ کیلئے کتنی بے چینی ہے جیسے ہی آپ ۲۲؍ شوال کو منظور کر لیں اور منظور کرنا ہی پڑے گا تو دو ارجنٹ تار دلوا دیجئے ایک کا پتہ ہو (۱) بذریعہ احمد بخش کٹرہ پختہ آنولہ دوسرے کا پتہ ہو جامعہ نعیمیہ مراد آباد۔ تاکہ تار پاتے ہی میں بھی جلسہ میں شرکت کر دوں ورنہ منھ چھپا کر کہیں چھپ رہوں اور ان لوگوں کو منھ نہ دکھاؤں۔ آخر الکلام میری غیر مربوط اور شوخ تحریر کو نظر انداز کیجئے اور ۲۲؍ شوال کو میل سے کٹھیار پہنچئے۔

والسلام علیکم وعلی من یدیکم

دعاگو وخیر خواہ   آپ کا سید محمد غفرلہٗ بمقام پیلی بھیت

۱۵؍ شوال ۷۷ھ

مکتوب حضرت مولانا مفتی غلام محمد خاں (ناگپور)

(۱)

سیدی ومولائی حضور شیر بیشہ سنت مدظلہ الاقدس

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ،   مزاج گرامی!

بکرمہ تبارک وتعالیٰ ہر طرح خیریت ہے اور حضور کی خیر وعافیت و فیض و برکت رب کریم ورحیم سے مطلوب ومسئول۔ کثیر تعداد میں عریضے حاضر کئے ہیں جواب سے ہنوز محروم ہوں۔ آخری خط میں ۲۰؍ سے ۲۵؍ شعبان المعظم تک جلسوں کی اطلاع حاضر بارگاہ کر دی گئی تھی مورخہ ۲۳؍۲۴؍ شعبان المعظم کو کارنجہ میں کانفرنسی جماعت اہلسنت کیجانب سے مقرر کر دی گئی ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد برہان الحق صاحب مدظلہ العالی جلسے کی صدارت فرما رہے ہیں۔ پوسٹروں کے ذریعے برار کے بدمذہبوں کو چیلنج کیا گیا ہے اور ان سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ہندوستان کے بڑے سے بڑے اپنے عالم کو بلوائیں تاکہ حق وباطل

کافیصلہ ہوجاتے اور اگر کوئی مقابل نہ آتے تو عام مسلمان سمجھ لیں کہ یہ مذہب ان کو دھوکہ دیکر جہنم کیطرف گھسیٹ رہے ہیں۔ برار میں کارنجہ ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں سنیت اچھی طرح موجود ہے اور اس سے فائدہ اٹھاکر برار پر سنیت چھادینی ہے۔ اگر اس موقعہ پر حضور تشریف لائیں تو یقین ہے سنیت کو بڑا فائدہ پہنچے گا اور برار سے بدمذہبیت کو ختم کرنے میں کامیابی ہوگی۔ حضرت مولانا مفتی محمد وجیہہ الدین صاحب و حضرت صوفی سید نیاز احمد صاحب و دیگر اہلسنت کی خدمات میں سلام عرض ہے۔ سب سنی حضرات کی خدمت میں سلام مسنون ادریس میاں وغیرہ خیریت سے ہیں۔

فقط غلام محمد خاں ، مدرس جامعہ عربیہ ناگپور

مکتوبات مجاہد ملّت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قادری اڑلیسہ

(١)
٧٨٦/٩٢

از دھام نگر ۷۸ھ
۲۳ر رمضان المبارک

کرم فرما و زید کرمکم ! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ،

بحمدہٖ تعالےٰ فقیر بخیر ہے عافیت مزاج سامی مطلوب، ۱۰ر شوال المکرم ۷۸ھ مطابق ۱۶ر اپریل ۵۹ء بروز پنجشنبہ بھدرک میں جلسہ ہے جس کے لئے عریضہ رجسٹرڈ شدہ ارسال خدمت کر چکا ہے اور سفر خرچ کی قلیل رقم بھی ارسال خدمت ہو چکی ہے۔ شدید انتظار کے باوجود اب تک تشریف آوری کے مژدہ سے محروم ہے۔ اڑلیسہ سے متصل جو بنگال کا حصہ ضلع مدنی پور ہے اس میں کانتھی (کنٹائی) بہت ممتاز ہے وہاں وہابیوں سے ۱۰ر شوال المکرم سنہ رواں مطابق ۱۹ر اپریل ۵۹ء بروز اتوار مناظرہ طے پایا ہے جس کے متعلق بھدرک کے دعوت نامے میں غالبًا تذکرہ کر چکا ہوں۔ وہابیوں نے ۵۳ مولویوں کو دعوت دی ہے جس میں قاری طیّب مہتمم دار العلوم دیوبند بھی ہے جو اوائل رمضان المبارک سے کلکتہ میں مقیم ہے۔ اگرچہ فقیر کا خیال ہے کہ مناظر مولانا ارشد القادری ہی رہیں وہابیوں

کی طرف سے شیخ نجدی ہی کیوں نہ آتے لیکن آپ حضرات کی سرپرستی بہت باعث برکت ہوگی۔ وہاں کے دولتمند طبقہ کو وہابیوں نے بہت کچھ توڑ لیا ہے ایسے موقع پر غرباء کی دلجوئی نہ کیگئی تو مذہب کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اسی بنا پر حضرت مولانا ابراہیم رضا خاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو بھی تکلیف دی گئی ہے اور یہ عرض کیا ہے کہ جب آپ اور فقیر وغیرہ بھدرک سے لوٹ کر کنٹائی روڈ پہنچیں تو ادھر سے حضرت جیلانی میاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ تشریف کنٹائی روڈ لے آئیں پھر سب مل کر کانتھی چلیں تو بڑی آسانی رہے۔ اہلسنت اڑلیسہ خصوصًا بھدرک والے عرصہ سے جناب کے خواہشمند ہیں۔ ضرور تشریف لائیں عنایت ہوگی کانتھی کا مناظرہ خدا نے چاہا تو مغربی بنگال اور اڑلیسہ کے کچھ حصہ پر شاندار ہو سکتا ہے تقریبًا بارہ چودہ سال سے وہابیوں کی کوشش چلی آرہی ہے اس وقت اگر اس کا لحاظ نہ رکھا جائے تو حالت خطرناک ہو جانے کا اندیشہ ہے لہٰذا گذارش ہے کہ بھدرک کا جلسہ اور کانتھی کے مناظرے میں ضرور شرکت فرمائیں۔ کانتھی کھڑکپور سے ہمارے اس مدارس لائن میں بیس پچیس میل پر واقع ہے جہاں کلکتہ آسنسول اور گوموہ سے کھڑکپور ہو کر آسکتے ہیں۔ بانیانِ مناظرہ نے فارم کی خانہ پری و کوپن لکھا کر فقیر کے نام سے بھیجنے کیلئے لے گئے ہیں غالبًا ارسال خدمت کر دیا ہوگا بھدرک کا تو سفر خرچ سُننے میں آیا ہے برائے کرم بوالیسی ڈاک مژدہ سے سرفراز فرمائیں۔ حضرت مولانا وہاج الدین صاحب و عزیزی مولانا مشاہد رضا صاحب و دیگر احباب اہلسنت کیخدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔

فقیر کا پتہ ڈاکخانہ دھام نگر P.O. Dhamnagar ضلع بالیسر Distt. Balisar

ہے پتہ میں انگریزی بھی ضرور ہو تو بہتر ہے۔ فقیر حبیب الرحمٰن قادری غفرلہٗ

۲۳ر رمضان المبارک ۷۸ھ مطابق ۲ر اپریل ۵۹ء

(٢)
٧٨٦/٩٢

از بھدرک ضلع بالیسر اڑلیسہ
مکرم و محترم زید احترامکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بحمدہ تعالےٰ فقیر ایک نوع بخیریت ہے عافیت مزاج سامی کا خواہاں۔ عرصہ سے کچھ احباب اہلسنت کی دلی خواہش ہے کہ آپ کی اڑلیسہ میں تشریف آوری ہو اور بیانات اور ردّ وہابیہ سے لوگ مستفیض ہوں۔ بنگال جو متصل اڑلیسہ کے ہے ایک مناظرہ دیوبندیہ وہابیہ سے بنگہ بنسیا کھ کے ۵ر تاریخ کو طے پایا ہے جو مطابق ۱۸ر اپریل اور اپنی حسب جنتری ۹ر شوال المکرم ۷۸ھ ہوتا ہے۔ اس سے پہلے بھدرک میں ۱۶ر اپریل ۵۹ء کو جلسہ ہو گا۔ اس کے علاوہ اور جلسوں کو بھی ضرورت ہے۔ لہٰذا ۱۵ر اپریل تک بھدرک پہنچ جائیں تو عین مہربانی ہو گی۔ یہاں ایک بزرگ کی سالانہ فاتحہ کچھ غربا کرتے ہیں ان لوگوں نے آپ کی تشریف آوری کی گفتگو کی تھی اور وہ اڑلیہ اور بیرون اڑلیسہ مشہور ہو گئی۔ خدانخواستہ اگر تشریف نہ لائیں تو بڑی گڑبڑی ہو گی لہٰذا ضرور باضرور تشریف لائیں جواب کا بغیر انتظار کئے ہوئے فقیر نے ان لوگوں سے کہدیا ہے کہ مولانا صاحب کی سکنڈ اور ہمراہی کی تھرڈ کا کرایہ دینا ضروری دہے) لہٰذا تخمیناً اکیسو گیارہ روپیہ جو ایک قادری عدد بھی ہے بھیجدیا جائے۔

وہ لوگ راضی ہو گئے ہیں۔ اجمیر شریف میں تذکرہ کا موقع نہ ملا۔ مولوی وہاج الدین صاحب غازی پور سے گفتگو ہوئی تھی انہوں نے وعدہ فرمایا تھا کہ جناب سے گفتگو کر کے مجھے مطلع فرمائیں گے۔ مگر میری بدقسمتی کہ میں اس سے محروم رہا۔ جلسہ کا تردد اور مہمانوں سے گفت و شنید وغیرہ کیوجہ سے موقع نہ ملا کہ فقیر خود حاضر ہو کر طے کرتا بہر حال فقیر کی نالائقی پر اس کو محمول فرما کر کم از کم دو ہفتہ کے لئے اس اطراف میں تشریف لائیں تو بڑی عنایت ہو۔ غالباً اڑلیسہ کبھی تشریف نہیں لائے اور اڑلیسہ ہی ہندوستان کا بدنصیب صوبہ ہے جواب تک جناب کی قدمبوسی سے محروم ہے۔ لہٰذا ضرور باضرور تکلیف گوارہ فرما کر فقیر کو ممنون اور اہل اڑلیسہ کو شکر گذار کا موقع دیں۔ بنگال میں اگرچہ مناظر عزیزی مولانا ارشد القادری سلمہ رہیں گے لیکن تقریر و جلسوں کے غرض سے جناب و دیگر مقررین کی ضرورت ہے خانہ پری کے لئے فقیر بھی خدمت میں حاضر رہے گا۔ انشاء المولےٰ تعالےٰ۔

کانپور میں سید نیاز احمد صاحب فتحپوری نے عزیزی مولانا مشاہد رضا سلمہ ربہ

و بارک فی علمہ و عملہ و دینیہ و دنیاہ کی شادی خانہ آبادی کا دعوت نامہ دیا تھا مگر ایسی بدنصیبی نہ حاضر ہو سکا نہ کوئی عریضہ حاضر کر سکا۔ امتحان کے لئے بریلی شریف دوبارہ حاضر ہوا مگر ہائی کورٹ کی تاریخ اور مسجد گیان باپی بنارس کے معاملہ کی الجھاؤ کیوجہ سے فوراً واپس آنا پڑا اس لئے مجبوری اور زیادہ ہو گئی۔ امید قوی ہے کہ معافی سے نوازا جائیگا۔ عزیزی مولانا وہاج الدین صاحب زیدکرمہٗ و دیگر احباب سے بہت بہت سلام فرمادیں بڑا کرم ہو گا بوالیسی ڈاک تشریف آوری کے مژدہ سے نوازا جائیگا۔ فقط والسلام مع الاکرام

فقیر حبیب الرحمٰن قادری عفی عنہ ۱۰ر رمضان المبارک ۷۸ھ

مکتوبات حافظ ملت حضرت مولانا عبد العزیز محدث مرادآبادی مبارکپور

(۱)

از اشرفیہ

حامی دین متین ناصر الاسلام والمسلمین حضرت شیر بیشہ سنت قاطع شر نجدیت و دیوبندیت دامت برکاتہم العالیہ وعمت افاداتکم القدسیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کرم نامہ صادر ہوا عزیزی عبد الشکور صاحب کو مطالعہ کرایا مکرمی حافظ عبد الحلیم صاحب وغیرہ مخلصین محبین کو مضمون سے آگاہ کیا۔ جناب والا کی فتح و ظفر کے سلسلہ میں تہنیت و مبارکباد کی مجلس منعقد ہوئی۔ طلبہ و احباب اہلسنت شریک تھے۔ مدرسہ کی کامیابی پر خوشی منائی گئی جناب والا کے مناقب و فضائل کا تذکرہ ہوا۔ جلسہ اس دینی خدمت کی کامیابی پر قلبی مسرت کے ساتھ جناب والا کی خدمت میں ہدیہ تشکر و مبارکباد پیش کرتا ہے۔ اور اعتراف کرتا ہے کہ اس نازک دور میں اتنی بڑی زبردست کامیابی حضرت شیر بیشہ سنت کے اخلاص و ایثار کی برکت اور اعلیحضرت قبلہ و مظہر اعلیحضرت کی کرامت ہے۔ دعا کرتا ہے مولیٰ عزوجل آپ کے ظلّ کرم کو ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور ہمیشہ مظفر و منصور بنائے (آمین) ———— استاذ معظم حضرت صدر الشریعہ قبلہ

قدس سرہ العزیز کی وفات۔ نے دل ودماغ پر غیر معمولی اثر ڈالا ہے۔ خداوند کریم آپ اور ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق دے اور حضرت قبلہ کے مراتب علیا میں بیشمار بلندی بخشے آمین وبہ نستعین ۔ والسلام

خادم عبدالعزیز عفی عنہ ۔ ۴؍ ذی الحجہ ۶۷ھ

(۲)
۷۸۶

از اشرفیہ مبارک پور

مخدوم محترم حضرت شیر بیشۂ سنت مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ معلوم ہوا کہ حضرت سخت علیل تھے نہایت صدمہ ہوا۔ کل مدرسہ میں آیۂ کریمہ کے ختم کے بعد حضور والا کی صحت وعافیت کیلئے دعا کرائی۔ مدرسین وطلبہ کثیر تعداد میں دست بدعا تھے۔ مولیٰ تعالےٰ حضرت والا کو بصحت وسلامتی اپنی حفاظت وحمایت کے ظل کرم میں ہمارے سروں پہ تا دیر قائم رکھے عمر میں برکت دے صحت وقوت عطا فرمائے (آمین)

جملہ مدرسین واراکین اشرفیہ وطلبہ کی جانب سے سلام نیاز عزیز مکرم مولوی مشاہد رضا خاں صاحب اور ان کے بھائی بہنوں کو خادم کیطرف سے سلام ودعا والسلام

عبدالعزیز عفی عنہ ۱۴؍ صفر ۷۹ھ

(۳)
۷۸۶

از اشرفیہ مبارکپور ۔ ۹؍ ربیع الثانی ۱۹۷۹ء

سرمایہ اہلسنت حضرت شیر بیشہ سنت دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت والا کی علالت سے بے حد صدمہ تھا۔ صحت معلوم ہو کر اطمینان ہوا مولائے قدیر پوری صحت وقوت وتوانائی عطا فرمائے اور ہمیشہ بصحت وسلامتی حضور والا کے ظل کرم کو ہمارے سروں پر قائم رکھے آمین ۔ آج عزیزی مولوی مجیب اللہ صاحب کا تار

آیا تھا۔ مضمون یہ ہے کہ حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب کہاں ہیں۔ ان سے کہئے کہ وہ وعدہ کے مطابق ۱۰؍ اکتوبر کو "ماچھی پور" پہنچیں (مجیب اللہ قادری) اس کا جواب آج ہی یہ دے دیا۔ حضرت قبلہ ام حکیم ایوب صاحب کے زیر علاج ہیں گرنڈہ ضلع بارہ بنکی۔ محب محترم مولانا مشاہد رضا صاحب سلمہ وجناب حکیم صاحب کو سلام مسنون۔

فقط عبدالعزیز عفی عنہٗ

(۴)
۹۲/۷۸۶

از مبارکپور

مولانا المکرم مخدومنا الاعظم دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہدیہ مسنونہ کے بعد گذارش ہے کہ بندہ بفضلہ تعالےٰ بخیر رہ کر عوافی مزاج کا طالب ہے۔ یہ وہ وقت ہے جس کا کئی ماہ سے بیچینی سے انتظار رہا۔ جناب کے دیدار فیض آثار کیطرف نظر لگی تھی۔ یہ امید تھی کہ ماہ شوال کے اخیر میں مدرسہ کا جلسہ ہوگا عالیجناب تشریف لائیں گے۔ مگر اسوقت کسی کا انتظار نہ ہو سکا اراکین نے جلسہ ملتوی کر دیا۔ دیکھئے کب قسمت جاگتی ہے اور قدمبوس ہو پاتا ہوں۔ مولیٰ تعالےٰ وہ وقت جلد لائے کہ زیارت وقدمبوسی کے شرف سے فیضیاب ہو سکوں

گاہ گاہ خیریت وعافیت سے مطلع فرماتے رہیں غایت کرم ہوگا۔ ماہ ذی الحجہ میں کم از کم گرامی نامہ روانہ فرمادیں۔ جس میں صحت مزاج کے ساتھ جائے قیام بھی تحریر فرمائیں عین بندہ نوازی ہوگی۔ جملہ مدرسین، طلبہ واراکین کیجانب سے سلام نیاز

آپ کا خادم

عبدالعزیز عفی عنہ

۲۴؍ شوال ۵۷ھ

مکتوب حضرت مولانا مفتی رفاقت حسین مفتیٔ اعظم کان پور

(۱)
۷۸۶

۲۴ر جنوری ۵۲ء کانپور

بخدمت گرامی حضرت شیر بیشۂ سنت دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

قصبہ پرشدے پور متصل سلون ضلع رائے بریلی میں ۲۱ر جنوری کو میں مناظرے کیلئے بلایا گیا۔ جب پہنچا تو وہاں کے علماء دیوبند موجودین نے مجھ سے مناظرہ سے گریز کرتے ہوئے میعاد کی توسیع چاہی۔ میں نے اجازت دیدی۔ اب ۱۷ر فروری روز یکشنبہ دن کا وقت طے پایا۔

کاکوروی کے یہاں ان کی بہن منسوب ہے اسلئے ان لوگوں کو قوی امید ہے کہ انھیں میدان میں لے آئیں گے۔ ان کے علاوہ ان کے اکابر کے متعلق ان لوگوں کا خیال ہے اور ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی آجائے۔ بہرصورت میری اعانت آپ پر ضروری ہے۔ آپ ۱۶ر فروری کو رائے بریلی پہنچنے کیلئے وقت نکالیں امید کرتا ہوں کہ میری درخواست شرف قبولیت حاصل کرے گی اس کا جواب اور اپنا پتہ تحریر فرمائیں تاکہ سفر خرچ روانہ کیا جائے۔ حضرت مفتی اعظم قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ نیز طالب دعا ہوں۔ احباب حاضرین کو سلام نہایت بےچینی سے جواب کا منتظر رہوں گا۔

طالب خیر ودعا فقیر رفاقت حسین غفرلہ، احسن المدارس قدیم

مکتوب حضرت خواجہ سید شاہد حسین صاحب (پٹنہ بہار)

(۲)
۷۸۶

تاریخ ۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ بروز جمعہ   از تکیہ شریف پٹنہ سیٹی

بگرامی خدمت فیض موہبت، شیر بیشۂ اہلسنت، ماحی بدعت، قاطع کفر وضلالت مظہر اعلیٰحضرت (قدس سرہ) مجمع الفضائل منبع الفضائل قدوۃ الواصلین زبدۃ المحققین

حضرت مولانا المولوی حشمت علیخاں صاحب قادری رضوی مجددی دامت برکاتہ ونوالہ وافضالہ،

الف الف سلام شوق قبول باد!

گذارش خدمت فیض درجت این کہ بفضلہ تعالیٰ وبکرم حبیبہ صلی المولیٰ تعالیٰ آستانہ شریف پرخیریت ہے اور خیریت الحضور والا شب وروز بہ درگاہ رب بے نیاز نیک مطلوب ـــــــ دیگر این کہ مولانا مولوی ظفرالدین صاحب مدظلہ کا جوابی کارڈ حضور والا کیخدمت اقدس میں وصول ہوا ہوگا اور اس سے پوری کیفیت معلوم ہوگئی ہوگی لیکن پھر بھی طبیعت نے بہت مجبور کیا کہ میں خود حضور والا کی خدمت فیض درجت میں نیاز نامہ روانہ کروں اور حضور والا مدظلہ، کو قدم رنجہ فرمانے کیلئے مجبور کروں تاکہ مجھے حضور کا نیاز بھی حاصل ہوجائے اور بددینوں گمراہوں کا جو سیلاب بھولے بھالے سنیوں کو اپنے رو میں تہہ وبالا کرنا چاہتا ہے اس کا انسداد بھی ہوجائے اور پھر اس صوبہ بہار میں لوگوں کے دماغ گل گلستان رضویت اور گل چمنستان سُنیت سے معطر ہوجائے گا تاکہ ان گندہ ذہن گمراہوں بے دینوں سے قطعی نفرت ہوجائے اور اہلسنت وجماعت کا بعونہ تعالےٰ وبکرم حبیبہ صلی المولیٰ تعالیٰ بول بالا ہوجائے۔

اور حضور والا نے فرمایا بھی تھا کہ ایک بار مجھے پورنیہ وغیرہ کیطرف پہنچایا جائے لہذا بعونہ وبکرمہ صلی المولیٰ تعالیٰ خداوند تعالیٰ نے یہ وقت دکھایا کہ تاریخ ۲۶ر فروری ۱۹۵۲ء مطابق تاریخ ۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ بروز سہ شنبہ ایک جلسہ رحمن پور ضلع پورنیہ میں منعقد کرنے کے سارے انتظامات مکمل ہوچکے ہیں اب صرف حضور والا کے جواب باصواب کا نہایت بے چینی کے ساتھ انتظار ہے۔ امید کہ آنحضور مدظلہ فوراً واپسی ڈاک سے جواب عنایت فرماکر ہم لوگوں کی بے چینی اور اضطرابی کو دفع فرمائیں گے اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ کس پتہ پر حضور والا کیخدمت اقدس میں اخراجات روانہ کردیئے جائیں۔ اور حضور کٹیہار جنکشن او۔ ٹی۔ آر۔ لکھنؤ ایکسپریس یا الہ آباد پسنجر کے ذریعے تشریف لائیں۔ لیکن حضور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ کس تاریخ اور روز میں تشریف لاتے ہیں

تاکہ ہم لوگ کٹیہار جنکشن میں حضور والا کا انتظار کریں۔ باقی بوقت ملاقات۔ اور حضور والا کم از کم ایک ہفتہ کے اندر کا کسی کو وعدہ نہ فرمائیں چونکہ حضور کو ایک ہفتہ کم از کم قیام فرمانا ہوگا۔ فقط والسلام اور تمامی حاضرین کیخدمت میں سلام مسنون فرمادیں

خواجہ سید شاہ شاہد حسین غفرلہ ذنوبہ سجادہ نشین بارگاہ عشق تکیہ شریف

محلہ میتن گھاٹ پٹنہ سیٹی

از جناب احقر الناس محمد یوسف غفرلہ یکے از غلامان آستانہ و جناب ماسٹر محمد قیس صاحب قادری رزاقی بی اے علیگ بہت بہت سلام نیاز قبول باد مضمون واحد ہے

فقط والسلام محمد یوسف غفرلہٗ

مکتوبات حضرت مولانا بدر الدین احمد رضوی

(۱)

از براؤں شریف ۷۸۶/۹۲ ۲۳ مئی سنہ ۵۹ء

مخدومنا المعظم وقدوتنا المکرم! مزاج سامی

السلام علیکم۔ مودبانہ گذارش ہے کہ متعدد معروضات پیلی بھیت کے پتے پر حضرت کی خدمت میں میں نے ارسال کئے۔ لیکن شاید عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے مجھے جواب عطا نہ ہوا۔ حضرت کی تصنیف جو المہند کی رد میں ہے وہ اسوقت کہاں ملے گی ہم اس کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ فیض الادب حصہ دوم اسوقت لکھنؤ میں زیر طبع ہے۔ حصہ دوم کے آخر میں حضور اعلیحضرت امام احمد رضا رضی المولےٰ تعالیٰ عنہ کی مختصر سوانح عمری بھی عربی زبان میں لکھکر شامل کر دی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ فیض الادب اول و دوم سنی طلبہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی انشاء المولی العزیز ثم شاء حبیبہ علیہ الصلاۃ والسلام حضرت کے تحت اشراف جو مدارس ہیں ان میں یہ دونوں کتابیں جاری کرنے کا حکم فرمائیں فیض المنطق حضرت کی خدمت میں پیلی بھیت کے پتے پر بھیج چکا ہوں غالباً وصول ہوئی ہوگی ـــــ صدر الدین برادر زادے خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں وہ کچھ معروضات

پیش کریں گے۔ امید کہ انھیں باریابی کا موقع دیا جائیگا۔ حضرات علمائے کرام کی خدمت میں مودبانہ سلام پیش ہے۔ فقط والسلام

بدر الدین احمد قادری رضوی

دار العلوم اہلسنت فیض الرسول براؤں شریف

(۲)

از براؤں شریف ۷۸۶/۹۲ ۹ رجب شریف ۷۸ھ ۱۹ جنوری سنہ ۱۹۵۹ء

حسب ارشاد حضور سیدی شاہ قبلہ

از قلم بدر الدین احمد قادری رضوی

حضرت اقدس قبلہ! مزاج سامی؟ السلام علیکم

مودبانہ عرض یہ ہے کہ حضرت سیدی شاہ صاحب قبلہ کا مزاج مبارک ان دنوں بہت ناساز تھا۔ چنانچہ علاج کے سلسلے میں حضرت قبلہ فیض آباد پہنچے اور لکھنؤ کے ارادے سے ردولی شریف تک پہنچے۔ زمرد گنج کے ایک مرید سے معلوم ہوا کہ حضرت شیر بیشۂ سنت قبلہ ردولی کے عرس میں شرکت فرمائیں گے۔ اور جناب قمر الدین صاحب نے بتایا کہ حضرت شیر بیشہ سنت قبلہ کی شرکت حتمی اور یقینی ہے۔ حضرت قبلہ کو بڑی امید تھی کہ حضور سے ملاقات ہوگی اور بیان بھی سننے میں آئیگا۔ لیکن معلوم نہیں کیوں حضرت عرس میں شرکت نہ فرما سکے۔ پھر ردولی سے حضور شاہ صاحب قبلہ فیض آباد تشریف لائے اور وہاں ڈاکٹر مصرا سول سرجن نے تشخیص کی اور بتایا کہ حضرت کے خون مبارک کی حدت ۹۰ پائنٹ تک پہنچ چکی ہے اور جب تک ۶۰ پائنٹ تک نہ ہوگی طبیعت ٹھیک نہ ہوگی۔ چنانچہ اس نے دوا دی اور پرہیز بہت سخت بتایا ہے۔ یہاں حضور اس وقت صرف ساگ اور روٹی پر اکتفا کئے ہیں۔ کمزوری زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ وہاں سے حضور ڈھلمئو تشریف لے گئے اور مدرسے کی عمارت بننے کا انتظام فرمایا۔ کیونکہ امسال شوال ۷۸ھ ہی سے انشاء المولےٰ تعالےٰ وہاں ایک عربی درسگاہ کا افتتاح ہو جائے گا۔ پھر ڈھلمئو شریف ایک ہفتہ قیام کر کے حضرت فیض آباد تشریف لائے اور ڈاکٹر مصرا کو بلوایا۔ اس نے بذریعہ آلہ

حضرت کے جسم مبارک کا معائنہ کیا اور بتایا کہ اسوقت دوران خون . ، پائنٹ پر ہے اور بفضلہ تعالیٰ و بعون حبیبہ علیہ التحیۃ والثناء دوا کام کر رہی ہے۔ اس نے پندرہ دن تک کی دوا دی اور کہا کہ دو ہفتہ کے بعد آپ پھر ملئے۔ پھر فیض آباد سے حضور قبلہ براؤں شریف تشریف لائے اور دو ہفتہ یہاں قیام فرمایا اور آج ہی انشاء المولےٰ تعالیٰ فیض آباد کو روانہ ہوجائیں گے۔

کل ۱۸ر جنوری ۱۹۵۹ء کی ڈاک سے گوشائیں گنج کے محبوب صاحب کا ایک کارڈ جو بنام محمد یوسف و ضیاء اللہ سوداگران چرم نانپارہ تھا یہاں آیا جسکو محمد یوسف صاحب نے بھیجا ہے۔ محبوب کا خط بعینہٖ نقل ہے۔

بخدمت بھائی ضیاء اللہ محمد یوسف سوداگر چرم

بعد السلام علیکم کے واضح ہو کہ آپ کا خط بلٹی ملا۔ بڑی مسرت ہوئی۔ واضح ہو کہ ہمارے یہاں ۱۹ ر ۲۰ ر فروری ۱۹۵۹ء کو جلسہ ہوگا اور اس جلسہ میں دیوبندی اور ہملوگ کے مولانا کا مقابلہ ہے اور اندیشہ ہے کہ اہلسنت و جماعت اور وہابی کا مناظرہ ہوجائے لہٰذا اس جلسہ میں حضرت شیر بیشہ سنت مولانا محمد حشمت علیخاں صاحب قبلہ کا شرکت کرنا ضروری ہے۔ اس لئے آپ تکلیف گوارہ کرکے یہ خط حضرت شاہ صاحب قبلہ کے پاس پہنچا دیجئے اور حضرت شیر بیشہ سنت قبلہ کو تاریخ مقررہ پر آجانا ضروری ہے۔ کوشش کرکے بلوا دیویں کہ وہ ضرور آدیں۔ اور یہ بھی لکھیں کہ مولانا کا سفر خرچ کہاں روانہ کیا جاوے میں بڑی عاجزی سے لکھ رہا ہوں کہ یہ کام ضرور کر دیویں یہ مذہب کا معاملہ ہے ـــــ انتہی

مولیٰ عزوجل کا شکر ہے کہ گوشائیں گنج میں خالص سنیت کی تبلیغ کی تڑپ لوگوں میں پیدا ہو رہی ہے محبوب اور ماسٹر محبت صاحبان اپنے آدمی ہیں۔ گوشائیں گنج کی کثیر آبادی سنیوں کی ہے لیکن گول تقریر کرنے والوں نے اب تک انھیں دھوکے میں رکھا تھا۔ لیکن اب بحمدہ تعالیٰ باطل کا پردہ چاک ہونے والا ہے۔

حضرت کی تو عادت کریمہ قدیمہ یہی رہی کہ جہاں بھی مناظرہ کی ضرورت آئی تو حضرت

نے مقررہ جلسوں کی تاریخیں تک ملتوی فرما دیں ہیں۔ اس لئے امید ہے کہ ۱۹ ر ۲۰ ر فروری ۱۹۵۹ء کی تاریخ گوشائیں گنج کیلئے منظور فرمائیں گے تاکہ وہاں خالص سنیت کے پھلنے اور پھولنے کا موقع حاصل ہو۔

حضور سیدی شاہ صاحب کی تمنا ہے کہ وہ جہاں بھی رہیں گے لیکن مناظرہ کی تاریخ میں انشاء المولےٰ تعالیٰ گوشائیں گنج پہنچیں گے ـــــ

مکرر آں کہ حضور محبوب کو بھی اطلاع عطا فرمائیں گے پتہ پشت پر درج ہے۔

"محبوب صاحب کلاتھ مرچنٹ پوسٹ و مقام گوشائیں گنج ضلع فیض آباد"

حضور سیدی شاہ صاحب قبلہ کیجانب سے حضور قبلہ کی خدمت مبارکہ میں سلام پیش ہے اور اس سگ بارگاہِ رضوی کیجانب سے عرض ہے کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ کی صحت اور تندرستی بہت کمزور ہوچکی ہے۔ حضور دعا فرمائیں کہ رب کریم اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقے میں کرم فرمائے۔

اس سگ بارگاہ رضوی کی ایمانی تمنا ہے کہ ایک بار بھی زندگی میں حضرت شیر بیشۂ سنت قبلہ کی خدمت میں رہ کر مناظرہ کا دیکھنا نصیب ہوجاتا تو آئندہ بے دینوں سے مقابلہ کرنے کے لئے کچھ درس حاصل ہوجاتے۔

بدر الدین احمد قادری رضوی دست بستہ ہوکر امام المناظرین کی بارگاہ میں عقیدت کا سلام پیش کرتا ہے ـــــ فیض الادب حصہ دوم مرتب کر چکا ہوں جسکے آخر میں حضور اعلیحضرت قبلہ کی مختصر سوانح عمری عربی زبان میں لکھ کر شامل کی ہے تاکہ طلبہ اہلسنت اپنے چودھویں صدی کے مجددِ اعظم کے مبارک نام اور مقدس زندگی سے آگاہ ہوں لیکن ابھی اسکے چھپنے کا انتظام نہ ہو سکا ہے۔ حاضرین کو سلام عرض ہے۔ عزیزم بابو مولانا مشاہد رضا اور حضرت مولانا وجیہ الدین صاحب قبلہ کو سلام عرض ہے۔ ایک عدد فیض المنطق بذریعہ بک پوسٹ روانہ ہے عزیزم مولانا مشاہد رضا صاحب ملنے پر اطلاع فرمائیں۔

کفش بردار اور قدمبوس بدر الدین احمد رضوی   براؤں شریف

مکتوبات حضرت مولانا مفتی رجب علی رضوی نانپاروی

(۱)

۹۲/۷/۸۶

مکرمنا المعظم مولانا المحترم ناصر الشریعۃ کاسر البدعۃ حامی السنن ماحی الفتن دامت فیوضکم ـــ السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ،

بفضلہ تعالےٰ اکمترین بخیریت ہے عافیت مزاج وہاج کا طالب۔ کچھ دن گذرے ایک خط ارسال کیا تھا۔ شاید ہڑتال کے سبب ملاحظہ عالیہ میں نہ آیا ہو۔ اس میں ایک افتاء بھی مندرج تھا۔ احقر کے لئے غالباً کسی تعویذ کے دینے کیلئے حضرت نے پیلی بھیت میں تذکرہ فرمایا تھا۔ پھر یاد دلاتا ہوں یہاں کے مخالفین نے آج کل بڑا شور مچا رکھا ہے اس لئے کہ میں نے رویت ہلال رمضان مبارک کے بارے میں ان کی شہادت مردود کردی یہاں ۲۹ر کو چاند نہ دیکھا گیا تھا۔ اس کا مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔ ماہ مبارک کے دو چار ایام بعد شیخ ضیاء الدین صاحب کے بڑے صاحبزادے محمد یوسف گونڈہ سے آئے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے نیز اور اشخاص نے ۲۹ر کو چاند دیکھا شاید مذکور شخص سنی ہیں۔ کبھی کبھی داڑھی کترواتے رہے مگر اب تائب ہو گئے۔ اگرچہ ابھی داڑھی حد شرعی تک بوجہ کم عمری نہیں آئی ہے نیز اور بھی دو آدمیوں نے گواہی دی مگر ان کے داڑھی بالکل نہیں لہٰذا اب اس شہادت کے بعد ایک روزہ کی قضا کا اعلان میرے ذمہ ضرور ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی تحریر فرمایئے کہ مرید ہونے کی کیا ضرورت ہے میرا دل اب اسطرف بہت راغب ہے۔ حضرت دعا فرمائیں کہ مولےٰ عز وجل مجھے پیر کامل عطا فرمائے اور ہدایت کامل نصیب فرمائے حضرت کے مشورہ کا بھی امیدوار ہوں جواب سے جلد سر فراز فرمایا جائے۔

والسلام مع الاکرام

رجب علی غفرلہٗ مصباح العلوم نانپارہ ضلع بہرائچ شریف

۷ار رمضان مبارک بروز پنجشنبہ بحساب رویت ۲۹ر رمضان مبارک

(۲)

۹۲/۷/۸۶

حامی السنن ماحی الفتن شمس العلماء المتبحرین بحر الفضلاء الکاملین دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بفضلہ تعالےٰ بخیریت ہوں عافیت مزاج گرامی کا طالب۔ اس سے قبل ایک مکتوب جاچکا غالبا ملاحظہ عالیہ میں آیا ہو۔ تاہنوز خبر عافیت مزاج وہاج نہ ملی فکر مند ہوں۔ مطلع فرمایا جائے۔ مکرمی منشی ہدایت اللہ خانصاحب بخیریت ہیں ان کیطرف سے سلام مسنون پیش ہے۔ والسلام مع الاکرام

احقر رجب غفرلہٗ (مصباح العلوم نانپارہ ۱۲ر شوال دوشنبہ مبارکہ)

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم

بلغ العلیٰ بکمالہٖ

کشف الدجیٰ بجمالہٖ

حسنت جمیع خصالہٖ

صلوا علیہ وآلہٖ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

کلام شیخ سعدی

کتبہ گوہر قلم

تاثرات

کسی شخصیت کے بارے میں کسی معاصر کی رائے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ ایک معاصر کے سامنے دوسرے کی زندگی ایک کھلی کتاب ہوتی ہے جس کے سبب وہ اس کے محاسن ومعائب سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر یہاں حضور شیر بیشۂ سنّت کے جلیل القدر معاصرین جن کی شخصیتیں دنیائے سنیت میں روشن ودرخشندہ ستاروں کی مانند ہیں ان کی آرار کو پیش کیا جارہا ہے۔ تاکہ ان حضرات کے اقوال وتاثرات کی روشنی میں آپ کی شخصیت کو پرکھنے میں مزید مدد مل سکے۔ چونکہ راویوں کا تعلق مصنّف یا مرتب کی ذات سے نہیں ہوتا۔ براہ راست اسی شخصیت پر گفتگو ہوتی ہے۔ اس لئے ایسی عبارتیں خالص عقیدت ومحبّت کی آئینہ دار نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ ان میں نظروں کے سامنے وجود میں آنے والے حقائق کا ذکر ہوتا ہے۔

اس بحث کے آخر میں کچھ شعرار کے منظوم خراج عقیدت بھی درج ہیں تاکہ حلقۂ علم وادب، دونوں میں آپ کی پذیرائی کا اندازہ لگایا جا سکے۔ یہ منظوم خراجِ عقیدت بھی ایک طرح کے تاثر ہوتے ہیں۔ جنھیں دل کے جذبات شاعری کے سانچے میں ڈھال کر شاعر کی زبان سے کہلواتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس باب میں اسے بیان کرنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے۔ جن حضرات کے تاثرات بیان کئے گئے ہیں ان میں تقریبًا سب لوگوں نے آپ کی شخصیت کو دیکھا پرکھا اور برتا ہے۔ اس وجہ سے آپ کی شخصیت کی عظمت ثابت کرنے کے لئے ان اقوال کو سند کے طور پر بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ جن حضرات کے تاثرات کو ذیل میں دیا جارہا ہے وہ اپنے دور کے ان مایۂ ناز ہستیوں میں سے تھے جن کی بات علم وادب کی دنیا میں حرفِ آخر کا درجہ رکھتی تھی۔

(۱) محدّث اعظم ہند مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی (متوفی ۱۳۸۳ھ)

"حضرت کے علم وفضل کا اعتراف ہمیشہ دل سے اور آج زبان پر ان کے سب سے زیادہ معاند بھی کررہے ہیں " والفضل ماشہدت بہ الاعدار" ان کا حُسن اخلاق اپنے بڑوں کا ہی نہیں بلکہ اپنے چھوٹوں کا ادب ہر سنی صحیح العقیدہ سے ان کا کریمانہ برتاؤ آج جمہوریت اسلامیہ کے لئے مینارۂ ہدایت ہے۔ ان کا تقوی اور اتباع سنت کا جذبہ پوری زندگی پر چھایا ہوا تھا۔ ان کا کامیاب احقاق حق اور ابطال باطل کون ہے جو نہیں جانتا عیسائیوں کے جبڑے چیر دیئے، آریوں کے چھکے چھڑا دیتے۔ مگر دیوبندیوں میں مشہور ہے کہ ان کو موت کے گھاٹ اتار دیئے۔ اور مولانا کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان کو محسن کشوں سے بڑا ساتھ پڑتا رہا مگر یہ صلابت ایمانی کا جبل شامخ اور صبر ورضا کا کوہ گراں نہ اس سے گھبرایا اور سلف صالحین کا اسوۂ حسنہ بنا رہا"

" خدا جانے کتنی خوبیاں تھیں پاک ہستی میں"

ماخوذ از پاسبان شیخ ملت نمبر ۱۳۸۰ھ

(۲) مفتی اعظم ہند مولانا مصطفٰے رضا قادری (متوفی ۱۹۸۱ء)

" اسدالملة، ناصرالسنة، کاسرالبدعة، شیر بیشۂ سنت، مظہر اعلیحضرت، ناشر احکام الشریعۃ الغرار والطریقۃ البیضا، حضرت مولانا ذی الفضل الجلی المولوی حشمت علی القادری الرضوی رضی اللّٰہ عنا وعنہ"

ماخوذ از خلافت نامہ قلمی عطا فرمودہ ۲۲ صفر مظفر ۱۳۸۰ھ

(۳) استاذ العلما حافظ ملت مولانا عبدالعزیز محدث مرادآبادی (متوفی ۱۳۹۶ھ)

آپ کی شخصیت دنیائے اسلام میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ کی شخصیت صرف آل انڈیا ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی شان امتیاز رکھتی تھی جس نے گورستان وہابیت میں سناٹا کردیا، گلستانِ

دیوبندیت تاراج کردیا، نجدی قلعوں میں زلزلہ ڈال دیا، بڑے بڑے دیوبندی سورماؤں کو آپ سے مقابلہ کی تاب نہ تھی، نجد کے بڑے بڑے وفادار اور منظور نظر اس شیر سنت کے نام سے کانپتے لرزتے تھے، ہند کی شیخیت کا خواب دیکھنے والوں کا پتہ پانی ہوتا تھا۔ اس شیر سنت نے جس طرف رخ کر دیا حق وصداقت کے ڈنکے بجا دیئے باطل کے پرخچے اڑا دیئے۔ حضرت ممدوح نے وہ نمایاں شاندار دینی خدمات انجام دیں جو رہتی دنیا تک آپ کی زریں یادگار رہے گی۔ میدان تبلیغ ومناظرہ میں آپ خود ہی اپنی مثال تھے۔

ماخوذ از پاسبان شیخ ملت نمبر ۱۳۸۰ھ

(۴) امام النحو حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

موصوف (شیر بیشۂ سنت) ان مخصوص ہستیوں میں معدود ہیں جن کی تخلیق خدمت دین کے واسطے ہوئی تھی۔ ہندوستان وپاکستان کا چپہ چپہ آپ کی دینی خدمات سے گونج رہا ہے۔ ہزارہا انسانی نفوس کو قعر ضلالت سے نکال کر اوج ہدایت پر پہنچایا۔ اشداء علی الکفار ورحماء بینہم دونوں صفتوں کے ساتھ موصوف تھے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ صفت اول کا رنگ طبیعت پر غالب تھا"

(۵) امام المعقولات حضرت مولانا قاضی شمس الدین احمد جعفری (متوفی ۱۹۸۱ء)

اس دور پر فتن میں ان (شیر بیشہ سنت) کی دینی خدمات آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں اور امت پر جو ان کا احسان عظیم ہے وہ کبھی بھلایا نہیں جا سکتا۔ خصوصاً احقاق حق وابطال باطل میں ان کے قولی وقلمی جواہر و زواہر آپ اپنی نظیر ہیں۔ دنیا شاہد ہے کہ آپ حق کہنے میں کبھی کسی سے ڈرے اور دبے نہیں۔ فضل وکمال کا یہ عالم کہ مذاہب اغیار تک کی کتابیں نوک زبان پر تھیں۔ بڑے سے بڑا زبان آور مخالف آپکے سامنے طفل دبستاں نظر آتا ہے"۔

ماخوذ از پاسبان شیخ ملت نمبر ۱۳۸۰ھ

(۶) خطیب مشرق حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی (متوفی اکتوبر ۱۹۹۰ء)

"میرے شیر تم عہد رفتہ کی ایک یادگار تھے۔ تصلب فی الدین میں تم امام احمد رضا کی جیتی جاگتی مثال تھے، حجۃ الاسلام کے ادب، صدر الافاضل کے فلسفہ، صدر الشریعہ کا راج دلارا اور دنیائے سنیت کا ایک ممتاز ہیرو ہماری انجمن سے اٹھ گیا۔ بتاؤ ہم تمہاری کن کن اداؤں پر سر دھنیں تم جامع الصفات ہونے میں خود اپنی مثال تھے۔ مسند درس پر اپنے وقت کے ممتاز شیخ الحدیث، دار الافتاء میں فقیہ اعظم، تبلیغی اسٹیج پر ساحر البیان مقرر، تجوید وقرأت میں رئیس القراء اور میدان مناظرہ میں مسلم الثبوت امام تھے۔

میرے شیر! تم رات کے مقرر اور دن کے پیر تھے۔ اگر تم میدان مناظرہ کے ایک شہسوار مجاہد تھے تو عابد شب زندہ دار بھی تھے۔ مسند شریعت پر تم ایک عالم جلیل تھے تو سجادۂ تصوف پر ایک درویش کامل تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ تم شریعت وطریقت کے ایک ایسے سنگم تھے جہاں پہنچ کر ہر پیاسے نے پیاس بجھائی۔ تمہاری زندگی.....

"درکف جام شریعت درکف سندان عشق"

کی آئینہ دار تھی۔

میرے شیر! تم نے ہمیشہ اپنوں کو کلمہ خیر سے یاد کیا۔ وہ زبان جو دشمنوں کے لئے شمشیر برہنہ تھی جس سے شاتمان رسول کے نشیمن پر بجلیاں کوندتی تھیں۔ وہی زبان اپنوں پر پیار ومحبت کے پھول برساتی رہی۔

میرے شیر! تمہیں دنیا کچھ بھی کہے مگر تم ہماری نظر میں عشق ومحبت کے ایک روشن مینارہ تھے۔ تمہارا دل عشق رسول کی سلگتی ہوئی انگیٹھی تھا جس سے کبھی چنگاریاں پھوٹیں، شعلے اٹھے، شرارے بھڑکے۔ تم محبت کی اس آگ میں اتنا جلے کہ جل کر وہی خاک کندن ہوتی۔ پھر وہی چمکی تو اس طرح کہ اس سے آگے آفتاب وماہتاب مدھم ہو کر رہ گئے۔ تم جس گلی کوچے سے گذرے متاع عشق لٹاتے گئے اور محبت کے پھول برساتے

گئے۔ تم جہاں گئے دیوانہ وار گئے اور نہ جانے کتنوں کو عشقِ رسول میں سرمست و دیوانہ وار بناتے گئے۔ (ماخوذ از پاسبان شیخ ملت نمبر ۱۳۸۰ھ)

۷ حضرت مولانا شاہ سید مختار اشرف اشرفی کچھوچھوی مدظلہ العالی

" وہ شیرِ حق جس کا ایمان باللہ و بالرسول (جل جلالہٗ، وعلیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ الصلوٰۃ والسلام) ریکارڈ بن گیا ہے۔ جو رسول پاک علیہ التحیۃ والثناء کی تعظیم و محبت میں مطعون رہا ہے، جو باطل شکنی اور احقاقِ حق میں اپنی آپ ہی مثال ہے، جس کی ایک ایک گرج نے باطل کے قلعے الٹ دیئے، جس کی زندگی کی ہر ہر ادا میں اتباعِ سنت کا غلبہ رہا ہے۔ مشائخ اور سادات اور اساتذہ کے ادب میں جو آپ ہی اپنی مثال ہے وہ عالم، فقیہہ، مناظر ثقہ عدل تقویٰ اور خشیت ربانی کا مجموعہ رہا ہے جس کے سر پہ دیکھنے والوں نے دستِ غوث الاعظم (رضی اللہ عنہ) کو ہمیشہ دیکھا ہے۔ جس نے امر دین میں کبھی مزاحمت گوارہ نہ کی، جس کے ایمان کو بھری تجوریوں سے بھی نہ خریدا جاسکا جو اعلانِ حق میں ہر لَومۃ لائم سے ہمیشہ بے نیاز رہا جو صرف اللہ سے ڈرا اور کسی باطل قلم کے نوک یا باطل تلوار کی دھار نے دبانے میں کبھی کامیابی حاصل نہ کی۔" (ماخوذ از پاسبان شیخ ملت نمبر ۱۳۸۰ھ)

۸ حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ امام مسجد فتحپوری دہلی (متوفی ۱۹۶۵ء)

حضرت مولانا حشمت علیخاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ فاجعہ کا جو قلب حزیں پر اثر ہے اس کا تحریر میں آنا دشوار ہے امید ہے کہ اس میں مجھے معذور سمجھکر معاف فرمائیں گے۔ اس کے متعلق صرف اتنا ہی لکھنے پایا تھا کہ قلب کی حرکت بڑھ گئی۔ اللہ تعالیٰ ان کے بھائی حضرت مولانا محبوب علیخاں صاحب کو سلامت رکھے اور ان سے اہلسنت کو کما حقہ، نفع پہنچائے۔ اہلسنت سے جب بھی کوئی رکن اٹھتا ہے قلب کی حالت سنبھالے نہیں سنبھلتی

ہم تو ہیں آپ دلفگار غم میں ہنسی ہے ناگوار

چھیڑ کے گل کو نوبہار خون ہمیں رلائے کیوں

محمد مظہر اللہ امام فتحپوری

ماخوذ از پاسبان ص ۳۷، اگست ۱۹۶۰ء

۹ مجاہد ملت حضرت مولانا الشاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری رئیس اڑیسہ (م ۱۹۸۱ء)

" حضرت علیہ الرحمہ کے کمالات ظاہریہ شہرہ آفاق تھے۔ کمالات باطنیہ اہل باطن جانیں اس دور میں سب سے خطرناک اور ایمان سوز تحریک دیوبندیت وہابیت کی تحریک ہے جو کفر محض کو اسلام خالص اور کافر و مرتد کو کامل الایمان ظاہر کر کے لاکھوں کو گمراہ و بددین بنا رہی ہے، اس امر مخصوص میں حضرت علیہ الرحمہ اپنے انداز میں فرد تھے یہ ایک ایسا خلا ہے کہ اس کا پُر ہونا بہت ہی مشکل ہے۔

حضرت موصوف علیہ الرحمہ کی رحلت دین و مذہب اور اہل مذہب کے لئے ایک سانحہ عظیمہ ہے۔ خصوصًا اس دور قحط الرّجال میں رحم بالائے رحم ہے"!

ماخوذ از پاسبان ص ۳۸ اگست ۱۹۶۰ء

۱۰ حضرت مولانا سید مصباح الحسن سجادہ نشین آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند اٹاوہ (م ۱۹۸۴ء)

" حضرت مولانا حشمت علی خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات دنیائے سنیت کیلئے حادثہ عظیم ہے۔ بظاہر ان کا بدل مشکل نظر آتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بدل عطا فرمائے"

ماخوذ از پاسبان ص ۳۹ اگست ۱۹۶۰ء

۱۱ حضرت مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری رحمۃ اللہ علیہ

" حضرت مولانا حشمت علی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت ملت کیلئے انتہائی روح فرسا ہے آپ کی مفارقت پر ہم جتنا روئیں کم ہے کہ ہم میں سے ایسا باکمال عالم اٹھ گیا کہ جسکی تفضیلت

اور شدت کے اپنے پرائے سبھی قائل ہیں۔ اس دور میں جبکہ باطل ہر سمت سے سر اٹھا رہا ہے اور تلبیس و تدلیس کا بازار ہر طرف گرم ہے۔ مولانا نے دین کی جو خدمت کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی"۔ ماخوذ از پاسبان ص ۳۹ اگست ۱۹۶۰ء

(۱۲) حضرت مولانا مفتی برہان الحق قادری جبلپوری قدس سرہٗ

شیر بیشہ سنت علیہ الرحمہ کے کوائف و حالات میں بعض وہ ہیں جن کی ضرب نے فقیر بے توقیر کو اسی صف میں کھڑا کر دیا تھا معاذ ربنا تبارک و تعالےٰ۔ جس صف میں اعدائے دین و مبتدعین تھے اور اگر صرف دوروں اور وعظ گوئی پر مدارِ معاش ہوتا تو شاید فقیر کہیں کا نہ رہتا۔ گو یہ چیز ممدوح مرحوم کی بدنیتی پر محمول نہیں کی جا سکتی بلکہ صرف تصلّب شدید تھا جس کے سبب اپنے پرائے کا امتیاز نہ رہتا تھا۔ ورنہ ایک ایسے فقیر کیطرف جس نے مرجع حرمین طیبین حضرت مجدد دین و ملت علیہ الرحمہ سے روحانی بیٹے کا قابل فخر شرف پایا۔ بہرحال شیر بیشہ سنت ایک ایسے شیر علم تھے جس کی صدائے حق سے عالم گونج رہا تھا اور جسکی حق پرستی اور حمایت سنیت کسی حق پسند سے بھی ایسا کلمہ برداشت نہ کر سکتی تھی جسے اس نے ناحق سمجھا اور اعلائے کلمۂ حق پر اس ذی حشمت عالی ہمت نے کسی رعایت سے کام نہ لیا۔ فقیر نے ان کی حیات دائمی پر عرض کیا ہے۔

جدا ہو گئے ہم سے حشمت علی ؎ گلستانِ جنت میں ہیں وہ مقیم

ماخوذ از پاسبان ص ۴۰ اگست ۱۹۶۰ء

(۱۳) حضرت مولانا محمد حامد علی رائپوری علیہ الرحمہ مہتمم مسلم یتیم خانہ رائپور (م ۱۳۸۸ھ)

"میں اور مولانا حشمت علی صاحب علیہ الرحمہ نے ایک ہی مدرسہ یعنی منظر اسلام محلہ سوداگران بانس بریلی میں تعلیم حاصل کی ہے۔ مولانا مجھ سے دو سال پیچھے تھے مجھے مدرسہ سے ۱۵ ار شعبان ۱۳۳۸ھ کو سند ملی اور مولانا تعلیم حاصل کرتے رہے۔ زمانہ طالب علمی میں مولانا میرے

ساتھ رہے۔ یوں تو مدرسہ کے ہر طالب علم کا رجحان ردِ وہابیہ کیطرف تھا۔ مگر مولانا اس میدان میں پیش پیش تھے۔ مولانا کی طبیعت شروع سے ردِ وہابیہ کیطرف تھی۔ اور آخر عمر تک اللہ تعالےٰ نے اس امر میں آگے ہی رکھا۔

مدرسہ کے قاعدے کے مطابق ہم لوگ اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کے پاس بعد عصر کے باہر سے آئے ہوئے سوالات کو سناتے تھے اور حضور جو جواب ارشاد فرماتے تھے وہ لکھ دیا کرتے تھے۔ اور بعض مرتبہ یہ حکم ہوتا تھا کہ اس سوال پر فقہ کا جزئیہ تلاش کر کے کل لاؤ جس دن یہ حکم ہوتا تھا اس دن ہم لوگوں پر ایک مشکل آجاتی تھی۔ طالب علمی کا زمانہ، کتابوں کا مطالعہ کرنا اور پھر جزئیہ تلاش کرنا۔ رات کو دس بجے کے بعد جزئیہ کی تلاش ہوتی تھی اس میں بھی حضرت شیر بیشہ سنت ہمارے ساتھ ہوتے۔ غرضیکہ زندگی کے وہ لمحات جو طالب علمی کے تھے اب تک پیشِ نظر ہیں اور جب ان کی یاد آتی ہے تو دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے کہ کیا زمانہ تھا"۔

ماخوذ از پاسبان ص ۴۱ اگست ستمبر ۱۹۶۰ء

بلغ العلی بکمالہ
کشف الدجی بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

تاثرات

(منظوم)

① مفتی اعظم بمبئی حضرتِ مولانا محبوب علی رحمۃ اللہ علیہ

نائب شیر خدا ہیں حضرتِ حشمت علی　　دلبر غوث الوریٰ ہیں حضرتِ حشمت علی
زبدۂ اہل وفا ہیں حضرتِ حشمت علی　　مظہر احمد رضا ہیں حضرتِ حشمت علی
چشم مومن کی ضیا ہیں حضرتِ حشمت علی　　قلب مسلم کی جلا ہیں حضرتِ حشمت علی
ناصر دین خدا ہیں حضرتِ حشمت علی　　رہبر راہ ہدیٰ ہیں حضرتِ حشمت علی
اعلیٰحضرت نے جنھیں رُوحانی بیٹا کر لیا　　وہ فیوضات رضا ہیں حضرتِ حشمت علی
خلد میں داخل ہو، رضواں نے کہا جاکر اُنہیں　　عبد عبد المصطفیٰ ہیں حضرتِ حشمت علی

ہے محبؔ قادری بھی ان کا ہی ادنیٰ گدا
آپ جن کے دلربا ہیں حضرتِ حشمت علی

ماخوذ حیات بلند پایہ حشمت علی ص ۱۶

② حضرتِ مولانا مفتی شاہ سید آلِ مصطفیٰ مارہروی رحمۃ اللہ علیہ

خدارا ولی بود حشمت علی　　نبی را رضی بود حشمت علی
زفیضان بوبکر صدیق اکبر　　نقی وصفی بود حشمت علی
زفاروق وعثماں ضیائے گرفتہ　　بدین علی بود حشمت علی
ز نور قدم شہ غوثِ اعظم　　بہی وسنی بود حشمت علی

زفیض رضا وز برکات قاسم　　رفیع وذکی بود حشمت علی
بوصفش چو پرسید سیدؔ زہاتف
بگفتا تقی بود حشمت علی

③ حضرتِ مولانا مفتی رجب علی قادری رضوی نانپارہ (بہرائچ)

پیکر صدق وصفا مظہر اعلیٰحضرت　　منتظر رشد وھدا ئے مظہرِ اعلیٰحضرت
قدوۂ اہل ولا مظہرِ اعلیٰحضرت　　زبدۂ اہل تقا مظہرِ اعلیٰحضرت
علم میں فضل میں حکمت میں بفضل باری　　فائق دہر رہا مظہرِ اعلیٰحضرت
وہ تصلب کا جبل ہی نہیں تھا اس سے ارشد　　پر تو شیرِ خدا مظہرِ اعلیٰحضرت
نام سے جسکے لرزتے تھے سبھی اہل دغا　　شیر تھا ایسا مرا مظہرِ اعلیٰحضرت
راست بازی میں صداقت میں بحد مدحت　　جو کہوں اس سے سوا مظہرِ اعلیٰحضرت
میرا منھ کیا، میں کہاں اور کہاں آپکی ذات　　کیا لکھوں گا میں ثنا مظہرِ اعلیٰحضرت
آپ سورج ہیں تو میں ذرۂ بے قدر سے کم　　حوصلہ ہے یہ مرا مظہرِ اعلیٰحضرت

④ شہزادہ محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں اشرفی کچھوچھہ شریف

حشمت دین متیں دانائے کیف وکم ہوا　　پاسبان حق ہوا اسرار کا محرم ہوا
دشمنوں میں بنکے چمکا ذوالفقار حیدری　　اور جب اپنوں میں پہنچا پیار کی شبنم ہوا
آسمان زرفشاں ہو یا زمین گل فروش　　تو یہاں سے کیا گیا ہر اک اسیر غم ہوا
آج تاریکی اڑاتی ہے اجالے کا مذاق　　کہ تیری دنیا کا اک نجم درخشاں کم ہوا
زلیست ہو سارے جہاں کی کیوں نہ اسکی زندگی　　پیکرِ آدم تھا لیکن وسعتِ عالم ہوا
دل میں اپنے عشق پاکِ مالک عالم لئے　　حاضرِ خلوت سرائے خالق عالم ہوا
پرتو احمد رضا پروردۂ امجد علی　　آسمانِ اتقار کا نیرّ اعظم ہوا

یہ ضیاء الدین کا فیض نظر ہے دوستو — جسکو مشت خاک سمجھا تھا وہ اِک عالم ہوا

کتنی آنکھیں ہیں جو اسکے ہجر میں ہیں اشکبار

دیدۂ اختر فقط تو ہی نہیں پر نم ہوا

⑤ مولانا غیاث الدین خلف الرشید مولانا عماد الدین رحمۃ اللہ علیہ

حامی اسلام و سنت حضرت حشمت علی — ناصر ایمان و ملت حضرت حشمت علی

قاطع الحاد و بدعت حضرت حشمت علی — کاسر ہر شرک و ردت حضرت حشمت علی

تو رسول حق کا نائب مظہر احمد رضا — تجھ پہ ہے ان کی عنایت حضرت حشمت علی

کانگریس اور لیگ کی تونے اڑائیں دھجیاں — خوب کی ان کی مرمت حضرت حشمت علی

پھر نہیں پاتے وہ یہ قدرت کہ لکھیں ایک حرف — ایسی چھائی تیری ہیبت حضرت حشمت علی

(ماخوذ از فتاوی اہل السنۃ لکدا ہل الفتنۃ مطبوعہ کان پور ص ۱)

⑥ حضرت مولانا سیّد نیاز احمد قادری

مفتی دین شریعت شیر حق حشمت علی — مقتدائے اہلسنت شیر حق حشمت علی

خارجیت رافضیت کی اڑائیں دھجیاں — جگمگا دی حق کی طلعت شیر حق حشمت علی

کانگریس اور لیگ کے فتنوں سے تونے کی تنہا — اہلسنت کی حفاظت شیر حق حشمت علی

بول بالا حق کا ہے باطل کا منھ کالا ہوا — یہ تیرے خامے کی قوت شیر حق حشمت علی

ماخوذ از فتاوی اہل السنۃ لکدا ہل الفتنۃ ص ۳

⑦ عالیجناب سید ضیاء الرحمن — کوٹہ راجستھان

شرق سے تا غرب ہے عظمت تری حشمت علی — چار سو عالم میں ہے شہرت تری حشمت علی

دشمنی رکھتے ہیں لامذہب تو اس کا کیا گلہ — سنیوں کے دل میں ہے عظمت تری حشمت علی

اعلیحضرت کا ہے مظہر تو خلیفہ لا کلام — فخر سے کرتے ہیں سب خدمت تری حشمت علی

خدمت مرشد سے تجھکو واہ کیا رتبہ ملا — کرتے ہیں مخدوم بھی خدمت تری حشمت علی

معرفت کے نور سے سینہ فروزاں ہوگیا — جسکو اک ساعت ملی صحبت تری حشمت علی

شوکت و صولت کی دولت فضل ایزد سے ملی — نام ہے حشمت ترا حشمت علی حشمت علی

کیا ضیائے بینوا وصاف تیرے لکھ سکے — ہے زبان خلق پر مدحت تری حشمت علی

ماخوذ از مکتوب ۲۵ مارچ سنہ ۱۹۵۹ء

⑧ ابو طاہر حضرت مولانا مفتی محمد طیّب دانا پوری

(ح × ش) حمد خالق کو دی اس نے ہمیں فتح و ظفر — شرم سے جھک گئی ہر دیوبندی کی نظر

(م × ت) مل گیا مٹی میں ان کا آج سارا طمطراق — تاج نصرت حضرت بو الفتح کے سر دیکھ کر

(ع × ل) عید سے بڑھکر مسرت سنیوں سے ہے عیاں! — لائے ہیں ہم بھی مبارکباد کا زریں گہر

(ی × خ) یوں ہی دے ہر اہلسنت کو ظفر اے کارساز — خوب شق ہوتا رہے ہر دیوبندی کا جگر

(ا × ن) اس خوشی میں آج طیب اس قدر مسرور ہے — نام سے نصرت کے اس کا سر ہے گویا عرش پر

اسم فاتح پڑھ لو ہر مصرع کے پہلے حرف سے

اور سن فتح مبیں ظاہر ہے پچھلے حرف سے

ماخوذ شمع منور رہ نجات ص ۱۵۲

⑨ جناب رآز الہ آبادی

ہم سنیوں کے دل کا سہارا چلا گیا — احمد رضا کی آنکھ کا تارا چلا گیا

الجھا دیا تھا جنکو حریفان دہر نے — ان گیسوؤں کو جس نے سنوارا چلا گیا

وہ جس کا شیر بیشۂ سنت خطاب تھا — جو عمر بھر کسی سے نہ ہارا چلا گیا

تفسیر آبدیدہ ہوئی فلسفہ اداس — تقریر کہتی ہے مرا پیارا چلا گیا

کہتے تھے راز مولوی حشمت علی جسے
یعنی وہ چارہ ساز ہمارا چلا گیا

ماخود پاسبان الہ آباد ص ۲ اگست وستمبر ۱۹۶۰ء

(۱۰) جناب تنویر سامانی الہ آبادی

لالہ و گل تھے کبھی جو شادماں حشمت علی — آپ کے غم میں ہیں اب وہ نوحہ خواں حشمت علی
آپ تھے وہ محسن اعظم کہ جن کی یاد میں — تا قیامت روئے گی اردو زباں حشمت علی
آفتاب عقل و دانش ماہتاب علم و فن — رہبر ملت امیر کارواں حشمت علی
اب کہاں وہ فخر ملت آبروئے ایشیا — اب کہاں وہ نازش ہندوستاں حشمت علی
باد صرصر نے اسے تنویر گل کر ہی دیا — ملک میں تھا اک چراغ ضوفشاں حشمت علی

ماخود پاسبان الہ آباد ص ۲ اگست وستمبر ۱۹۶۰ء

(۱۱) جناب اجمل سلطانپوری

مناظر وہ لقب تھا جس کا شیر بیشۂ سنت — مناظر وہ جو تھا حامی سنت ماحی بدعت
مناظر وہ کہ جس سے تھرتھراتی تھی وہابیت — مناظر وہ ہوئی جسکی ہمیشہ فتح اور نصرت
مناظر وہ جو ہمت کا دھنی تھا مرد میداں تھا
وہ جس کا نام نامی مولوی حشمت علیخاں تھا
وہ غازی جو عدوئے حق کے حق میں تیغ براں تھا — وہ غازی جو نبی کے دشمنوں کا دشمن جاں تھا
وہ غازی جسکے چہرے سے جلال حق نمایاں تھا — وہ غازی جو خدا کے شیر کا شیر نیستاں تھا
مقرر وہ جو تھا تقریر میں گفتار کا غازی
وہ عالم جو عمل سے اپنے تھا کردار کا غازی
وہ سورج چھپ گیا موجود ہے اسکی کرن اب بھی — معطر حشمتی پھولوں سے ہے باغ سنن اب بھی

ہیں اس سے مستفیض علم اہل علم و فن اب بھی — ہزاروں مشعلیں ہیں اسکی زیب انجمن اب بھی
شہید ملت اسلامیہ کا غم ہے سینے میں
شہادت اس کو راس آئی محرم کے مہینے میں

ماخوذ پاسبان ص ۳ اگست وستمبر ۱۹۶۰ء

(۱۲) جناب حمید حافظی، بریلی

عاشق ماہ رسالت مولوی حشمت علی — پیشوائے اہلسنت مولوی حشمت علی
تم ہو شیر بیشۂ سنت یہ طشت از بام ہے — عشق سرور کی بدولت مولوی حشمت علی
تم مجاہد ہو رضا کی فوج کے جانباز ہو — تم ہو شیر دین و ملت مولوی حشمت علی
تم شہید عشق محبوب خدا ہو بالیقیں — تم نے پائی ہے شہادت مولوی حشمت علی
خوب ہے تاریخ رحلت لکھ حمید حافظی
تم گئے ہو سوئے جنت مولوی حشمت علی
۱۹

ماخوذ پاسبان ص ۴۶ اگست وستمبر ۱۹۶۰ء

(۱۸) جناب بیکل اتساہی بلرام پوری

دل میں رسول پاک کی الفت لئے ہوئے — رخ پر علی کی شوکت و حشمت لئے ہوئے
قربت بھی شیر بیشۂ سنت کی کیا کہوں — اک روشنی تھی نور مسرت لئے ہوئے
محفل میں جو بھی ان کے چلا آیا بن گیا — جانے لگا تو حسن شریعت لئے ہوئے
عابد وہ جس پہ شان عبادت کروں نثار — قانع وہ ایسا حسن قناعت لئے ہوئے
سرکار دو جہان کے دشمن دہل گئے — ابو الفتح جو پہنچا تو نصرت لئے ہوئے
بیکل جو دل میں ان کی جدائی کا داغ ہے
سچ مان وہ ہے نوری امانت لئے ہوئے

ماخوذ از "پاسبان" ص ۱۳، اگست وستمبر ۱۹۶۰ء

(۱۴) جناب عرفان الہ آبادی

دل مضطر پریشانی ہے کیسی — مری آنکھوں میں طغیانی ہے کیسی
چمن میں آج ویرانی ہے کیسی — گلوں کی چاک دامانی ہے کیسی
مخالف نام سے لرزاں تھے جس کے — موافق علم سے حیراں تھے جس کے
شہنشاہ مناظر تھی جو ہستی — تھی جس سے سرنگوں باطل پرستی
محافظ اہلسنت کے چمن کا — لباس اس کے بدن پر ہے کفن کا
پریشانی سب اس کی دور کردے — لحد کو نور سے معمور کردے

ماخوذ پاسبان ص ۳۶ اگست و ستمبر ۱۹۶۰ء

(۱۵) جناب مولانا فخر صاحب احمد آبادی

اف وہ درویش و فقیر و مولوی — اہل دل اہل نظر اہل طریق
دھوم تھی دنیا میں ان کے وعظ کی — سہل کر دیتے تھے وہ باتیں دقیق
شاہراہ مسلک اسلام میں — تھے وہ علمائے بریلی کے رفیق
مرد خوددار و غیور و خوش مزاج — صاحب لطف و کرم یکتا خلیق
زندگی بھر خدمتیں کیں قوم کی — کم نظر آتے ہیں اب ایسے شفیق
تھے بہی خواہ بنی نوعِ بشر — مادر گیتی کے فرزندِ لئیق
فخر تھے دنیائے علم و فضل میں — مولوی حشمت علی بحرِ عمیق

ماخوذ پاسبان ص ۳۶ اگست و ستمبر ۱۹۶۰ء

(۱۶) حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آبادی

جان تفسیر حدیث دیگراں جاتا رہا — بزم رضویت کا وہ روح رواں جاتا رہا
پاسبان دین و ملت اے امیر کارواں — تو گیا یا سنیت کا راز داں جاتا رہا

حامد و امجد نعیم و مصطفےٰ کا لاڈلا — گلشن احمد رضا کا باغباں جاتا رہا
ہیں رضوی نظامی قادری سب رو پڑے — کیوں نہ ہو ماتم بپا پیر مغاں جاتا رہا

اے نظامی ختم کر افسانہ پُرغم یہاں
پھٹ نہ جائے تیرے رونے سے زمین و آسماں

ماخوذ از پاسبان ص ۲۰ اگست و ستمبر ۱۹۶۰ء

(۱۷) جناب عاصم اشرفی بمبئی

قلب مومن کا سکوں دل کی ضیا جاتا رہا — اہل حق، حق گو ہمارا رہنما جاتا رہا
دم بخود ہیں علم کے سب جوہری اپنی جگہ — بحر سنیت کا دُرِّ بے بہا جاتا رہا
قصر باطل برق حق سے جس نے ڈھائے عمر بھر — وہ غلام حضرت احمد رضا جاتا رہا
بے وفا کی بیوفائی پر جو تھا شعلہ نگن — ہاں وہ حق گو حق پرست حق آشنا جاتا رہا

عمر بھر ڈھونڈیں گی نظریں ان کو عاصم اشرفی
سنیوں کا شیر وہ مردِ خدا جاتا رہا

ماخوذ از پاسبان ص ۱۸ اگست و ستمبر ۱۹۶۰ء

(۱۳) جناب مرتضیٰ صاحب رضوی

طالب مصطفےٰ و خدا پر سلام — نائب شاہ ہر دوسرا پر سلام
دلبر خاص غوث الوریٰ پر سلام — مظہر شاہ احمد رضا پر سلام
نام جس کا مبارک ہے حشمت علی — اہلسنت کے اس پیشوا پر سلام
واعظ بے بہا شاہ صدق و صفا — رہبر راہ اہل وفا پر سلام

قلب مومن میں ہے جسکی الفت بسی
بھیج رضوی تو اس دلربا پر سلام

ماخوذ پاسبان ص ۳۶ اگست و ستمبر ۱۹۶۰ء

کتابیات

کتب

۱	القرآن الحکیم			
۲	احکامِ دینیہ ضروریہ	مولانا ملک نیاز احمد	کانپور	۱۳۶۹ھ
۳	اربعین شدت	مولانا محبوب علی	بریلی	۱۹۸۹ء
۴	انکشاف حقیت (رادالمہند)	مولانا حشمت علی لکھنوی		۱۹۸۵ء
۵	تحذیر الناس	مولوی محمد قاسم نانوتوی	دہلی	۱۳۵۵ھ
۶	تذکرہ محدث سورتی	خواجہ رضی حیدر	کراچی	۱۹۸۱ء
۷	تذکرہ علمائے اہلسنت	مولانا محمود احمد	مظفر پور	۱۹۷۱ء
۸	تذکرہ علمائے لبستی	ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم	فیض آباد	۱۹۸۸ء
۹	تفسیر عزیزی	محدث عبد العزیز دہلوی	لاہور	ب ت
۱۰	تقریر منیر قلب	مولانا حشمت علیخاں لکھنوی	لکھنؤ	۱۳۴۲ھ
۱۱	جواہر المنطق	مولانا بدر الدین احمد رضوی	دہلی	۱۴۰۵ھ
۱۲	حفظ الایمان	مولوی اشرف علی تھانوی	دہلی	ب ت
۱۳	حیات شیخ المشائخ	مولانا نسیم لبستوی		۱۹۷۷ء
۱۴	حیات بلند پایہ حشمت علی	مولانا محبوب علی	کانپور	ب ت
۱۵	خوابوں کی بارات	مولانا منصور علی	بمبئی	۱۹۸۲ء
۱۶	دو قومی نظریہ	محمد عمر خاں	پشاور	۱۹۶۷ء
۱۷	ستر باادب سوالات دینیہ	مولانا حشمت علی لکھنوی	کانپور	۱۳۶۴ھ
۱۸	سوانح شیر بیشہ سنت	مولانا محبوب علی	بمبئی	۱۹۹۰ء
۱۹	فتاوی اہل السنۃ	غلام حسن قادری	کانپور	ب ت
۲۰	کلکِ رضا	مولانا امان الرب	ہزاری باغ	۱۹۹۰ء
۲۱	کلیاتِ حیات اول	صوفی حیات علی	کانپور	۱۹۸۰ء
۲۲	کلیات حیات دوم	صوفی حیات علی	کانپور	ب ت
۲۳	مخدوم ملت	اطہر القادری	کانپور	۱۳۹۸ھ

(۲۴) مرثیہ گنگوہی	مولوی محمود الحسن	دہلی	ب ت
(۲۵) مظہر اعلیحضرت	ماسٹر عبد الوہاب	لکھنؤ	۱۴۰۲ ھ
(۲۶) معرکۂ حق و باطل	محمد یونس	دہلی	۱۴۰۵ ھ
(۲۷) الملفوظ	مولانا مصطفےٰ رضا		ب ت
(۲۸) مناظرۂ ملتان	محمد علی		۱۴۰۵ ھ
(۲۹) مناظرۂ پنجاب	فرزند علی		۱۴۰۶ ھ
(۳۰) مناظرۂ ادری	مولانا محمد طیب	الہ آباد	۱۴۰۳ ھ
(۳۱) ہدایۃ المہدئین	مولوی محمد شفیع	دیوبند	۱۳۴۲ ھ

رسائل و مجلات

(۱) استقامت	(ڈائجسٹ)	کانپور
(۲) اعلیحضرت	(ماہنامہ)	بریلی
(۳) پاسبان	(ماہنامہ)	الہ آباد
(۴) پیام احمد	(ماہنامہ)	کراچی
(۵) جہان رضا	(ماہنامہ)	لاہور
(۶) حشمت میگزین	(میگزین)	پیلی بھیت
(۷) سنی دنیا	(ماہنامہ)	بریلی
(۸) فیض الرسول	(ماہنامہ)	سدھارتھ نگر
(۹) الفقیہ	(ہفت روزہ)	امرتسر
(۱۰) مجلہ علوم اسلامیہ	(سالنامہ)	علی گڈھ
(۱۱) نوری کرن	(ماہنامہ)	بریلی

متنبّی ایک تحقیقی مطالعہ

تصنیف ـــــــــ ڈاکٹر غلام یحیٰی انجم

متنبی وہ واحد شاعر ہے جسکی شاعرانہ صلاحیتوں کا اعتراف عرب وعجم نے یکساں طور پر کیا ہے ہندوستان کے بیشتر مدارس وجامعات میں اس کی شاعرانہ صلاحیت کے پیش نظر خصوصی مطالعہ کے طور پر اُسے پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے یہ کتاب اسکی اکیاون سالہ زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے اکیاون پہلوؤں پر گفتگو اس انداز سے کی گئی ہے کہ عالم وفاضل ادب (الہ آباد بورڈ) کے امتحان میں شریک ہونے والے طلبہ اور مدارس وجامعات میں خصوصی مطالعہ کے طور پر پڑھنے اور پڑھانے والے طلبہ واساتذہ کے لئے خضرِ راہ کا کام دے ۔

پروفیسر سلیمان اشرف سابق صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی فرماتے ہیں ۔

" متنبی کے بارے میں تقریبًا ساڑھے تین سو سے زائد کتابیں ومقالات تحریر کئے جا چکے ہیں ۔ اردو میں اس سلسلے میں بہت کم کام ہوا ہے ۔ ڈاکٹر غلام یحیٰی انجم جو اسلامیات کے ساتھ عربی ادب کا بھی بہت اچھا ذوق رکھتے ہیں اور میدانِ تحریر میں ہمیشہ رواں دواں رہتے ہیں ۔ اس ضرورت کو محسوس کر کے متنبی کے بارے میں بہت سے مراجع ومصادر کی ورق گردانی کر کے اس کتاب کی تدوین وتالیف کی ہے ۔

انجم صاحب کا انداز بیان کافی شگفتہ وسلیس ہے ۔ شعروں کے ترجمے میں اس کی سلاست وروانی کو برقرار رکھا ہے ۔ لی

عمدہ کتابت وطباعت ، دیدہ زیب سرورق کاغذ بہتر اور معیاری تقریبًا ۳۰۰ صفحات کے ہوتے ہوئے مناسب اور رعایتی قیمت کے ساتھ جلد ہی منظر عام پر آرہی ہے ۔

ضرورت مند حضرات فورًا رابطہ قائم کریں

★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★

(۱) ڈاکٹر غلام یحیٰی انجم ، شعبہ تقابل ادیان فیکلٹی اسلامک اسٹڈیز جامعہ ہمدرد نئی دلی ۶۲
(۲) مکتبہ جامِ نور ، ۴۲۲ ، مٹیا محل ، جامع مسجد دہلی ۶

اختلافِ رضا

تصنیف ـــــــــ ڈاکٹر غلام یحیٰی انجم

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت وسوانح سے متعلق اردو وانگریزی زبان وادب میں بہت کام ہوا ۔ اسوقت بھی دنیا کے مختلف جامعات میں اہل علم مسلسل ریسرچ وتحقیق میں لگے ہوئے ہیں مگر اب بھی بہت کچھ کام باقی ہے ۔ امام احمد رضا کا معاصر علماء ودانشوروں سے اختلاف اور اس کے موضوع پر یہ پہلی عالمانہ سنجیدہ کوشش ہے ۔ اس کتاب میں علماء اور دانشوروں کے علمی ، مذہبی اور سیاسی اختلاف کو علمی اور تحقیقی انداز میں حیطۂ تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے ۔ یوں تو امام احمد رضا نے ہر اس شخص کا تعاقب کیا ہے جس سے علمی ، مذہبی یا سیاسی لغزشات سرزد ہوئی ہیں ۔ ایسے لوگوں کی طویل فہرست ہے ۔ جن میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین ، پروفیسر حاکم علی ، جسٹس محمود ، مولانا عبدالباری فرنگی محلی ، مسٹر گاندھی ، مولانا ابوالکلام آزاد ، ڈاکٹر اقبال ، پروفیسر البرٹ ایف پورٹا ، مولانا شبلی نعمانی ، مولانا اشرف علی تھانوی ، میاں نذیر حسین دہلوی ، مولانا رشید احمد گنگوہی ، مرزا غلام احمد قادیانی اور مولانا طیب عرب مکی بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں ۔

کتاب میں شامل ہر بحث کو دلائل وشواہد سے مربوط کیا گیا ہے ۔ جو کچھ لکھا گیا ہے غیر جانبدارانہ ہے از خود کوئی رائے قائم کرنے سے احتراز کیا گیا ہے ، اختلاف کی تہہ تک پہنچنے اور اس سے مثبت نتیجہ نکالنے کی کوشش کی گئی ہے اس کتاب کی کچھ بحثیں پاکستانی رسائل وجرائد میں شائع ہو کر اہلِ علم کو جدید انکشافات سے چونکا چکی ہیں ۔ یہ زیر ترتیب کتاب تکمیل کے مرحلہ میں ہے ۔

رابطہ کا پتہ
ڈاکٹر غلام یحیٰی انجم
شعبہ تقابل ادیان ، اسلامک اسٹڈیز
جامعہ ہمدرد نئی دلی ۶۲
دانشکدہ ، ۱/۱ اے بلاک ، ہمدرد کالونی
پہلادپور ، بدرپور ، نئی دلی ۴۴